وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

مرتبہ

اختر شیرانی

کتاب منزل لاہور

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

مختصر ڈراموں کا ایک مجموعہ

مُرتّبہ

اختر شیرانی

کتاب منزل لاہور

بار اوّل　　سنہ ۱۹۴۷ء　　قیمت چار روپے ۸ر

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور میں
چھپوا کر کتاب منزل کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

فہرست

ہرجائی

منظر

جنگل کی ایک وادی۔ شفتالو کا ایک بڑا درخت
جس کی شاخیں اسٹیج کے اوپر لٹک رہی ہیں
سورج کی چمکیلی روشنی پتوں میں سے چھن
چھن کر آرہی ہے۔

(پردہ اُٹھتا ہے۔ سیسل زمین پر درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے اور کتاب دیکھ رہا ہے۔ اس کا ہیٹ اور ملبوس بہت سبک ہے مختلف پرندے چہچہا رہے ہیں۔ دفعتاً سیسل کے سر پر ایک طوطی گانے لگتا ہے۔ سیسل اوپر دیکھتا ہے۔)

سیسل :۔ واللہ کیسا خوش کن راگ ہے (کچھ دیر سنتا ہے پھر پڑھنے لگتا ہے)
اتنے میں دائیں جانب سے ایویلین آتی دکھائی دیتی ہے ۔ وہ بھی بہت
ہلکا لباس پہنے ہوئے ہے۔ سیسل آہٹ سن کر ایک دم اُٹھتا ہے اور
ایویلین کے استقبال کے لئے دایاں ہاتھ بڑھاتا ہے (بند کتاب اس
کے بائیں ہاتھ میں ہے۔)

سیسل ۔ (طعن آمیز انداز میں) آخر کار ۔ آپ آ ہی گئیں ۔

ایویلین (تعجب سے) آخر کار ؟

سیسل ۔ (گھڑی دیکھ کر) ہاں ہاں آج آپ بہت دیر سے آئیں ۔ مجھے تین بجے
امید تھی ۔

ایویلین :۔ واقعی ؟ لیکن میں نے تین بجے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ دراصل میں
نے تو کبھی آنے کا وعدہ ہی نہیں کیا ۔

سیسل ۔ مگر آپ ہمیشہ تین ہی بجے آیا کرتی ہیں ۔

ایویلین ۔ واقعی ؟

سیسل ۔ اور اب ساڑھے تین ہو گئے ۔ مجھے کامل آدھ گھنٹہ انتظار میں
رکھا ۔

ایویلین ۔ میں مجبور تھی ۔ امی نے مجھے ٹھہرا لیے رکھا ۔ وہ کہتی تھیں کہ ڈرائنگ
روم میں پھول سجانے ہیں ۔

سیسل ۔ کیا واہیات ہے مسز ایویلین بھی کیسی لغو عورت ہیں ۔

ایویلین ۔ مسٹر سیسل !

سیسل ۔ کیوں ؟ کیا بات ہے !

ایویلین ۔ تمہیں میری امّی کو لغو ہرگز نہ کہنا چاہیئے ۔

سیسل ۔ کیوں نہیں ؟ اگر وہ واقعی لغو ہیں تو ؟ اور ماں باپ تو اکثر ہوتے ہی لغو ہیں مسز ایویلین کو پھولوں کا خیال صبح ہی صبح ہونا چاہیئے تھا جو مناسب وقت بھی ہے ۔ کیا تم نے اُن سے یہ نہیں کہا ؟

ایویلین ۔ میں یہ نہیں کہہ سکی ۔ پھولوں کا خیال تو مجھے خود ہونا چاہیئے ۔ مگر آج صبح میں بھول گئی ۔

سیسل ۔ خوب درخت کی طرف مڑ کر ۔ اچلو خیر ۔ اب یہاں بیٹھ جاؤ ۔ کیسا شاندار دن ہے ؟

ایویلین ۔ لیکن مجھے بیٹھنا نہیں چاہیئے ۔

سیسل ۔ کیوں نہیں ؟ کھڑے رہنا کوئی خاص نیکی کی بات نہیں ہے ۔ مجھے کھڑے ہونے سے نفرت ہے اس لئے آؤ آرام سے بیٹھیں ۔

(سیسل بیٹھ جاتا ہے ۔ ایویلین ذرا پرے بیٹھ جاتی ہے)

ایویلین ۔ لیکن کیا مجھے یہاں آپ کے ساتھ بیٹھ جانا چاہیئے ۔ میرا مطلب ہے کہ میں

آپ کی شناسا نہیں۔

سیسل۔ شناسا نہیں؟

ایویلین۔ یعنی اچھی طرح نہیں۔ ہمارا تعارف بھی نہیں ہوا۔ صرف اتفاق سے ہم یہاں ملے تھے۔

سیسل۔ (جوشِ مسرت سے) خوب! کیسا شاندار اتفاق تھا!

ایویلین۔ لیکن ـــــ مجھے یقین ہے کہ امّی اسے پسند نہیں کریں گی۔

سیسل۔ اور تم کہتی ہو کہ تمہاری امّی لغو ہی نہیں۔

ایویلین۔ (ہنس کر) دوسرے لوگ بھی اس سے متفق ہوں گے۔ اکثر لوگ اسے مناسب نہیں سمجھتے کہ ایک جوان لڑکی کو ایک غیر آشنا مرد سے بولنا چاہیئے۔

سیسل۔ واہ! میں نے تو تم سے صرف سرائے کا راستہ پوچھا تھا۔

ایویلین۔ اس کا کوئی ہرج نہیں تھا۔ لیکن بعد میں ہم نے اور باتیں شروع کر دیں اور اس دن سے ہر سہ پہر ہم اس درخت کے نیچے آ بیٹھتے ہیں۔

سیسل۔ ہاں یہ درخت بھی کیسا خوش کُن ہے!

ایویلین۔ میرا خیال ہے امّی ضرور خفا ہوں گی۔

سیسل۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو کبھی ایسا خیال نہ کرتا۔ عقلمند لوگ اپنی خواہش کے مطابق عمل کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ انہیں کیا کرنا

چاہیئے۔

ایویلین۔ لیکن اگر میں وہ کروں جو مناسب نہ ہو۔ تو مجھے ہمیشہ پچھتانا پڑتا ہے۔

سیسل۔ اتنا نہیں جتنا اس کے نہ کرنے سے پچھتانا پڑتا ہے۔ مثلاً اگر میں تم سے نہ ملا ہوتا تو میں تمام عمر پچھتاتا رہتا۔

ایویلین۔ واقعی؟

(سیسل اثبات میں سر ہلاتا ہے۔)

ایویلین۔ کیا یہ سچ ہے؟

(سیسل۔ ایویلین کا ہاتھ پکڑ کر دباتا ہے۔ کوئل دو تین دفعہ بولتی ہے۔ ایویلین ہاتھ کھینچ لیتی ہے۔)

ایویلین۔ کوئل بول رہی ہے (سیسل اُٹھتا ہے۔ اور ایویلین کے نزدیک بیٹھ کر درخت سے ٹیک لگا دیتا ہے)

سیسل۔ ہاں وہ کیسی خوش ہے۔

(کچھ دیر تک وہ پرندوں کی باتیں کرتے ہیں جس میں سیسل اپنے باغیانہ خیالات کا اظہار کرتا ہے۔)

ایویلین سوچنے لگتی ہے۔

سیسل۔ میرا خیال ہے کہ تم اس طرح آرام سے نہیں بیٹھیں۔ درخت کے ساتھ ٹیک لگالو۔ یہ درخت بہت اعلیٰ قسم کا ہے۔ اسی لئے میں نے اسے چنا ہے۔

(ایویلین کوشش کرتی ہے۔ لیکن اس کا ہیٹ درخت سے لگتا ہے اور وہ ہٹ جاتی ہے۔)

سیسل۔ تم ہیٹ کو اتار کیوں نہیں دیتیں۔

ایویلین۔ ہاں یہ بہتر ہوگا (اُتار دیتی ہے اور تکلّف سے سہارا لگا لیتی ہے)

سیسل۔ (اس کی طرف پیار سے دیکھتا ہے) واللہ ہیٹ کے بغیر تم کیسی خوب صورت لگتی ہو؟

ایویلین۔ واقعی؟

سیسل۔ ہاں۔ تمہارے بال بہت دل فریب ہیں۔ میں نے یہ پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا تھا۔ اس وقت تمہارا ہیٹ سر پر نہیں تھا۔ تم اس سے پنکھے کا کام لے رہی تھیں اور سورج کی روشنی تمہارے سُرخ گالوں پر پڑ رہی تھی اور تمہاری آنکھیں نرم اور چمک دار......

ایویلین۔ مسٹر سیسل تمہیں مجھ سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں؟

سیسل۔ کیا واقعی؟ کیا تم اپنی تعریف پسند نہیں کرتیں؟

ایویلین۔ پسند تو کرتی ہوں۔ لیکن کیا تمہیں چاہیئے کہ......

سیسل۔ پھر چاہیئے، کی رٹ۔ کیوں نہ چاہیئے۔ جبکہ تم خوب صورت ہو تمہاری آنکھیں نرم ہیں اور تمہارے گال اس وقت تمتما رہے ہیں (فاتحانہ انداز سے) کیا میں ایسا نہ کہوں؟

ایویلین۔ آہ! (اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں)

سیسل۔ یہ کیا؟ تم رو رہی ہو!

ایویلین۔ (سسکی بھرتے ہوئے) نہیں...... کوئی بات نہیں۔

سیسل۔ تم روتی ہو۔ کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔ بات کیا تھی؟ بتاؤ نا!

ایویلین۔ (سنجیدگی سے) کچھ نہیں۔ صرف تم مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔

سیسل۔ بہت اچھا آئندہ ہرگز نہ کروں گا۔ بس آؤ۔ اب ہم پھر دوست بن جائیں۔ جب کبھی میں اپنے بہن بھائیوں سے لڑتا ہوں تو ہماری دایہ ہمیں پھر دوست بنا دیتی ہے (رومال لے کر اس کی آنکھیں پونچھتا ہے)

ایویلین۔ شکریہ (رومال ہٹاتے ہوئے) تم کیسے فضول آدمی ہو؟

سیسل۔ شکریہ (ایویلین سیسل سے پرے سرک جاتی ہے)

ایویلین۔ کیا تم اپنی بہنوں سے اکثر لڑتے تھے؟

سیسل۔ ہمیشہ اور بھائیوں سے بھی۔ تم بھی لڑتی ہو گی ؟

ایویلین۔ میں اکلوتی ہوں۔ صرف میرا چچازاد بھائی ریگی کبھی کبھی ہمارے ہاں آتا ہے۔ وہ بچپن سے ہی میرے ساتھ رہا ہے۔ امّی کہتی تھیں۔ وہ بڑا خوش قسمت ہے !

سیسل۔ وہ کیسے ؟

ایویلین۔ کیونکہ وہ ہر روز دفتر جاتا ہے۔ کیا تم بھی ہر روز دفتر جاتے ہو ؟

سیسل۔ میں دفتر جانا پسند نہیں کرتا۔

ایویلین۔ کیوں ؟

سیسل۔ اس لئے کہ وہاں تفریح کا سامان نہیں ہوتا اور درختوں کے سائے میں تمہارے ساتھ بیٹھنا دفتروں کے رجسٹروں کی ورق گردانی سے یقیناً بہتر ہے۔

ایویلین۔ لیکن کیا تمہیں اس طرح وقت ضائع کرنا چاہیئے ؟

سیسل۔ ضائع کس طرح ؟ ایک خوشنما درخت کے نیچے بیٹھنا اور تمہارے ساتھ باتیں کرنا۔ کیا یہ تضیعِ وقت ہے ؟

ایویلین۔ تو اور کیا ہے ؟

سیسل۔ واہ ! ضائع وقت وہ ہے۔ جس سے انسان کو کوئی مسرت نہ حاصل ہو۔ محبت کرنے کی بجائے روپیہ کمانا اور ایسے سہانے وقت سے لطف اندوز

ہونے کے عوض ہندسوں کی جمع تفریق کرنا یہ تضیع وقت ہے۔

ایویلین۔ تم کیسی سنجیدگی سے ایسا کہتے ہو؟

(سیسل ایویلین کی طرف جھکتا ہے)

سیسل۔ کیا یہ سچ نہیں؟

ایویلین۔ شاید! (دوسری طرف دیکھنے لگتی ہے)

سیسل۔ تم جانتی ہو کہ یہ سچ ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے۔ صرف ہم اعتراض کرنے سے جھجکتے ہیں۔

(اس کی طرف جھکتا ہے اور اس کی طرف دیکھتا ہے)

سیسل۔ کیا تم اس وقت نہیں جانتیں؟

ایویلین۔ (نگاہ واپسیں سے) غالباً میں جانتی ہوں۔

(وہ ایک دوسرے کی طرف شوق سے دیکھتے ہیں سیسل۔ ایویلین کے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور آہستہ سے اس کے ہونٹوں پر بوسہ دیتا ہے)

سیسل اطمینان آمیز آہ سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیتا ہے اور پھر درخت سے سہارا لگا لیتا ہے۔

ایویلین ۔ او مسٹر سیسل آپ کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔

سیسل ۔ کیوں نہیں ؟

ایویلین ۔ کیونکہ .... (جھجکتی ہے) کیونکہ یہ چاہیئے نہیں۔ کیونکہ مردوں کو لڑکیوں کے بوسے نہیں لینے چاہئیں۔

سیسل ۔ (رنجش سے) بوسے نہیں لینے چاہئیں! کیا واہیات ہے ؟ تو آخر لڑکیاں پیدا کس لئے کی گئی ہیں ؟

ایویلین ۔ میرا مطلب ہے ۔ انہیں چاہیئے نہیں جب تک ...... (دوسری طرف دیکھنے لگتی ہے)

سیسل ۔ (گھبراہٹ سے) جب تک ؟

ایویلین ۔ (نیچے دیکھتے ہوئے) جب تک وہ محبت نہ کرنے لگیں ۔

سیسل ۔ (مطمئن ہوتے ہوئے) مگر میں تو تم سے محبت کرتا ہوں اور اسی لئے تو میں نے بوسہ لیا۔

(دور طوطی کی آواز سنائی دیتی ہے)

ایویلین ۔ واقعی ؟ (سیسل اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ ایویلین اطمینان آمیز آہ بھرتی ہے۔) تو پھر یہ واقعی مناسب ہے ۔

سیسل ۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ اور چونکہ یہ مناسب ہے اس لئے میں ایک اور بوسہ لے لوں ۔ ٹھیک ہے نا ؟

ایویلین ۔ (لجاتے ہوئے) جیسے تمہاری مرضی ۔

سیسل ۔ میری پیاری! (ایویلین کو اپنے بازوؤں میں لے کر ایک طویل اور الفت بھرا بوسہ لیتا ہے) اپنا سر میرے کندھوں پر جھکا دو ۔ تم اسے بہت آرام دہ محسوس کرو گی (ایویلین ایسا ہی کرتی ہے۔ سیسل درخت سے سہارا لگا لیتا ہے)

سیسل ۔ درست ۔ یہ مناسب ہے نا؟

ایویلین ۔ ہاں (اطمینان بھری آہ)

سیسل ۔ تمہارے بال کیسے دل کش ہیں اور ریشم کی طرح ملائم (انگلیوں سے ہلاتا ہے) کیا تم میرا ایسا کرنا پسند کرتی ہو؟

ایویلین ۔ ہاں!

سیسل ۔ عقلمند لڑکی! (پھر سیسل خوشی سے ہنستا ہے) دیکھو! میں تمہیں مخاطب کس لفظ سے کروں ۔ کیا تم جانتی ہو کہ میں تمہارا اصلی نام بھی نہیں جانتا؟

ایویلین ۔ نہیں جانتے؟

سیسل ۔ نہیں ۔ تم نے مجھے بتایا ہی نہیں ۔ اب بتا دو ۔ میرا نام سیسل ہے ۔

ایویلین ۔ اور میرا ایویلین ہے ۔

سیسل ۔ ایویلین! اوہ میں ایویلین پسند نہیں کرتا ۔ یہ ذرا بھدا سا نام ہے ۔ میرا خیال ہے ۔ میں تمہیں ایو کہا کروں ۔ کیا کوئی اور بھی تمہیں ایو کہتا ہے؟

ایویلین ۔ نہیں ۔

سیسل ۔ تب تو میں تمہیں ضرور ایو کہا کروں گا ۔ مرد کی سب سے پہلی محبوبہ کے نام پر ۔ کیا یہ ٹھیک ہے ؟

ایویلین ۔ جیسے تمہاری مرضی سیسل ۔

سیسل ۔ چلو خیر ، یہ معاملہ بھی طے ہو گیا (پھر اس کا بوسہ لیتا ہے ۔ کامل مسرّت کا وقفہ ۔ جس میں وہ اُسکے سر کو اپنے کندھوں پہ سرکا لیتا ہے ۔ اور اپنے بازو اس کے گرد حمائل کر دیتا ہے) کیا محبت ایک آسمانی جذبہ نہیں ؟

ایویلین ۔ آسمانی ہی ہے ۔

سیسل ۔ اس جیسی دنیا میں اور کوئی چیز نہیں ۔ محبّت دنیا میں حسین ترین شے ہے ۔ تم بھی کہو ۔

ایویلین ۔ محبّت دنیا میں حسین ترین شے ہے ۔

سیسل ۔ اچھی لڑکی ۔ (بوسہ لے کر) یہ تمہارے درست کہنے کا انعام ہے (دونوں کے لئے کامل خوشی کا وقفہ)

ایویلین ۔ (مفکرانہ) مجھے ڈر ہے ریگی اسے پسند نہیں کریگا ۔

(چڑیوں کا شور سنائی دیتا ہے)

سیسل ۔ (بے تعلقانہ) کیوں ؟

ایویلین ۔ اس لئے کہ ریگی بھی میرے ساتھ محبت کرتا ہے وہ ہمیشہ مجھ سے محبت

کہتا رہا ہے۔ کئی سال سے، (آہ بھر کر) بیچارہ ریگی!

سیسل۔ بے چارہ نہیں۔ شادماں ریگی!

ایویلین۔ کیا مطلب تمہارا؟

سیسل۔ کئی سال سے تم سے محبت کرتے رہنا، کیسا خوش کن ہے۔ میں نے تو تم سے ابھی ایک ہفتہ محبّت کی ہے۔ تم میری واقف ہی ایک ہفتہ سے ہوئیں۔

ایویلین۔ ریگی کے ایسے خیال نہیں تھے۔

سیسل۔ بے دماغ شخص!

ایویلین۔ میں نے اس سے ہمیشہ انکار کیا۔

سیسل۔ بالکل درست اور اس نے تم سے ہمیشہ محبّت کی بیوقوف اور کیا چاہتا تھا۔

ایویلین۔ (شرمندگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے) میرا خیال ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اسے قبول کر لوں۔

سیسل۔ ریگی کو کیٹس کی صراحی والی نظم پڑھنی چاہیئے...... میں کہتا ہوں تمہاری آنکھیں کیسی دلفریب ہیں! میں نے پہلی ملاقات پر ہی یہ دیکھ لیا تھا۔ اور اسی لئے تم سے گفتگو شروع کی تھی۔

ایویلین۔ (سنجیدگی سے) میں سمجھی، تم نے سرائے کا راستہ پوچھنے کے متعلق

مجھ سے گفتگو کی تھی۔

سیسل ۔ یہ تو ایک بہانہ تھا۔ میں اچھی طرح راستہ جانتا تھا۔ دراصل میں سرائے ہی سے آ رہا تھا۔ لیکن جب میں نے تمہیں دیکھا۔ سورج کی کرنیں تمہارے نرم و نازک بالوں پر پڑ رہی تھیں اور تمہاری لطیف آنکھوں پر نور برسا رہی تھیں۔ میں نے دل میں کہا کہ تمہارے ساتھ ضرور ملاقات کروں گا۔ اور میں نے کی۔ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو؟

ایولین ۔ ہاں۔ خوش ہوں!

سیسل ۔ اچھی لڑکی! (اس پر جھکتا ہے۔ اور اس کے گالوں پر بوسہ دیتا ہے)

ایولین ۔ (اطمینان آمیز آہ سے سیدھی بیٹھ جاتی ہے) اب ہمیں چل کر امّی کو بتانا چاہیئے۔

سیسل ۔ کیا اس کی ضرورت ہے؟ (تمسخرانہ کراہتے ہوئے)

ایولین ۔ (امید سے) ہاں۔ ہاں۔

سیسل ۔ (آہ بھر کر) اگر تم کہتی ہو تو چلو۔

ایولین ۔ (ہنستے ہوئے) تو گویا تم اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

سیسل ۔ ہرگز نہیں۔ اس بات سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔

ایولین ۔ ہمیشہ؟ (گھبراہٹ سے اسے دیکھتی ہے)

سیسل۔ (ان دیکھے) ہاں والدین کے پاس جانا وغیرہ۔ والدین در اصل بے ہودہ ہوتے ہیں۔ انہیں رومان وغیرہ سے کوئی مس نہیں۔ تم جنگل میں کسی لڑکی سے ملتے ہو۔ مئی کا مہینہ ہے۔ سورج چمک رہا ہے۔ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ تمہیں اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ آسمانی معلوم ہوتا ہے۔ تب خبر نہیں کیوں وہ کہنے لگتی ہے کہ امی کو بتا دیں۔ خیر تم اس کی امی کو بتاتے ہو۔ اور اسکی امی فوراً تم سے پوچھنا شروع کر دیتی ہے کہ تم کیا کام کرتے ہو۔ اور تمہاری آمدنی کتنی ہے۔ اور کتنی آمدنی ایسی ہے جو تمھاری کمائی ہوئی نہیں ہوتی اور یہ باتیں سب کام خراب کر دیتی ہیں۔

ابویلین۔ (شستہ رہو کر) لیکن میں نہیں سمجھی۔ تم اس طرح کہہ رہے ہو۔ جیسے تم نے یہ سب کچھ پہلے بھی کیا ہے۔

سیسل۔ ہاں۔ ہاں کئی دفعہ!

ابویلین۔ اوہ (زمین سے اچھل پڑتی ہے اور اُٹھ کر اس کے مقابل کھڑی ہو جاتی ہے۔ غصہ سے اس کی آنکھیں چمک اُٹھتی ہیں)۔

سیسل۔ دیکھو۔ اُٹھو مت۔ جانے کا وقت ابھی کہاں؟ ابھی تو صرف چار بجے ہیں۔ پھر بیٹھ جاؤ۔

ابویلین۔ (الفاظ کی قلت کی وجہ سے) کیا تمھارا مطلب ہے کہ تم نے اور بہت سی

لڑکیوں سے محبّت کی ہے۔

سیسل۔ (بظاہر حیرانی سے) ہاں، بے شک!

ایوبلین۔ اور ان سے منسوب بھی رہے۔

سیسل۔ منسوب نہیں۔ اب تک میں کسی سے منسوب نہیں ہوا۔ لیکن میں نے محبّت بیسیوں دفعہ کی ہے۔

(ایوبلین غصّہ سے پاؤں زمین پر مارتی ہے اور منہ پھیر لیتی ہے)

سیسل۔ یہ بری اچھی لڑکی بات کیا ہے۔ تم بہت چڑچڑی معلوم ہوتی ہو۔ (اُٹھ بیٹھتا ہے)

ایوبلین۔ (غضبناکی سے) اور تمہیں ان باتوں سے شرم تک نہیں آتی؟

سیسل۔ شرم۔ محبّت کرنے سے شرم!! تم نے یہ کس طرح کہہ دیا۔ یقیناً مجھے شرم نہیں آتی۔ زندہ رہنے سے کیا حاصل جب محبّت ہی نہ کی جائے۔ مجھے ہمیشہ کسی نہ کسی سے محبّت رہی ہے۔

ایوبلین۔ (زیادہ غضبناک ہو کر) اگر تم محبت کرتے ہو تو شادی کیوں نہیں کرتے۔ ایک مرد کو ہرگز واجب نہیں کہ وہ کسی سے محبت کرے اور اس سے شادی نہ کرے۔

سیسل۔ یہ والدین کا قصور ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ والدین بہت

بے ہودہ ہوتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ اپنی لڑکی کی مجھ سے شادی
کریں۔

ایویلین۔ کیوں نہیں؟

سیسل۔ کئی وجوہ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اتنا سنجیدہ نہیں ہوں۔ یا میں
کافی کام نہیں کرتا۔ یا یہ کہ میرے پاس کافی روپیہ نہیں۔ یا محض یہ
کہ ان کی رائے میں میں ان کی بیٹی کو خوش نہیں رکھ سکوں گا۔ بہرحال
وہ شادی کی اجازت کبھی نہیں دیتے۔ تمہاری امّی بھی ایسا ہی کہے گی۔

(ایویلین کے منہ سے بے صبری کی ایک
چیخ نکل جاتی ہے)

میں ان پر الزام نہیں لگاتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سب سچی نہیں تھیں
میں تو صرف تمہیں سمجھا رہا تھا۔

ایویلین (وحشیانہ طور پر) اب معلوم ہوا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ تم دراصل شادی
کرنا نہیں چاہتے۔

سیسل۔ بے شک میں شادی کرنا بھی نہیں چاہتا۔ کوئی بھی نہیں چاہتا جب
تک کہ وہ مخبوط الحواس نہ ہو۔ انسان محبت کرنا چاہتا ہے۔ محبت کرنا بڑا
شاندار ہے۔ منسوب ہو جانا بھی اتنا برا نہیں۔ گو مجھے اس کا تجربہ نہیں۔
لیکن شادی کرنا یقیناً قابلِ نفرت ہے۔

ایویلین۔ (غصّہ سے اچھلتے ہوئے) واہیات۔ شادی کرنا کس طرح قابلِ نفرت ہو سکتا ہے۔ جب محبت کرنا شاندار ہے۔ (کوئل کی آواز سُنائی دیتی ہے)

سیبل۔ کیا تم کوئل کو بھول گئیں؟

ایویلین۔ اوہ!

سیبل۔ کوئی پابندی نہیں۔ کوئی ذمہ داری نہیں۔ کوئی خوفناک گھر نہیں جس میں بچّے کلبلا رہے ہوں بلکہ کھلی وادی میں خوش زندگی ——— زندگی اور محبّت ——— اور خوش کن کوئل ——— !

ایویلین۔ (غضبناک ہو کر) مجھے کوئلوں سے بہت گھن آتی ہے۔ وہ گندے خوفناک اور مکروہ پرندے ہیں۔

سیبل۔ ہرگز نہیں۔ میں تمہیں کوئلوں کو بُرا بھلا نہیں کہنے دوں گا۔ وہ میری خاص دوست ہیں۔ دراصل میں بھی ایک قسم کا کوکلا ہوں۔

ایویلین۔ (اس کی طرف رُخ کر کے) اوہ! مجھے تم سے نفرت ہے۔ سخت نفرت ہے۔ (پاؤں مارتی ہے)

سیبل۔ (تیقن سے) تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہے

ایویلین۔ بہت نفرت ہے۔

سیبل۔ نہیں نہیں (سنجیدگی سے) جس سے ایک دفعہ محبّت ہو جائے

اس سے نفرت نہیں ہو سکتی (وہ اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگتا ہے دیکھ دیر تک وہ مقابلہ میں گھورتی رہتی ہے۔ بعد میں نظریں نیچی کر کے آنسو بھر لاتی ہے)

ایویلین۔ (نیم گریاں) ایسا کہتے ہوئے تم کس قدر وحشی معلوم ہوتے ہو۔

سیسل۔ کیوں؟

ایویلین۔ کیونکہ میرے خیال میں یہ سچ ہے۔ آہ میں کتنی بد قسمت ہوں (رونے لگتی ہے)

سیسل۔ (غمزدہ ہو کر) ایویلین تم رو رہی ہو۔ ایسا نہ کرو۔ میں لوگوں کو روتے نہیں دیکھ سکتا۔ (اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیتا ہے)

ایویلین۔ (ہاتھ جھٹکاتے ہوئے) ہٹو، میں تمہارا چھونا برداشت نہیں کر سکتی ایک ایک کر کے کئی لڑکیوں سے محبت! میں سمجھی تھی تمہیں صرف مجھ ہی سے محبت ہے۔

سیسل۔ ہاں تو مجھے تم سے ہی محبت ہے ——— اس وقت!

ایویلین (روتے ہوئے) مگر میرا خیال تھا۔ تمہیں پہلے کسی سے محبت نہیں ہوئی۔

سیسل۔ (استدلالاً) ایک دفعہ محبت کرنے کے بعد بار بار محبت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں تمہیں دیکھ کر محبت کئے بغیر نہ رہ سکا۔ تم کتنی شاندار معلوم ہوتی تھیں۔ وہ دن بھی بہت شاندار تھا۔ میرا تم پر عاشق ہو

جانا قدرتی بات تھی۔

ایوبلین۔ (تعریف سے قدرے تسکین پاتے ہوئے اور آنسو پونچھتے ہوئے) مگر تم تو کیٹوں سے عشق کرتے ہو۔

سیسل۔ ہاں ہاں (شرارتاً) لیکن نہیں مجھے برا بھلا نہ کہنا چاہیئے۔ آخر ایک سے زیادہ عشق کرنا اس سے برا نہیں کہ ایک سے زیادہ عاشق رکھے جائیں مثلاً ریگی۔

ایوبلین۔ ریگی؟ (چڑیوں کا شور پھر سنائی دیتا ہے)

سیسل۔ ریگی بھی تم پر عاشق ہے۔ کیا نہیں؟ اسی طرح میں بھی ہوں اور دونوں ایک ہی وقت۔ لیکن مجھے اس وقت صرف تم ہی سے محبّت ہے۔

ایوبلین۔ (بلغاوتاً) ریگی سے محبّت نہ کرنا میرے بس کی بات نہیں۔

سیسل۔ اور تم سے محبّت نہ کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ یہی تو میرا نظریہ ہے۔ میرا خیال تھا۔ تم اس نکتے کو پہلے ہی سمجھ گئی ہو گی۔

ایوبلین۔ ہرگز نہیں۔ ریگی کی محبّت تم سے بہت مختلف ہے۔ اس کی محبّت سچّی اور ابدی ہے۔

سیسل۔ اچھا اگر ایسا ہی ہے تو سُن لو کہ میں ایک ابدی عاشق ہوں۔

ایوبلین۔ تم نہیں ہو۔ تم خود جانتے ہو کہ تم نہیں ہو۔ میں تم سے سخت ناراض

ہوں۔

سیسل۔ یہ ناممکن ہے۔ ایک ہی وقت ناراضگی اور ہنسی نہیں آسکتی۔ یہ ناممکن ہے اور تم ابھی ابھی ہنسی تھیں۔ اور اب بھی تم ہنس رہی ہو۔ (ایویلین خلافِ مرضی ہنستی ہے) آؤ۔ اب لڑائی جھگڑا بند کریں۔ ایسے خوشگوار دن میں لڑنا بہت بے ہودگی ہے۔ آؤ ہم من جائیں اور پھر عاشق و معشوق ہو جائیں (چڑیاں خاموش ہو جاتی ہیں)

ایویلین۔ (سر ہلاتے ہوئے) ہرگز نہیں۔

سیسل۔ آؤ بھی!

ایویلین۔ نہیں۔

سیسل۔ تب تم احمق ہو۔ محبّت یوں پھینک دینے کی چیز نہیں۔ یہ بہت قیمتی ہے۔ محبت دنیا میں حسین ترین شے ہے۔ تم نے ابھی خود بھی کہا تھا۔

ایویلین۔ میں نے نہیں تم نے کہا تھا (نیچے دیکھتے ہوئے)

سیسل۔ لیکن میرے بعد تم نے بھی کہا تھا (نرمی اور متانت سے) ایو پیاری نادان نہ بنو۔ آؤ محبّت کریں۔ جب تک ہم کر سکتے ہیں۔ جوانی محبّت ہی کے لئے ہے۔ ٹھیک ہے نا؟ جلد ہی ہمارے قوے فرسودہ اور سست پڑ جائیں گے اور ہم بھی دوسروں کی طرح معمر ہو جائیں گے۔ پھر محبّت کرنا

کام نہ دے گا۔ جوانی اس قدر تیز رفتار ہے۔ آؤ ہم اس کا ایک ثانیہ بھی ضائع نہ کریں۔ کہتے ہیں کہ مٹی مکھی، صرف ایک ہی دن زندہ رہتی ہے۔ صبح کو پیدا ہوتی ہے اور تمام دن دھوپ میں دریا پر پھڑپھڑاتی رہتی ہے اور دوسری مٹی مکھیوں سے معاشقہ کرتی رہتی ہے اور شام کو مر جاتی ہے۔ کس قدر عبرت انگیز موت ہے!

ایویلین۔ (نرمی سے) بد قسمت مکھی۔

سیسل۔ دیکھا۔ تم مکھی پر افسوس کرتی ہو۔ لیکن مجھ سے ناراض ہو۔

ایویلین۔ تم کوئی مٹی مکھی ہو؟

سیسل۔ ہاں۔ میں بھی ایک قسم کی مٹی مکھی ہوں۔

ایویلین۔ (اپنی آواز میں آنسوؤں کا شک کرتے ہوئے) تم نہیں۔ تم کس طرح ہو سکتے ہو۔ ابھی ابھی تم نے کہا تھا کہ تم کو کلے ہو۔

سیسل۔ میرا خیال ہے۔ میں ایک "کوکلا مٹی مکھی" ہوں۔ دیکھو اب تم اچھی لڑکیوں کی طرح آنسو پونچھ ڈالو۔ لاؤ میں پونچھ دوں (اس کا رومال لے کر آنسو پونچھتا ہے)

(ایویلین ایک غمگین ہنسی ہنستی ہے)

سیسل۔ ہاں۔ یہ بہتر ہے۔ اور اب ہم پھر دوست بن جائیں گے ٹھیک ہے نا؟

ایویلین۔ ہاں!

سیسل۔ (ہاتھ نکالتے ہوئے) اسے بوسہ دو اور دوست بن جاؤ۔

ایویلین۔ میں دوست ہی ہوں (غمگینی سے) لیکن اب تم میرا بوسہ نہ لینا۔

سیسل۔ مگر کیوں؟

ایویلین۔ ہرگز نہیں۔

سیسل۔ (خوشی سے) خیر بہر حال تم بیٹھ تو جاؤ۔ صرف ہماری صلح کو ظاہر کرنے کے لئے (درخت کی طرف جاتا ہے)

ایویلین۔ (سر ہلاتے ہوئے) نہیں۔

سیسل۔ (مایوسی سے پھر مڑتے ہوئے) آہ۔ تو پھر تم نے دراصل صلح نہیں کی!

ایویلین۔ میں نے کی ہے (اپنا ہیٹ اٹھاتے ہوئے) اب مجھے ضرور جانا ہے ریگی پانچ بجے کی گاڑی سے آ رہا ہے۔ اور میں اسٹیشن پر اسے لینے جاؤں گی۔

(ہاتھ بڑھاتے ہوئے) خدا حافظ مسٹر سیسل۔

سیسل۔ (ہاتھ پکڑتے ہوئے) تم ریگی کو قبول کر لوگی؟

(وقفہ)

ایویلین (آہستہ سے) میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔

سیسل۔ اور اسے تمہاری امی کو بتانا پڑے گا۔

ایویلین۔ ہاں۔ بے شک۔

سیسل ۔ (ہاتھ چھوڑتے ہوئے) بیچارہ رہگی ۔ اس کا رومان بھی ختم ہو جائیگا

ایویلین ۔ ختم نہیں ہوگا ۔ اگر میں نے اس سے شادی کر لی تو میں اسے بہت خوش رکھوں گی ۔

سیسل ۔ غالباً شادی میں خوشی ہوتی ہو گی ۔ لیکن رومان نام کو نہیں رہتا ۔

ایویلین ۔ اوہ ! (بے صبری کی چیخ)

ایویلین مڑتی ہے ۔ اور دائیں طرف سے باہر نکل جاتی ہے ۔

(سیسل مسکراتے ہوئے نیم دل گرفتہ اور
نیم تفریحاً اسے غائب ہوتے دیکھتا رہتا ہے
پھر ایک آہ بھرتے ہوئے ۔ اسی درخت
کی طرف مڑتا ہے)

پردہ

(جان ہانکن)

مستقبل کے سوداگر

افراد

شاعر	بھکاری
جوتشی	سب رس — ایک رقاصہ
فلسفی	رقاصہ کی چھ نوچیاں

سازندے ۔ ہجوم

پہلا منظر

(ایک تنگ سڑک ۔ ہجوم کی آمد و رفت جاری ہے سنہری جٹاؤں والا ایک نوجوان جوتشی آنکھیں نیم وا کئے پتریاں کھولے بیٹھا ہے لیکن اُس کے انداز بتاتے ہیں، کہ وہ خلا کا مطالعہ کر رہا ہے، پس

منظر میں چند درخت۔ درختوں سے پرے سبزہ اور سبزے سے پرے مکانات، موٹروں کے ہارنوں، سائیکلوں کی گھنٹیوں اور گھوڑوں کے سُموں کی کھٹ پٹ کی آوازیں ظاہر کرتی ہیں، کہ قریب ہی بڑی سڑک ہے۔)

جوتشی۔ (خواب آلود اور مترنّم آواز میں) ہم نے تقدیر کے محلوں میں جاکر مشیّت کے راز چُنے ہیں۔ ہم نے آسمانوں کی نیلاہٹوں میں تیر کر ستاروں کے صحیفے پڑھے ہیں۔ ہم نے ہاتھوں کی ریکھاؤں پر گھوم کر ڈھکی چھپی خبریں جمع کی ہیں۔

(لوگ جوتشی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ ٹریفک کی آوازیں جاری رہتی ہیں، ایک بوڑھا بھکاری صدا لگاتا گذر جاتا ہے۔ اس کی بھوسلی ڈاڑھی اُلجھی ہوئی ہے، سر گنجا ہے، مگر کناروں پر اِکّا دُکّا بال کیڑوں کی طرح لہرا رہے ہیں۔)

بھکاری۔ ہے پرمیشور، کیا تو نے اتنی دیر سے اپنے پُجاری کی آواز نہیں سُنی؟ کیا کڑکتی دوپہروں میں جلتے بھُنتے جسم کا تعفّن، تیرے ایوان میں نہیں پہنچا ایشور؟ ہے پربھو سُنا تھا، تو گلی سڑی آتماؤں کو اپنی برکھاؤں سے جیون رس پلاتا ہے، لیکن کب؟ —— بھگوان! —— مستقبل کے کس دور میں؟ —— کہاں! —— کیسے؟ ——

ہے پر میشور ــــــ ہے راجہ پرجا کے اَن داتا ــــــ کب ؟

(جوتشی کے قریب پہنچ کر بھکاری ٹھٹک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر اُس کے پاس سڑک کے کنارے بیٹھ جاتا ہے۔)

بھکاری :- (ہاتھ بڑھا کر) میرے ہاتھ کی ان ریکھاؤں میں کچھ نظر آتا ہے جوتشی مہاراج ؟

جوتشی :- (نہایت آہستہ آہستہ گردن پھیر کر بھکاری پر نیم نگاہ ڈالتا ہے اور اُس کا ہاتھ تھام کر آنکھیں کھولتا ہے) مٹی ہوئی ریکھاؤں کے راز سُننے کے لئے ہمالہ اتنا بڑا کلیجہ چاہیئے بابا۔ گرے ہوئے محلوں کے سنگین ستونوں کو ہر کاکر چکی ہوئی نعشیں دیکھنا تم ایسے بھکاریوں کے حوصلوں سے دور ہے، جاؤ، بھیک مانگو، اور اس دن کا انتظار کرو، جب جیون ڈور کو موت کی ازلی اور ابدی قینچی کتر ڈالے گی، سڑی ہوئی بکھری ہڈیوں کو جمع کر کے پھول بنانا، جوانوں کے مشغلے ہیں۔ (ہاتھ چھوڑ دیتا ہے) جاؤ!

بھکاری :- تم کیا جانو، جوتشی مہاراج کہ ہم نے بھی تمہاری طرح زندگی کے ہیرے کو ہر پہلو سے پرکھا ہے، ہمیں باتوں میں مت اُڑاؤ، جو بیتی ہے وہ ہم جانتے ہیں، جو بیتنے والی ہے اُس کا پتہ دو۔

جوتشی :- بھکاری جب بھی بھیک مانگتا تھا اب بھی بھیک مانگے گا۔ پگڈنڈی کی قسمت میں مسافروں کے قدم چومنے کے سوا اور کیا لکھا ہی گا۔

بھکاری :- تم بھٹکے جا رہے ہو مہراج - ہم بھکاری نہیں، ہم بھوجن نہیں مانگتے پھر رہے ہیں، ہم پربھو کی کرپا چاہتے ہیں -

جوتشی - پربھو گھروں میں بیٹھ کر مانگنے والوں کی بھی تو سنتے ہیں، پھر ان راہوں پر جھولی پھیلائے پھرنے میں کیا مصلحت ہے ؟

بھکاری - ہم مصلحتوں کی زنجیروں سے آزاد ہیں مہراج ! جو من کہتا ہے کرتے ہیں ہم پربھو کو گندی گلیوں اور تنگ دروازوں سے گذرنے کی تکلیف کیوں دیں، ہم اُسے کھلی فضاؤں میں ڈھونڈیں گے ——— پر جوتشی مہراج، یہ میرے ہاتھ کی ریکھائیں ؟

جوتشی - (بھکاری کے ہاتھ کو غور سے دیکھ کر) بابا- یہ ریکھائیں نہیں، یہ سنپولیاں ہیں، جو تمہاری تقدیر کے سکھے پر زہر اُگل رہی ہیں ہمیں ماضی کے گرد و غبار میں آتی ہوئی پھنکاریں سُنائی دے رہی ہیں، ہم ان کی ہولناک ہسہساہٹوں میں تمہاری چیخوں کے علاوہ، کسی اور کی سسکیاں اور ہچکیاں بھی سُن رہے ہیں، تمہاری گندی ہوئی زندگی عفونت بھری لاش ہے، اور ———

بھکاری - اور میرا مستقبل ؟

جوتشی - تمہارا مستقبل ؟ ——— (سوچتا ہے، اور ہاتھ کو آنکھوں کے بہت قریب لاتا ہے) تمہارا مستقبل روشن ہے، مگر یہ روشنی الاؤ ———

(اچانک ایک خوبصورت نوجوان اپنے لمبے لبادے کو سنبھالتا جوتشی کے پاس بیٹھ جاتا ہے، یہ شاعر ہے، اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی، اور اس کے چہرے پہ دیدبہ آمیز افسردگی ہے، اُس نے بغل میں اکتارہ دبا رکھا ہے)

شاعر۔ جوتشی جی!

(جوتشی بھکاری کا ہاتھ چھوڑ کر شاعر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور نہایت غور سے دیکھ کر پہلو بدلتا ہے)

جوتشی:۔ تم کون ہو؟

شاعر:۔ کیوں؟

جوتشی۔ ہم نے تمہاری پیشانی میں گھبرائے ہوئے ستاروں کی بے مقصد اُڑانیں دیکھی ہیں۔

شاعر۔ میں شاعر ہوں۔

جوتشی۔ یعنی تم زمین اور آسمان کے درمیان دھندے خلاؤں کی بیکرانی پھیلاؤ میں بھٹکنے پھرنے کے عادی ہو؟

بھکاری۔ جوتشی مہراج، میرا مستقبل؟

شاعر۔ میں سکون چاہتا ہوں، میں مسلسل اضطراب کی دوزخ سے بھاگ نکلا

ہوں، مگر شعلوں کی زبانیں ابھی تک میرے سکون کو جھلسے دے رہی ہیں
مجھے یہ سکون کب ملے گا مہاراج؟

جوتشی۔ جب تمہاری آنکھوں میں آنسو آئیں گے۔

شاعر۔ میں نے کئی راتیں آنسوؤں میں ڈبو دی ہیں مہاراج۔

جوتشی۔ جب تمہاری قوتِ گویائی محض ہونٹوں کی تھرتھری بن کر رہ جائیگی۔

شاعر۔ وجدان کی شدّت میں مجھ پہ یہی حالت طاری رہتی ہے مہاراج۔

جوتشی۔ جب تمہارے کانوں کے قریب ایسے ساز بجیں گے، جن کے تاروں کو چھیڑنا
فانی انسان کے بس میں نہیں۔

شاعر۔ میں نے۔

بھکاری۔ (ہاتھ کو جوتشی کے بالکل قریب لے جاتا ہے) جوتشی مہاراج۔
میرا مستقبل؟

شاعر۔ (بھکاری کی طرف متوجہ ہوتا ہے) بابا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ٹوٹے
ہوئے جام کا مقدّر میکدے کا کوئی بوسیدہ طاق ہے، یا کوچے کا کوئی اندھیرا
گوشہ! (جوتشی کی طرف پلٹتا ہے) ہاں تو جوتشی جی، میں نے اِن آسمانی
سازوں کے آہنگ پر اپنے غیر فانی گیت الاپے ہیں۔

جوتشی۔ ٹھیک ہے، مگر یہ آنسو تنہائی میں بہے، یہ ہونٹ تنہائی میں تھرتھرائے
یہ ساز تنہائی میں بجے، ان کے خالق تم یا تمہارا شرمیلا احساس ہے۔

شاعر۔ ٹھیک ہے،

جوتشی۔ تمہیں تبھی سکون حاصل ہوگا، جب اِن کے خالق کو تخلیق کر لوگے۔

شاعر۔ میں کچھ نہیں سمجھا جوتشی جی،

جوتشی۔ تمہارے تصوّرات کی بہشت میں حور کی کمی ہے، تمہاری شاعری کے مرغزار میں ایک ہرنی کی غیر موجودگی نے اداسیاں پھیلا رکھی ہیں، تم نے محبّت نہیں کی۔ تم نے زندگی کو قریب سے نہیں دیکھا، تم نے خیالوں کے ساگر میں ڈبکی نہیں لگائی، تم سطح پہ تیرتے ہو، تم دُور کے تماشائی ہو، تم ساحل سے سیپیاں چُن لیتے ہو، پر تہوں کے گُہر نہیں ڈھونڈ سکتے۔

شاعر۔ اور میرا مستقبل؟

بھکاری۔ اور میرا بھی؟

جوتشی۔ تم دونوں کا مستقبل روشن ہے، مگر یہ روشنی الاؤ ——————

(اچانک لمبے لمبے بالوں، لہراتی ہوئی داڑھی، دھندلی آنکھوں اور طنز بھری مسکراہٹ والا ایک بزرگ فلسفی، جس نے ایک بہت بڑی عبا پہن رکھی ہے، جوتشی کے قریب آکر رُک جاتا ہے، اور طنزاً کہتا ہے)

فلسفی۔ مستقبل کے سمندروں میں غوطہ لگانے والے! کبھی حال کے پربتوں پر

چڑھ کر زندگی کی اُن گپھاؤں، اور مقدّر کے اُن کھنڈوں کا بھی جائزہ لیا ہے، جن پر سے تیرا علم بزدل لومڑ کی طرح پھاند جاتا ہے!

جوتشی۔ (فلسفی کو گھورتا ہے) تم کون ہو؟

فلسفی۔ میں صحیفۂ حیات کا مفسّر ہوں۔

شاعر۔ یہ تو میرا لقب ہے،

فلسفی۔ میں تقدیر کے محلوں میں گھس کر مشیّت کے راز چننے والا ہوں۔

جوتشی۔ یہ تو میرا کام ہے،

فلسفی۔ میں ماضی۔ حال اور مستقبل کے گنجان جنگلوں......

بھکاری۔ (لجاجت سے) جوتشی مہراج، میرا مستقبل؟

فلسفی۔ تمہارا مستقبل؟ بوڑھے میاں تم بھی اسی دام کے اسیر ہو؟ کیا تم نے شاہراہِ حیات کے آس پاس امیدوں اور آرزوؤں کے پیڑوں کو مرجھاتے اور تقدیر کے جھکڑوں میں ٹوٹ ٹوٹ کر اڑتے نہیں دیکھا؟ کیا تم نے سنسان راہوں پر گزرے ہوئے مسافروں کے پاؤں کے نقوش نہیں دیکھے؟ بیتے ہوئے لمحے مرے ہوئے کیڑے ہیں، جن کے ڈھیر میں چھلانگ لگانا اپنے آپ کو بدبو اور کثافت کی دلدل میں پھنسانا ہے۔

بھکاری۔ میں اپنا مستقبل معلوم کرنا چاہتا ہوں، داتا!

فلسفی ۔ کیا تم ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے، کہ سب انسانوں کی روحیں اندھی فطرت کی گیندیں ہیں، کوئی نہیں جانتا، جوتشی بھی نہیں جانتا، شاعر بھی نہیں جانتا، کہ ——

آنے والے دنوں کے پھڑپھڑاتے فرغلوں میں خنجر چھپے ہوئے ہیں یا آبِ حیات کی صراحیاں، —— تمہارا اندیشہ کیا ہے؟

بھکاری ۔ میں رات دن ایشور کی اُن برکھاؤں کی بھکشا مانگتا ہوں، جو ایک مدّت سے تقدیر کی ایک پھریری نے روک لی ہیں؟

فلسفی ۔ بھکشا مانگنے سے نہیں ملتی، یوں ہوتا تو کوئی بھکاری بھوکوں نہ مرتا۔

بھکاری ۔ تو پھر کیا کروں داتا؟

فلسفی ۔ وقت کے عقابی پروں کی کروٹیں دیکھو۔ ہو سکتا ہے، اُس کا کوئی سنہری پَر ٹوٹ کر تمہارے سر پر کلغی لگا دے۔

شاعر ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ اُس کی نوکیلی چونچ سے تمہاری کھوپڑی میں ایسا زخم پیدا ہو جائے، جو مرتے دم تک رستا ہی رہے۔

فلسفی ۔ ہاں، یہ بھی ممکن ہے۔

جوتشی ۔ اور یہ بھی ممکن ہے، کہ وقت چپ چاپ تمہارے سر سے گزر جائے اور تم اسی طرح کھلی راہوں پر ایشور کی برکھاؤں کی بھکشا مانگتے پھرو۔

فلسفی ۔ ہاں، یہ بھی ممکن ہے، زندگی اتّفاقات کا نام ہے، اور وہ امکانات

کے سہارے چلتی ہے، پر جوتشی یہ سُنا تھا، جوتشی امکانات کو جانتے ہی نہیں، اُن کے بولوں میں "شاید" اور "اگر" اور "مگر" کا گذر ہی نہیں، تم تو عام انسانوں کی سی باتیں کرتے ہو،

جوتشی ۔ وُور اندیش بزرگ (آواز قدرے بھاری ہو جاتی ہے) میں تجربہ کار جوتشی نہیں، میں تو راستے کے کنارے صرف اس لئے بیٹھا ہوں، کہ لوگوں کی ذہنیتوں کا مطالعہ کر سکوں، میں کتابیں نہیں پڑھتا، ضمیر پڑھتا ہوں یہی میرا مشغلہ ہے، لیکن ضمیر کے صحیفوں پر منڈھی ہوئی ریاکاریاں میری بصارت کے لئے بہت کڑا امتحان ہیں، میری نگاہیں اُن ٹھوس تہوں میں برمے کی طرح سوراخ نہیں کر سکتیں مگر میں ایک خاص منزل کے انتظار میں ہوں جس تک پہنچنے کے لئے مجھے تم ایسے سوچنے سمجھنے والوں کا ساتھ نہیں چاہیئے، مجھے بھولے، بیوقوف اور سادہ مزاج لوگوں سے کھیلنے دو، اور اپنی راہ لو، سبب اور نتیجہ کی بھول بھلیوں میں گھومو، ارادہ اور مشیت کی ٹکڑوں کی گڑگڑاہٹیں سُنو۔ اور ناکام جوتشی کو اُس کی ناکامی میں مست رہنے دو، زخم کے انگور نہ کھرچو کہ ——

شاعر۔ (بات کاٹ کر) تو یہ سب ڈھونگ تھا؟

جوتشی ۔ جاؤ شاعر، کھلے مرغزاروں میں کسی پیڑ تلے بیٹھ کر آوارہ ابابیلوں کی اڑانوں میں کائنات کے اسرار کو پرفشاں دیکھنے کی کوشش کرو،

محبّت سے جھلسے ہوئے دلوں پر مرہم کے بدلے گیتوں کے آتشیں پھول برساؤ، اور راتوں کی خموش وسعتوں میں خیالوں کے پروں پر بیٹھ کر ستاروں کو اُن زاویوں سے دیکھو جن سے سراب ساگر نظر آتے ہیں، اور ساگر سراب! ——— جاؤ، تمہارے اکتارے کا تار تمہارے ناخن کی وارفتگی کا منتظر نظر آتا ہے۔

شاعر۔ یہ تم نے بڑے راز کی بات بتائی تھی مجھے۔

فلسفی۔ محض اتفاق!

بھکاری۔ اور مجھے بھی سچّی باتیں بتائی تھیں، جوتشی مہراج نے،

فلسفی۔ محض اتفاق،

شاعر۔ (اُٹھتے ہوئے) یعنی تم سوداگر ہو، اپنی جٹاؤں کا رعب گانٹھ کر تم بے چارے انسانوں کے راز خرید لیتے ہو!

فلسفی۔ تم سب سوداگر ہو۔ جوتشی راز خریدتا ہے، اپنا ضمیر بیچ کر۔ شاعر شہرت خریدتا ہے، اپنے گیت بیچ کر، بھکاری لذّتِ آوارگی خریدتا ہے اپنی خودداری بیچ کر۔

شاعر۔ اور تم جنون خریدتے ہو اپنی عقل بیچ کر،

فلسفی۔ بیچ کر نہیں، کھو کر کہو۔

شاعر۔ میں بیچ کر ہی کہوں گا۔

فلسفی۔ (ہنستا ہے) تم مجھے ہونہار معلوم ہوتے ہو ———— مگر تمہارا بھولپن خطرناک ہے!

(شاعر اکتارے کو بغل میں دبا کر بل کھاتا چلا جاتا ہے)

فلسفی۔ اور بھکاری تم مجھے تجربہ کار معلوم ہوتے ہو ———— مگر تمہارے تجربے کے اثر کو دل قبول نہیں کر سکتا۔

بھکاری۔ (اٹھ کر جانے لگتا ہے) تم پہیلیوں میں باتیں کرتے ہو۔

(چلا جاتا ہے)

فلسفی۔ اور جوتشی تم؟

(جوتشی آنکھیں نیم وا کر کے صدا لگاتا ہے
فلسفی مسکراتا ہے اور اپنی ڈاڑھی میں انگلیاں
پھیرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا جاتا ہے)

جوتشی۔ ہم نے تقدیر کے محلوں میں جا کر مشیت کے راز چنے ہیں۔ ہم نے آسمانوں کی نیلاہٹوں میں تیر کر ستاروں کے صحیفے پڑھے ہیں۔

(پردہ آہستہ آہستہ گرنے لگتا ہے، مگر جوتشی کی آواز جاری رہتی ہے)

ہم نے ہاتھوں کی ریکھاؤں پہ گھوم کر ڈھکی چھپی دھڑکنیں جمع کی ہیں!

(پردے کے پوری طرح گرنے سے قبل پس منظر

میں فلسفی کا طنز بھرا، طویل اور گونجیلا قہقہہ سنائی دیتا ہے)

دوسرا منظر

رقص گاہ

(پہلی طرف تین صوفے قوسی شکل میں رکھے ہیں، بائیں جانب والے صوفے پر بوڑھا فلسفی بیٹھا ہے، اُس کے بیٹھنے کا انداز نہایت آزادانہ ہے، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اس قسم کے مقامات پہ بارہا آ چکا ہے۔ دائیں جانب سازندوں کی ایک قطار ہے، وہ موم کی مورتیوں کی طرح چُپ چاپ بیٹھے رقاصہ کی آمد کے منتظر ہیں، وسطی صوفے کے پیچھے دیوار پر ایک برہنہ عورت کی بہت بڑی تصویر آویزاں ہے، دائیں جانب کا دروازہ بند ہے، بائیں جانب

کا کھلا ہے، بوڑھا فلسفی تصویر کو بغور دیکھ کر
سازندوں کی طرف متوجّہ ہوتا ہے)

فلسفی۔ شاید دیر تک راہ دکھانا ہر رقاصہ کا خاصہ ہے۔

طبلچی۔ سب رس ایسی نہیں، البتہ ٹخنوں پر خلخال سجانے میں انہیں دیر لگ جاتی ہے، کیونکہ اگر وہ ذرا بھی ڈھیلے رہ جائیں، تو رقص کرتے ہوئے رک جاتی ہیں، اور کہتی ہیں، خلخال ڈھیلے ہیں۔ ان کے چھناکے میں وحشت ہے۔

فلسفی۔ اگرچہ مجھے کوئی ضروری کام نہیں، مگر رقص کا تصوّر رقاصہ کے آنے سے پہلے ہی میرے خیالوں کو بوجھل نہ بنا دے،

سارنگی والا۔ آپ کہیں تو سارنگی بجاؤں،

فلسفی۔ سارنگی کے سُر بالوں بھرے کیڑوں کی طرح میرے دماغ کی سلوٹوں میں رینگنے لگیں گے، میں سارنگی کو انسانی موسیقی، یا رقص سے علیحدہ کر کے نہیں سُن سکتا، رقاصہ کو آنے دو۔

(گھنگھروؤں کی جھنجھناہٹ قریب آنے لگتی ہے،
فلسفی پلیٹ کر دیکھتا ہے، ادھر رقاصہ شعلہ جوّالہ
کی طرح اسٹیج پر آتی ہے اُدھر سازندوں کے عقب
میں دروازے پر دستک ہوتی ہے۔)

رقاصہ۔ کون؟

آواز۔ وہ آوارہ نصیب انسان جس کے لمبے لمبے سفروں کی پگڈنڈیاں گھومتی پھرتی تمہارے دربار میں آکر مل گئی ہیں!

رقاصہ۔ (کچھ دیر سوچتی ہے۔ پھر ہنس کر فلسفی کو دیکھتی ہے) کوئی دیوانہ ہے، تمہاری طرح ——،

فلسفی۔ (مسکراتا ہے) آنے دو بیچارے کو۔

(رقاصہ بائیں دروازے کی طرف دیکھتی ہے، ایک نوخیز نوچی لپک کر آتی ہے، اور رقاصہ سے اشارہ پاکر دائیں جانب کے دروازے کو کھولتی ہے.

.... اور پھر لپک کر بائیں جانب غائب ہو جاتی ہے، شاعر اکتارہ اٹھائے اندر داخل ہوتا ہے، سازندوں اور رقاصہ کو دیکھ کر جب فلسفی کی طرف دیکھتا ہے، تو ٹھٹک کر کھڑا ہو جاتا ہے)

فلسفی۔ (زہرخند سے) آؤ۔ آؤ۔ ہم دونوں کی زندگیوں کے محور اپنے مرکزِ ثقل سے ہٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، میں تو خیر ہر ابتلا سے نتائج اخذ کرنے کا عادی ہوں۔ پر مجھے تمہاری جوانی پہ رحم آتا ہے۔ خیر، آؤ

——— چلے آؤ۔

(شاعر حیران نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا خالی صوفے پر بیٹھ جاتا ہے)

شاعر۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ اس وقت

فلسفی۔ یہ دربارِ عام ہے۔

رقاصہ۔ (فلسفی سے) تم غلط کہہ رہے ہو بزرگ۔ یہ دربارِ عام نہیں، یہاں کوئی آوارہ پرندہ تک پَر نہیں مار سکتا۔ لیکن اس نوجوان کو صرف اس لئے اجازت دی گئی ہے، کہ اس کی آواز میں کوئی جانی پہچانی تھرتھری تھی۔

شاعر۔ میں یہاں آنے پر مجبور تھا۔

فلسفی۔ تم ہونہار ضرور ہو، مگر تمہارا بھولپن بہت خطرناک ہے، ہاں، رقاصہ، یہ دربارِ عام نہ سہی، دربارِ خاص ہی سہی، پر اب زیادہ منتظر نہ رکھ۔ اپنا منتر پھونک ——— کوئی ایسا منتر جو شکست خوردہ نظریات کے متعفن چوہوں کو میرے اوہام کے کھنڈروں سے باہر گھسیٹ لائے۔

(رقاصہ شاعر پر نظریں گاڑے مسکراتی ہے، اور پھر اچانک ناچنے لگتی ہے، سازندے اُس کا ساتھ دیتے ہیں، اس کا ناچ اُس تھکے ہارے راہی کے

متعلق ہے، جو مایوس ہو کر راہ کنارے بیٹھ جاتا ہے
مگر اچانک اُسے اپنی منزل نظر آجاتی ہے اور وہ
اپنے پاؤں زخمی ہونے کے باوجود اُس طرف بڑھنے
لگتا ہے۔ اس ناچ میں قلندرانہ بیگانگی اور شاہانہ
تمکنت ہے۔ ناچتے ہوئے وہ ایک گیت چھیڑتی
ہے۔ شاعر کا اکتارہ کھسک کر صوفے پر گر جاتا
ہے۔ فلسفی ٹھوڑی کو ہاتھوں کے پیالے میں رکھے
سحر زدہ آنکھوں سے رقاصہ کو دیکھتا ہے)

گیت

(سست سُروں میں)

پسینے کے جگنو جبیں پر چمکتے ہیں، آنکھوں میں ارمان دم توڑتے ہیں
وہ منزل سے نومید ہو کر، مسافر امنگوں کے رنگین علم توڑتے ہیں
تھرکتی، مچلتی ہوئی سلسبیلیں بپھرتی ہوئی ناگنیں بن رہی ہیں
افق پر دیارِ محبت کی قوسیں کمانوں کے انداز میں تن رہی ہیں

(منزل نظر آجانے سے سُروں کی سُستی تیزی میں
بدل جاتی ہے)

وہ ٹوٹے ہوئے حوصلوں کے دھوئیں میں طلب کا سنہری کلس جھلملایا

وہ کس نے اندھیروں میں کرنیں چھڑک کر شکستہ پروں کو لپکنا سکھایا
وہ ماضی کی اندھی گپھا سے نکل کر مرے چاند نے حال کو جگمگایا
وہ کافر دھندلکوں کے پردے ہٹا کر کوئی مسکرایا، کوئی مسکرایا!

(گیت ختم ہو جاتا ہے، مگر رقص ختم نہیں ہوتا، اب رقاصہ کی تیز ٹھرکنوں سے صاف طور پر مترشح ہونے لگتا ہے، کہ وہ فن کی گہرائیوں میں ڈوب گئی ہے اس کی حرکات میں والہانہ پن ہے، اُس کے لوچ میں تیز جھونکوں سے ہلکورے لینے والے پودوں کی لچکیلی بھی ہے، اور لچک بھی۔ وہ اپنے حُسن اور جوبن کی نمائش کو بھول کر رقص کی اُن جزئیات میں محو ہو جاتی ہے، جہاں پلکوں کی جھپک بھی رقص کی تکمیل میں اثر انداز ہو سکتی ہے —— فلسفی پریشان ہو جاتا ہے، رقص کی تیزی کو اُس کا ذہن گرفت میں نہیں لا سکتا، وہ چلّاتا ہے)

فلسفی:۔ بس! بس!!

(رقص جاری رہتا ہے، سازندے فلسفی کی طرف دیکھتے

ہیں، شاعر رقاصہ پر نگاہیں گاڑے ہوئے ہے)

فلسفی:۔ رقاصہ۔ بند کر یہ رقص۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا!

(رقص جاری رہتا ہے، شاعر کی نظریں رقاصہ کے گھومتے اور تھرکتے ہوئے پیروں پر جمی ہوئی ہیں، سازندے حیرت سے کبھی فلسفی اور کبھی رقاصہ کو دیکھتے ہیں، فلسفی آگے بڑھتا ہے، اُس کی آنکھوں کی گہرائیوں، ماتھے کی شکنوں اور ہاتھوں کی حرکتوں میں گھبراہٹ کی شدّت نمایاں ہے، وہ پوری قوّت سے چلاتا ہے)

فلسفی:۔ ناگن!

(رقاصہ اچانک رُک جاتی ہے، ساز تھم جاتے ہیں، رقاصہ یوں دیکھتی ہے، جیسے گہری نیند سے چونکی ہے لیکن وہ آنکھیں نہیں جھپکاتی۔ بائیں دروازے سے چھ نوخیز نوچیاں حیران نظروں سے یہ منظر دیکھتی ہیں، شاعر سر کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر آنکھیں ملتا ہے، رقاصہ ابھی تک رقص ہی کی حالت میں رُکی ہوئی ہے، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی سنگتراش

نے رقص کا مجسمہ رقص گاہ کے عین وسط میں لاکر
رکھ دیا ہے)

شاعر۔ (فلسفی سے) یہ کیا کیا تم نے؟ رقاصہ کے تھم جانے سے مجھے نظامِ کائنات
رکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، تم وجدان کے قاتل ہو!

فلسفی۔ (لال لال آنکھیں گھماتا ہے اور شاعر کو گھور کر کہتا ہے) سطح پر گھومنے
والے، تو تہوں میں غوطہ لگانے والوں کا حال کیا جانے:

(فلسفی رقاصہ کے قریب جاتا ہے، وہ بُت کی طرح
رقص کی اُسی حالت میں بے حس و حرکت کھڑی ہے،
فلسفی اُسے چھوتا ہے تو وہ بے جان کھلونے کی طرح
ایک طرف لڑھک جاتی ہے، اُس کے بال فرش
پر بکھر جاتے ہیں، بازو اِدھر اُدھر پھیل جاتے ہیں، اُس
کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں)

طبلچی ۱۔ (طبلہ تیزی سے بجاتے ہوئے) سارنگی بند کر دو!

سارنگی والا۔ (سارنگی تیزی سے بجاتے ہوئے) طبلہ بند کر دو!

(دونوں ہاتھ روک لیتے ہیں، اور دوسرے سازندوں
کو اشارہ کرتے ہیں، سب سازندے اُٹھ کر رقاصہ
کے قریب جاتے ہیں، فلسفی اور شاعر حیران نظروں

سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ خوبصورت نوجیاں ایک دھندلا سا خمارہ آلودہ رقص کرتی، اور ایک دھیما دھیما گیت گاتی رقاصہ کی طرف بڑھتی ہیں۔ شاعر اور فلسفی پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ سازندے پلٹ کر اپنے ساز سنبھالتے ہیں۔)

گیت

چھن چھن چھن چھن چھاگل چھنکے   جھن جھن جھن جھن جھانجن جھومے
اس سنگیت سبھا میں کھو کر چاند ترے چرنوں کو چومے
جاگ جاگ ری سونے والی! سپنا آشا کی چھایا ہے
کوندے کی اک تیز لیک ہے، اُڑتی بدلی کا سایا ہے
ناچ دیوتا روٹھ نہ جائیں کانچ کے من پہ آنچ نہ آئے
تیرے بن ہے ناچ کی دیوی! کون اس بالک کو بہلائے

(رقاصہ بدستور بیہوش ہے، خوبصورت لڑکیاں اپنے گیت اور رقص کو بے اثر دیکھ کر روتی ہوئی رقاصہ کے پاس بیٹھ جاتی ہیں)

ایک لڑکی:- پہلے تو یہ گیت سے ہوش میں آگئی تھیں۔

فلسفی۔ (آگے بڑھ کر) کیا پہلے بھی یہ حالت طاری ہوتی ہے رقاصہ پر؟

دوسری لڑکی۔ ہاں، اب سے برسوں پہلے۔

شاعر۔ (آگے بڑھ کر) برسوں پہلے؟ لیکن آخر کب؟

تیسری لڑکی۔ جب انہوں نے اپنے رقص کی اُجرت میں ایک آوارہ شاعر سے اُس کے اِکتارے پر ایک گیت سُنا تھا۔

(شاعر اپنے اکتارے کی طرف دیکھتا ہے، فلسفی شاعر کی طرف دیکھتا ہے، سازندے اور نوچیاں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

چوتھی لڑکی۔ اور جب انہوں نے گیت سُن کر رقص کیا تھا تو یہی حالت طاری ہو گئی تھی۔

پانچویں لڑکی۔ اور پھر ہمارے اسی گیت سے ہوش میں آ گئی تھیں۔

فلسفی۔ پھر کیا ہوا؟

چھٹی لڑکی۔ پھر انہوں نے شاعر سے کہا۔ اے میرے احساسات کی کونپلوں کو نقرئی آواز کی بے رحم قینچیوں سے کترنے والے! تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟

شاعر بولا "صرف قربِ حُسن!" یہ بولیں، "کوئی اس سے بڑی آرزو؟" شاعر بولا "صرف قربِ حُسن!"

شاعر۔ پھر!

چھٹی لڑکی۔ پھر یہ بولیں "میرے دربارِ ناز سے نکل جا، بُعدِ حُسن کی خلش سے اپنے دل کو گداز کر، کیونکہ قرب، بُعد کا نتیجہ ہے، اگر تُو نے بُعد کے دکھوں سے شناسا ہوئے بغیر قرب کی لذّت چکھ لی، تو بہت جلد تیرا جی بھر جائے گا۔ تیرے گیتوں میں رَس نہیں رہے گا۔ تیرے اِکتارے کا تار تنا نہیں رہ سکے گا، تیری آواز کی حسرتناک کپکپی ختم ہو جائے گی

——جا!"

شاعر۔ تو پھر وہ چلا گیا؟

چھٹی لڑکی۔ ہاں!

شاعر۔ اور پھر لوٹ کر نہیں آیا؟

چھٹی لڑکی۔ نہیں،

پہلی لڑکی۔ وہ کوئی آوارہ تھا۔

سارنگی والا۔ اُس کی آنکھیں بہت خطرناک تھیں، باتیں کرتی معلوم ہوتی تھیں اُس کی پتلیاں!

فلسفی۔ وہ دیوانہ تھا، وہ شاید یہ نہیں جانتا تھا، کہ عورت کے دل اور زبان کے درمیان، عشوہ و غمزہ اور نمود و نمائش کی زہریلی خلیج حائل ہے، وہ مستقبل کے پھیرے میں آ گیا، حالانکہ زندگی حال اور محض حال ہے،

شاعر۔ اور ماضی؟

فلسفی ۔ ماضی کا ماتم وہ لوگ کرتے ہیں، جو حال سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے!

شاعر ۔ اور مستقبل ؟

فلسفی ۔ مستقبل سے وہ لوگ امیدیں وابستہ رکھتے ہیں، جو حال کے وجود کا احساس ہی نہیں رکھتے، عورت زندگی کا امرت ہے اور چونکہ زندگی 'حال'، اور صرف 'حال' ہے، اس لیے عورت بھی 'حال' اور صرف 'حال' کی پجارن ہے، اگر حال میں وہ زمین پہ اُگے ہوئے ایک پودے کا پھول ہے، تو مستقبل میں آسمان پہ بھٹکی ہوئی کہکشاں کا ایک موہوم تارہ!

شاعر ۔ بڈھے، تم سٹھیا گئے ہو، تم عورت کے دل کو نہیں ٹٹول سکے، تم افلاطون، ارسطو، غزالی اور نٹشے کے گھسے پٹے نظریات کو اپنے الفاظ کا جامہ پہنا کر اُس بلوریں آبگینے میں بال لانے کی کوشش کر رہے ہو، جس کی چھلکتی ہوئی شراب کے ہم سب قطرے ہیں۔

فلسفی ۔ تم صرف سطح پہ تیرنا جانتے ہو۔

شاعر ۔ (غصّے کی شدّت میں) رقص کی دیوی کے عالمِ بے ہوشی میں مجھے تم سے بحث میں نہیں اُلجھنا چاہیئے، لیکن میں تمہیں یہ بتائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں اب تک تمہاری پھیلی ہوئی ڈاڑھی اور لہراتی ہوئی عبا کا احترام کرتا رہا اب تمہارے بڑے بول میری قوتِ برداشت کی حدیں پھاند گئے ہیں،

تم نہیں سمجھ سکتے، کہ اپنے زعم میں نہوں کو چھُو آنے والے اکثر سطح سے ایک انچ بھی نیچے نہیں جا سکتے، اُن کا خیال اُنہیں فریب دیتا ہے، تم کیا جانو، میں نے ساحل پر بیٹھ کر نہیں، پاتال سے بھی کہیں نیچے پہنچ کر وہ سنہری سیپیاں اور روپہلی گھونگے جمع کئے ہیں، جن کی چکا چوند سے تمہارے فلسفے کی خراش زدہ آنکھیں چندھیا جائیں، اور پھر صرف پاتال تک ڈوبنا ہی نہیں، میں پرواز بھی جانتا ہوں، میری اُڑانوں کی سرگذشت اُن ستاروں سے پوچھو، جو افق کی آڑ لے کر تمہاری بے کار نکتہ دانیوں پر مسکراتے ہیں، تم کیا جانو، زندگی، قرب و بُعد، اور حال و مستقبل کے اسرار!

فلسفی۔ (نفرت سے) شاہین بھی اُڑتا ہے، پدّی بھی اُڑتی ہے، شاعر کے نزدیک شاہین اور پدّی دونوں اُڑنے والے پرندے ہیں، فلسفی کے نزدیک شاہین اور پدّی میں وہی فرق ہے جو فلسفی اور شاعر میں ہونا چاہیئے،

چھوٹی لڑکی۔ (شاعر سے) تم کون ہو؟

فلسفی۔ بے چارہ کھلونا، جس میں جوانی کے جوش نے ضرورت سے زیادہ کوک بھر دی ہے!

شاعر۔ (قہر آلود نظروں سے فلسفی کو دیکھتا ہے، اور لڑکیوں کی طرف متوجہ ہو

کر کہتا ہے) میں شاعر ہوں،

ایک لڑکی۔ شاعر ہو تم؟

چھوٹی لڑکی۔ تم شاعر ہو؟

سازندے۔ تم شاعر ہو؟

چھوٹی لڑکی۔ تمہارے پاس اکتارہ بھی ہے!

شاعر۔ ہاں میرے پاس اکتارہ بھی ہے!

فلسفی۔ ہاں اس کے پاس وہ اژدہا بھی ہے جس کی پھنکاروں کی دُھن پہ یہ اپنے زہریلے بولوں سے کمزور روحوں کو مسموم کرتا ہے۔

طبلچی۔ (شاعر سے) تم گا بھی سکتے ہو؟

شاعر۔ ہاں،

سارنگی والا۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

شاعر۔ میرا وطن ساری کائنات ہے، میرا بستر نرم سبزہ گول سنگریزے اور سنہری ریت ہے، میرا شامیانہ ستاروں بھرا نیلا منڈل ہے!

چھوٹی لڑکی۔ یعنی تم آوارہ شاعر ہو،

شاعر۔ (اکتارہ سنبھال کر اُس کا تار چھیڑتا ہے) ہاں۔

فلسفی۔ بہت زیادہ تنے ہوئے تار ٹوٹ جایا کرتے ہیں شاعر میاں،

شاعر۔ لیکن ٹوٹنے سے پہلے اُن سے جو سُریلے نغمے برستے ہیں، اُن کی قیمت

خود ان تاروں سے بھی زیادہ ہے،

سب لڑکیاں۔ (ہاتھ جوڑ کر) اچھے شاعر مسیحائی کر!

(فلسفی مسکراتا ہے، شاعر اکتارے پر گیت گاتا ہے)

گیت

ہوائیں گنگنا رہی ہیں بوندیوں کے ساز پر
برس رہی ہیں مستیاں جہانِ خاکباز پر
نشیب پر فراز پر
نشے سے کپکپا رہے ہیں سرمئی خلاؤں میں
حیات رقص کر رہی ہے بادلوں کی چھاؤں میں
دُھلی ہوئی فضاؤں میں
وہ پھُوٹتی ہیں کونپلیں، وہ جھُومتی ہیں ڈالیاں
وہ برگ جھُوم جھُوم کر بجا رہے ہیں تالیاں
وہ گائیں گاؤں والیاں
اُٹھو، اُٹھو، بڑھو، بڑھو، کہ وقت ہے گریز پا
کریں گے کل کو کیا بھلا، جو آج کچھ نہ ہو سکا
فلک کا اعتبار کیا

وہ ابرِ تیرہ چھٹ گیا، وہ اک طرف سمٹ گیا
وہ گالا گالا بٹ گیا، اُلٹ گیا، پلٹ گیا
دبیز پردہ ہٹ گیا

(گیت کے دوران میں رقاصہ انگڑائی لیتی ہے، سازندے مسکراتے ہیں، نوجوان آنسو پونچھتی ہیں، فلسفی حیرت سے کبھی شاعر اور کبھی رقاصہ کی طرف دیکھتا ہے، جب گیت ختم ہو جاتا ہے، تو رقاصہ اُٹھ بیٹھتی ہے وحشیانہ انداز میں کھڑی ہو جاتی ہے، اور شاعر کے پاس جاکر اُس سے اِکتارہ چھین لیتی ہے، اور اُس کا تار کھینچ کر توڑ دیتی ہے)

رقاصہ۔ اب اِس کی ضرورت نہیں!

(اکتارے کو صوفے کے قریب پٹخ دیتی ہے، فلسفی ہنستا ہے تو رقاصہ اس کی طرف بڑھتی ہے اور اپنا ہاتھ اُس کی داڑھی کے قریب لے جاکر کہتی ہے)

رقاصہ۔ اُجرت لاؤ۔

فلسفی (بے پروایانہ انداز میں ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہے، ہنستا ہے اور رقاصہ کی اُنگلیوں کی پوروں کو چھو کر کہتا ہے) ابھی تک ان پوروں میں -

رقاصہ - (بات کاٹ لیتی ہے، اور ڈپٹ کر کہتی ہے) اُجرت لاؤ !

فلسفی - (مسکرا کر) ہم اُجرت دے کر انسانوں کے دیوانہ پن کے تماشے دیکھنے کے عادی نہیں -

رقاصہ - یعنی میں دیوانی ہوں ؟

فلسفی - ہر فنکار دیوانہ ہے -

شاعر - اور فلسفی سڑی ہے، سودائی !

رقاصہ (شاعر سے) شاعر کی دولت اُس کے مترنّم الفاظ ہیں، انہیں ضائع نہیں کرنا چاہیئے،

فلسفی - تمہارا پیشہ ہے رقص کرنا، ہمارا کام ہے رقص اور شاعری اور جوش اور مذہب کے سودائیوں کی نفسیات کے تجزیے کرنا - زیادہ سے زیادہ تمہارے رقص کی یہی اُجرت ادا کی جا سکتی ہے کہ میری آئندہ تصنیف میں تمہارا ذکر آجائے -

رقاصہ - تم نے میرے رقص کے اوجِ کمال کو دیکھا ہے، میں تفنیک نہیں چاہتی مجھے سونا چاہیئے -

فلسفی - تو سو جاؤ خواب دیوانی روحوں کا سب سے بڑا معالج ہے !

رقاصہ۔ (اس زور سے بولتی ہے، کہ اُس کی آواز چیخ کی حد تک پہنچ جاتی ہے) نکل جاؤ، میرے دربارِ ناز سے، اور یاد رکھو میں نے تمہارے بڑھاپے پہ رحم کھا کر تمہیں کوئی سزا نہیں دی، ورنہ میں اپنے مجرموں سے دن بھر غلغال نبواتی ہوں، اور رات کو رقص گاہ کے فرش کو پلکوں سے صاف کرواتی ہوں۔

فلسفی۔ میری آئندہ کتاب کا نام "آرٹ اور پاگل خانہ" ہو گا ــــــ

(فلسفی جاتے ہوئے شاعر کا اکتارہ اُٹھاتا ہے)

شاعر! آرٹ کی اس نعش کو قطبی ستارے میں دفنانا۔ یہ ناپاک دنیا اس کی تقدیس کا بوجھ برداشت نہ کر سکے گی۔ رقاصہ! تم اپنے فن پہ نازاں ہو، مگر تمہارا فن زندگی کی ایک معمولی سی کروٹ سے مذاق بن سکتا ہے (ہنستا ہے، اکتارہ کو پٹخ کر دائیں دروازے تک جاتا ہے)

رقاصہ۔ کوڑھی! پگلا! برسوں کے بوجھ تلے دبا ہوا نیم جان گیدڑ!

(دور سے فلسفی کے طنز بھرے گونجیلے قہقہے سنائی دیتے ہیں)

شاعر۔ فلسفہ اور دماغ دو متضاد چیزیں ہیں، صحت مند دماغ فلسفے کو قبول نہیں کرتا۔

رقاصہ۔ اور پھر فلسفے کے ساتھ ہی بڑھاپا!

(قہقہے کی آواز آتی ہے)

شاعر۔ فلسفہ بڑھاپے میں اپنے آخری نقطۂ عروج پر ہوتا ہے۔

(رقاصہ ہنستی ہے، اور سازندوں کو جانے
کا اشارہ کرتی ہے)

رقاصہ۔ (نوجیبوں سے) تم بھی جاؤ ـــــــ مگر ہاں، دیکھو صوفوں پر خوشبو چھڑک دو، (شاعر حیران ہے) فرش پر پنکھڑیاں بچھا دو، (شاعر اپنا اکتارہ اٹھاتا ہے) کافوری شمعیں جلاؤ، میں دن کے اجالے میں بھی جگنو دیکھنا چاہتی ہوں، (شاعر اکتارے کو بغل میں دبا لیتا ہے) اور سارنگی بجاؤ تاکہ وقت مسحور ہو کر تھم جائے! (شاعر کی طرف پلٹ کر) میں شاعر سے اپنے رقص کی اجرت لوں گی۔

(لڑکیاں اور سازندے ساز بجاتے ہیں)

شاعر۔ اجرت؟ مجھ سے؟ (اکتارے کو ٹٹول کر) میں تو اک آوارہ شاعر ہوں
(باہر جانے لگتا ہے)

رقاصہ۔ اگر تمہیں رقص گاہ کی معطر فضا پسند نہیں، تو باغ کی خنک ہوا سہی مگر اجرت ضرور دینی ہو گی!

(شاعر رک جاتا ہے، پھر وہ آہستہ آہستہ گرنے لگتا
ہے۔ جس کے دوران میں رقاصہ شاعر کو ہاتھ سے

کھینچ کر وسطی صوفے پر گرا لیتی ہے، شاعر اکتارے کے بل کھائے ہوئے تار کو کھینچ کر چھوڑ دیتا ہے، رقاصہ ہنستی ہے، پردہ پوری طرح گر جاتا ہے)

تیسرا منظر

باغ کا ایک گوشہ

دلپس منظر میں درخت، آس پاس قطاروں میں اُگے ہوئے پھول، سامنے بنچ پہ ٹوٹا ہوا اکتارہ پڑا ہے، کوئل کوکتی ہے۔ مکمل سکوت کا مختصر وقفہ، شاعر اور رقاصہ ظاہر ہوتے ہیں، رقاصہ آتے ہی بنچ پہ بیٹھ جاتی ہے)

شاعر۔ مجھے تیرے سحر انگیز رقص کی سوگند، میں تیرا وہ شاعر نہیں ہوں میں تو ایک آوارہ ——

رقاصہ۔ وہ بھی آوارہ تھا، وہ بھی شاعر تھا، اُس کی آواز میں بھی سنگ ریزوں پہ تھرکتے ہوئے جھرنوں کا ترنّم اور ہواؤں میں لچکتی ہوئی ڈالیوں کا سا لوچ تھا، اُس کے پاس بھی اکتارہ تھا —— تم وہی ہو، شاعر! ——

تم وہی ہو!

شاعر۔ (بنچ پہ بیٹھ جاتا ہے) میں سچائی کا پجاری ہوں، میں نہیں اپنا کہ کسی اور شاعر کی امانت نہیں ہتھیانا چاہتا، جانے وہ کب آجائے، جانے اُس کے لیئے بُعد کی حدّیں کب ختم ہوں، اُس کا انتظار کرو رقاصہ، میں وہ نہیں، کیسے یقین دلاؤں کہ میں وہ نہیں!

رقاصہ۔ (اُداس لہجے میں) تم مجھ سے نفرت کرنے لگے؟

شاعر۔ شاعر کائنات کی کسی چیز سے نفرت نہیں کرتا۔

رقاصہ۔ وہ سب سے محبّت کرتا ہے؟

شاعر۔ ہاں وہ سب سے محبّت کرتا ہے، مگر اس کی محبّت کے ادوار ہوتے ہیں، درجے ہوتے ہیں، حالتیں ہوتی ہیں، اُس کی محبّت کا شدید ہو جانا ایک غیر معمولی سانحہ ہوتا ہے!

رقاصہ:۔ تو کیا تم نے کسی سے شدید محبّت بھی کی؟

شاعر:۔ میں کئی بار اس مگر کے کنارے پہنچا ہوں، مگر بہت نیچے نشیبوں کی سنسناتی ہوئی گہرائیوں نے مجھے لوٹ آنے پہ مجبور کر دیا ہے،

(کوئل کوکتی ہے)

رقاصہ:۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے، کہ تم بُعد کا تجربہ کر کے ماوراء کی ویرانیوں میں پہنچ گئے؟

شاعر۔ (گھبرائی ہوئی مسکراہٹ) پھر وہی بات؟ ——— دیکھو! تم بہت خوبصورت ہو، بہت پیاری ہو، تمہارا فن آسمانی ہے، تمہارا وجدان بے لوث ہے، لیکن وہ دیکھو۔ (آگے جھک کر) مجھے غور سے دیکھو۔ میری آنکھوں میں تمہارے پہلے شاعر والی چمک نہ ہوگی، میرے ہونٹوں میں تمہارے پہلے شاعر والا ریش نہ ہوگا، میری باتوں میں تمہارے پہلے شاعر والا خمار نہ ہوگا۔

رقاصہ۔ (شاعر کے بالکل قریب آجاتی ہے) تم میرے ہو شاعر، تم میرے ہو، میں نے ساری کائنات میں سے صرف تمہیں چُنا ہے، بھول گئے؟

شاعر۔ مگر مَیں وہ نہیں۔

رقاصہ۔ (اُس کے شانے پر سر رکھ کر) تم وہی ہو، اگر تم وہ نہیں، تو اب تمہیں وہی بننا پڑے گا، ہر حال میں تم میرے ہو!

(رقاصہ سر اُٹھا کر شاعر کی طرف دیکھتی ہے، اور پھر اُس سے لپٹ جاتی ہے، اور شاعر لمحہ بھر کے توقف آمیز تذبذب کے بعد اپنا بازو اُٹھا کر اُس کے شانے پر رکھ دیتا ہے۔ اکتارہ نیچے گر جاتا ہے، رقاصہ اور شاعر مسکراتے ہیں۔)

شاعر۔ اچھا۔ یوں ہی سہی۔ مَیں دوشیزاؤں کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے کا کبھی

مرتکب نہیں ہوتا۔

(دونوں ایک دوسرے کو محبّت بھری نظروں سے
دیکھتے رہتے ہیں، کہ اچانک پس منظر سے جوتشی کی
آواز آتی ہے)

جوتشی۔ (پس منظر سے صدا لگاتا ہے) ہم نے تقدیر کے محلوں میں جا کر مشیّت کے راز چُنے ہیں، ہم نے آسمانوں کی نیلاہٹوں میں تیر کر ستاروں کے صحیفے پڑھے ہیں، ہم نے ہاتھوں کی ریکھاؤں پر گھوم کر ڈھکی چھپی دھڑکنیں جمع کی ہیں،

(رقاصہ لڑکھڑا اُٹھتی ہے، چاروں طرف ویران
آنکھوں سے دیکھتی ہے، شاعر کنارہ اُٹھا کر کھڑا ہو
جاتا ہے، رقاصہ دیوانوں کی طرح کبھی شاعر کی طرف
دیکھتی ہے، کبھی خلاء میں گھورتی ہے، اُس کے بال
کبھی اُس کے چہرے پر آ گرتے ہیں اور کبھی شانوں
پر بکھر جاتے ہیں۔ پس منظر سے بھکاری کی دُور سے
آواز آتی ہے)

بھکاری:۔ جوتشی مہراج! ——— جوتشی مہراج (آواز قریب آ جاتی ہے) میں نے ندّی میں ہاتھوں کو رگڑ رگڑ کر دھویا ہے۔ اب ریکھا بیٹر صاف

نظر آتی ہیں، دیکھئے اور کچھ کہیئے، کچھ بھی کہیئے ———— مگر کچھ کہیئے ضرور!

(جوتشی اسٹیج پہ آتا ہے، اور سامنے ہی بھکاری ہاتھ بڑھائے داخل ہوتا ہے)

بھکاری:- (جوتشی پہ نگاہیں گاڑتے ہوئے) جوتشی مہاراج ———— میرا مستقبل؟

(رقاصہ کی آنکھیں پھٹی پڑتی ہیں، وہ جوتشی کے چہرے پہ گڑ جاتی ہیں، اُس کی سانسیں دھونکنی کی طرح چلنے لگتی، اُس کی رنگت پل پل میں بدل جاتی ہے، وہ اچانک پلٹ کر شاعر کو دیکھتی ہے، اور ایک فیصلہ کُن انداز میں لپکتی ہے، اور جوتشی کے قدموں سے چمٹ جاتی ہے)

جوتشی:- میری پیاری شب رس! کیا میں نے تمہارے رقص کی اُجرت ادا کر دی؟

(رقاصہ فرطِ مسرت سے کچھ نہیں بول سکتی، بھکاری رقاصہ پہ نظریں گاڑے منہ کھولے ہانپ رہا ہے، اُس کا ہاتھ اُسی طرح آگے بڑھا ہوا ہے، شاعر اکتائے

کے ٹوٹے ہوئے تار کو کھینچ کر چھوڑ دیتا ہے، ایک
طرف سے بوڑھا فلسفی داخل ہوتا ہے اور وہیں
رُک کر اور بازو پہ بازو چڑھا کر مسکراتا ہے، اُسے
کوئی بھی نہیں دیکھتا)

شاعر۔ (جوتشی سے) اچھا تو تم بھی شاعر ہو؟

جوتشی۔ (مسکراتا ہے) جی!

رقاصہ۔ (جوتشی سے) میں سمجھی تھی، تم اُن عام شاعروں کی طرح ہو، جو میرے رقص سے مسحور ہو کر وقتی طور پر جذبات کے دھارے پہ بہہ نکلتے ہیں، مگر جلدی کنارے کے لئے تڑپنے لگتے ہیں، لیکن کے پربت طے کرنے کے بعد تم اپنی کنیز سے قرب کی شاداب وادیوں کی وہ تمام لذتیں حاصل کرو گے، جو انسانی ذہن میں سما سکتی ہیں!

جوتشی۔ میں نے جوتش کا سوانگ بھرا، صرف تمہارے لئے!

(رقاصہ مسکراتی ہے)

جوتشی۔ میں نے ویران راہوں پر بیٹھ کر۔ پتریاں دیکھیں اور اُنگلیوں کی پوروں پہ کچھ گن کر قسمتوں کے فیصلے سُنائے ——— صرف تمہارے لئے!

(رقاصہ مسکراتی ہے، اور جوتشی کے ہاتھ کو اپنے

دل سے ہاتھ میں لے کر اُسے محبّت بھری نظروں سے
تکتی ہے)

جوتشی۔ میں نے برفانی چوٹیوں اور جھکے ہوئے ٹیلوں پہ ——————

(اچانک بھکاری آگے بڑھتا ہے، اور رقاصہ سے
چمٹ جاتا ہے)

بھکاری۔ میری بیٹی، میری سبھرائی!

جوتشی۔ سبھرائی؟

شاعر۔ سبھرائی؟

(فلسفی ہنسی روکنے کے لئے منہ پہ ہاتھ رکھتا ہے
جوتشی اور شاعر حیران ہیں، رقاصہ پھٹی پھٹی نظروں
سے بھکاری کو دیکھتی ہے، اور پھر اُس سے لپٹ
جاتی ہے)

رقاصہ۔ ابّا!

بھکاری۔ میری بیٹی! تم نے مجھے کیا چھوڑا، میری زندگی کے سب دیئے بجھا دیئے
تم مجھے بتائے بغیر کیوں چلی آئیں تھیں سبھرائی بیٹا!

(رقاصہ گھبرا کر جوتشی کو دیکھتی ہے اور پھر بھکاری
کی طرف بڑھتی ہے)

رقاصہ۔ ابّا!

بھکاری۔ (پیار سے اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے) لوگوں نے جس رئیس کو تمہارا نام لے کر بدنام کیا، اور جس کے محل سے تمہیں کھینچ کر رات کے اندھیرے میں گھسیٹتے پھرے۔

رقاصہ۔ (پریشانی سے) ابّا!

بھکاری۔ (اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرے جاتا ہے) وہ اب صرف تمہارا نام لے کر جیتا ہے۔ اُس کے ماں باپ بھی مان گئے ہیں، اُس روز سے میں تمہیں ڈھونڈھ رہا ہوں، اب بے آس ہو کر میں نے صرف الشبورہ دوارے کی دہلیز تھامی تھی کہ تمہیں پالیا۔

جوتشی۔ (غصّے میں) بس بس!

رقاصہ۔ (بھکاری سے) ابّا جان! آپ غلط کہہ رہے ہیں، میں کسی رئیس کو نہیں جانتی، آپ کیسی باتیں کرتے ہیں، مجھے کس نے پکڑا؟ کس نے گھسیٹا؟ کس نے بدنام کیا؟ (روتی ہے) یہ سب غلط ہے ——— میرے شاعر یہ سب غلط ہے۔ کیوں ابّا یہ سب کچھ غلط ہے نا؟

بھکاری۔ تمہیں گھبرانا نہیں چاہیئے، اتنی مدّت کی تپسیا کے بعد میں صرف یہ سمجھا ہوں، کہ سچ کڑوا سہی، پر امرت ہے، تم پریشان نہ ہو۔ جوتشی مہاراج، بہت نیک آدمی ہیں، یہ بڑے جوتشی ہیں، تم سے مذاق کر

رہے تھے، شاعر بہت پاک خیالوں والا ہے،

جونشی۔ بھکاری!

بھکاری ـــــــ (فلسفی کی طرف اشارہ کر کے) وہ بزرگ بڑے خدا رسیدہ ہیں (سب فلسفی کو حیرت سے دیکھتے ہیں، جو مسکراتا ہوا، اُن کے قریب آجاتا ہے) ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں یہ سب جانتے ہیں، کہ اس عمر میں ایسی باتوں کا ہونا ضروری ہے، کیوں جونشی مہراج؟

جونشی۔ (انتہائی طیش میں) سب رس! تم دلدل تھیں، میں نے تمہیں ریشم سمجھا۔ تم ناسُور تھیں۔ میں نے تمہیں مرہم سمجھا۔ تم ڈائن تھیں۔ میں نے تمہیں حور سمجھا۔ میں شاعر ہوں۔ میں زندگی کو پھولوں کی خوشبوؤں میں بسا کر ستاروں کی میزان میں تولتا ہوں، مگر تم فولاد ہو، کئی بھٹیوں میں گلایا پگھلایا اور ڈھالا ہوا۔ تمہارے بوجھ سے یہ میزان ٹوٹ جائے گی! تم نے مجھے فریب دیا، تم نے میری برسوں کی عبادت خاک ملا دی! تم نے بہت بڑا ظلم کیا!

(رفاقت بلک بلک کر رونے لگتی ہے اور جونشی
کا ہاتھ تھامنا چاہتی ہے)

جونشی۔ (دگر جتا ہے) دُور رہو، اپنے ناپاک ہاتھوں سے اِس جسم کو ناپاک نہ کرو، جو میں آگ کی عفونتوں سے پاکیزہ بنایا گیا، صرف پاکیزہ اور اچھے لمس کے لئے!

شاعر:۔ (اکتارے کو ٹٹول کر) سچ۔ سچ۔ سچ۔ میں نہیں جانتا تھا، کہ قوس قزح میں بھی زہر ملا ہوتا ہے۔

بھکاری۔ تم دونوں ستاروں کی باتیں کرتے ہو، تم خاک پر رینگنے والوں کو نہیں سمجھ سکے! تم ظالم ہو، بے حس ہو، تم ان فرشتوں سے بھی گئے گذرے ہو، جو انسانوں سے شاکی تو ہیں، مگر اُن کے ساتھ رہنے بسنے کا حوصلہ نہیں رکھتے!

جوتشی۔ تم نے رئیس سے جو دولت حاصل کی ہے، اپنی لڑکی کے لئے، اُس کی آنچ سے تمہارے دماغ کی نسیں تڑپ رہی ہیں، تم بے غیرت ہو!

(بھکاری جوتشی پر جھپٹتا ہے، شاعر ڈر کر پرے
ہو جاتا ہے، فلسفی بھکاری اور جوتشی کے درمیان
آجاتا ہے، شاعر اپنی جگہ کی طرف لوٹتا ہے، رقاصہ
بچوں کی طرح رو رہی ہے)

فلسفی۔ (بھکاری سے) تمہاری عمر لڑنے کی نہیں، سوچنے اور سمجھنے کی ہے۔

بھکاری: تم نے الشیور کی برکھاؤں کی دعا مانگی تھی، مگر اس برکھا میں دہکتے ہوئے انگاروں کے برسنے کا تمہیں گمان تک نہ تھا! (جوتشی سے) خیالوں کے آبگینے جب زندگی کی کڑی سچائیوں اور تلخ حقیقتوں سے ٹکراتے ہیں، تو کرچی کرچی ہو جاتے ہیں، جوتشی! تیری جوتش، تیری شاعری اور

تیری عبادت تیرے کھولتے ہوئے خون کی ایک لپک تھی، جو مٹھی بھر برف سے یخ ہو کر رہ گئی ہے، ——— رقاصہ! تیرے رقص کی اوجِ کمال محض جذبات کا الجھاؤ تھا، جو حقیقت کی زد میں آ کر سلجھ چکا ہے ——— شاعر! تیری اُڑانیں تشنہ احساسات کی پھریریاں ہیں، جو زندگی کے ایک ادنیٰ سے راز کے انکشاف پر بے بس ہو گئی ہیں، ——— یہی زندگی ہے! جس نے روزِ اول سے انسانوں کے دماغ کو چکرا رکھا ہے، اور جس کے بیباک ہیں صرف فلسفی ہی۔

بھکاری۔ تم پہیلیوں میں باتیں کرتے ہو۔

شاعر۔ میں صرف سچائیوں کا پجاری ہوں۔

فلسفی۔ سچائی طاعون زدہ چوہوں کی طرح متعفن بھی ہو سکتی ہے، لیکن تم صرف معطّر و منوّر سچائی کے پجاری ہو۔ تم نے زندگی کا صرف ایک رُخ دیکھا ہے۔

شاعر۔ میں صرف اُن دوشیزاؤں کو ———

فلسفی۔ (بات کاٹ لیتا ہے) تم بہت بھولے ہو، شاعر میاں، بہت بھولے!

(شاعر غصّے میں اکتارہ گھماتا چلا جاتا ہے)

جوتشی۔ میں پاکیزہ حسن اور بے لوث محبّت کا قائل ہوں۔

فلسفی ۔ وہ حسن کبھی پاکیزہ نہیں رہ سکتا، جسے مرد دیکھ لے۔ اور وہ محبت کبھی بے لوث نہیں رہ سکتی، جو عورت کے دل میں پیدا ہو۔

جوتشی ۔ میں اپنی پوجا کے صلے میں طمانچہ نہیں چاہتا۔

فلسفی ۔ پر جوتشی میاں، پجاری پوجا کا صلا نہیں مانگتے، اُنہیں تو اپنے معبود کی رضا مطلوب ہوتی ہے،

رقاصہ ۔ (جوتشی سے) اے میرے نادان شاعر! میں بے قصور ہوں، میں بے گناہ ہوں!

(جوتشی نہایت بے نیازی سے صدا لگاتا ہے، اور چلا جاتا ہے، آواز پس منظر میں جاری رہتی ہے۔)

جوتشی ۔ ہم جوتشی ہیں، ہم نے تقدیروں کے محلوں میں جا کر مشیت کے راز چنے ہیں، ہم نے آسمانوں کی نیلاہٹوں میں تیر کر ستاروں کے صحیفے پڑھے ہیں، ہم نے ہاتھوں کی ریکھاؤں ——————

(آواز ڈوب جاتی ہے)

رقاصہ ۔ (طنزاً) تقدیر کے محل! آسمان کی نیلاہٹیں! ہاتھ کی ریکھائیں! (ہاتھوں پہ تھوکتی ہے) —————— تھوہ!

(اچانک وہ لپک کر فلسفی کے مقابل آجاتی ہے،

اُس کی حالت اُس دیوانے کی طرح ہے جس کا غصّہ
شدّت کی آخری حد تک پہنچ چکا ہو)

رقاصہ۔ (ہاتھ بڑھا کر) اُجرت لاؤ!

(فلسفی زور زور سے ہنستا ہے، بھکاری حیران ہے
اور اُداس ہے، رقاصہ فلسفی کا قہقہہ سُن کر پوری
قوت سے اُس کے مُنہ پہ تھوکتی ہے، فلسفی تلملا جاتا
ہے، بھکاری کانپ جاتا ہے، فلسفی اپنی عبا سے
چہرے کو پونچھتا ہے۔)

فلسفی۔ تو نے میرے مُنہ پہ تھُوکا؟ میرے مُنہ پہ! جس نے فلسفے کے تمام
فرسودہ نظریات پہ تھوکا تھا! اور کائنات کے جدید اسرار کی نقاب کشائی کی
تھی۔ میرے مُنہ پہ؟ کیا تجھے زمین کے ذرّے۔ ہوا کے جھونکے۔ ایتھر کے
ہیولے کانپتے اور تھراتے نظر نہیں آتے۔ اس گناہِ عظیم پر؟

بھکاری۔ (آگے بڑھتا ہے) جاؤ جی۔ اپنی راہ لو۔ کیوں دُکھی ہوتی روحوں
پر چرکے لگاتے ہو؟

فلسفی۔ خیر۔ ہر مایوس انسان دیوانہ ہے، میں چار کتابیں لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں:
۱۔ عورت اور آرٹ، شاعری اور مہجائی، جو تشنج اور پوجا۔ گناہ اور پچھتاوا،
اور آرٹ اور پاگل خانہ، تو ہے ہی، اور میری آخری کتاب کا نام ہوگا:۔

فطرت مداری ہے! مجھے اپنے آپ کو غیر فانی بنانے کا کافی سرمایہ مل گیا ہے۔

(بھکاری رقاصہ کا ہاتھ تھام کر اُسے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کھینچتا ہے، وہ پاگلوں کی طرح اپنی ہتھیلیوں کو گھورتی ہے، اُن پر تھوک کر اُنہیں نیچے مٹی میں رگڑتی ہے۔ اور پھر دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر زور سے پکارتی ہے)

رقاصہ:- کیوں جی، آسمانوں والے ——— میرا مستقبل؟

(بھکاری اپنے ہاتھوں کو دیکھتا ہے، کوئل زور سے کوکتی ہے، رقاصہ وحشیانہ قہقہے لگاتی ہے، اور جب کونے میں کھڑے ہوئے فلسفی کو دیکھتی ہے، تو اُس کے قہقہے اچانک رُک جاتے ہیں ——— فلسفی جھک کر زمین پر سے خاک اٹھاتا ہے، ہتھیلی پر رکھتا ہے، اور کہتا ہے۔)

فلسفی:- تمہارا مستقبل؟

(رقاصہ اور بھکاری، فلسفی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، فلسفی ہتھیلی پر پڑی ہوئی خاک کو تیز پھونک سے اڑا دیتا ہے)

فلسفی ۔ یہ ہے تمہارا مستقبل! ـــــــ اور ایک تمہارا کیا، ہر اُس شخص کا مستقبل، جو فلسفہ نہیں جانتا!

(فلسفی چلا جاتا ہے، اُس کے گونجیلے قہقہے ایک لمحہ تک سُنائی دیتے رہتے ہیں، رفاصہ بلکنے لگتی ہے، بھکاری دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھا کر لب ہلاتا ہے، اور روتا ہے، رفاصہ بلکتے بلکتے اس دُعا میں شامل ہو جاتی ہے، پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

پہاڑ کے دامن میں

پہلا منظر

منظر:۔ (پہاڑ کا دامن، ندی کے کنارے لکڑی کے بنچ پر شہاب۔ ایک بوڑھا اور "ستارہ" ایک بوڑھیا بیٹھے ہیں۔

صبح کا وقت ہے، سورج کی شعاعیں ندی کی لہروں میں لہرا رہی ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے نگہت بداماں جھونکے پودوں کی شبنم آلود ٹہنیوں کو جنبش دیتے، پانی کی سطح پر بے شمار شکنیں پیدا

کرتے، مٹی اور ریت کے تودوں سے
ٹکراتے مستوں کی طرح چل رہے ہیں۔ شہاب
چند لمحے ساحل سے بار بار ٹکراتی ہوئی
موجوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ پھر محبّت بھری
نظریں "ستارہ" کے چہرے پر ڈالتا
ہے)

ستارہ۔ کوئی نئی بات سوجھی؟

شہاب۔ آج مجھے چالیس سال پیشتر کا زمانہ یاد آرہا ہے جب ہم دونوں کو زندگی کی سب سے بڑی کائنات کی سب سے اعلےٰ نعمت حاصل ہوئی تھی!

ستارہ۔ تمہارا مطلب "آغاز محبّت" کے زمانے سے ہے؟

شہاب۔ ہائے پیاری ستارہ! آہ وہ زمانہ کتنا خوشگوار اور مقدس زمانہ تھا!

ستارہ۔ (ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے) وہ زمانہ گذر گیا!

شہاب۔ (ستارہ کے ہاتھ میں ہاتھ لیتے ہوئے) وہ زمانہ گذر گیا۔ مگر "آغازِ محبّت" کی ایک ایک گھڑی مجھے یاد ہے۔ تمہیں بھی وہ زمانہ نہیں بھولا ہوگا ستارہ!

ستارہ۔ کیونکر بھول سکتا ہے؟ ان بھلے وقتوں کی یاد تو ایک بہت بڑا
خزانہ ہے جسے میں نے دل کی آخری گہرائیوں میں رکھا ہے!
شہاب۔ ہماری محبّت کا آغاز عجیب طور پر ہوا تھا۔ وہ باتیں یاد ہیں نا
جو میں نے پہلے پہل تم سے کہی تھیں؟
ستارہ۔ (سامنے کے پودے پر نظر جمائے ہوئے) بہت اچھی طرح!
شہاب۔ مگر تم اُس وقت ناراض کیوں ہو گئی تھیں ستارہ! تم نے بہت
بڑا گھڑا اُٹھا رکھا تھا۔ اور میں نے تم سے فقط یہ کہا تھا کہ گھڑا
بھاری ہے تو میں اُٹھا لوں؟ یہی بات میں نے کہی تھی نا؟
ستارہ۔ ہاں یہی بات!
شہاب۔ تو اتنی سی بات پر تم ناراض کیوں ہو گئیں۔ ہمسایہ ہونے کی حیثیت
سے یہ بات قابلِ اعتراض تو نہیں ہو سکتی تھی؟؟
ستارہ۔ (مسکراتے ہوئے) اوہ ——— مگر ———
شہاب۔ یہاں سے ہماری محبّت کی ابتدا ہوتی ہے!
ستارہ۔ صرف تمہاری محبّت کی ابتدا!
شہاب۔ میرا خیال ہے اُس وقت تم میری باتوں سے بہت متاثر ہوئی
تھیں!
ستارہ۔ مگر یہ میری محبّت کی ابتدا نہیں تھی!

شہاب۔ وہ کب ہوئی ؟

ستارہ۔ اس واقعے سے بہت پہلے!

شہاب۔ کب ستارہ ؟

ستارہ۔ جب میں اپنے ماموں کے ہاں "شاموں کے میدان" میں رہتی تھی اور تم کبھی کبھار ہمارے ہاں آیا کرتے تھے!

شہاب۔ اس واقعے سے بھی چار پانچ سال پہلے!

ستارہ۔ ہاں!

شہاب۔ مگر تم نے کبھی اس کا اظہار نہ کیا۔

ستارہ۔ (چند لمحے خاموش رہنے کے بعد) مرد کا عشق ایک سمندر ہے۔ جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے موجزن رہتا ہے۔ مگر عورت کی محبت ایک زمین دوز ندی ہے۔ جو زمین کا سینہ چھیدتی، نیچے ہی نیچے بہتی رہتی ہے۔

شہاب۔ (ستارہ کا ہاتھ دباتے ہوئے) اپنی محبّت کے آغاز کا تذکرہ آج تم نے کیا!

ستارہ۔ آغازِ محبّت میں کس کو خیال ہو سکتا تھا کہ ہماری محبّت کامیاب ہوگی؟ تمہارا قبیلہ ہمارے قبیلے کا جانی دشمن۔

شہاب۔ اس حالت میں بھی ہماری محبّت کو فتح ہوئی۔

ستارہ۔ محبت کا دیوتا اندھا ہے ـــــ دیکھ لو ہم نے مستقبل سے بے نیاز ہو کر اپنی محبت کی کشتی خطروں کے سمندر میں ڈال دی تھی ـــ!

شہاب۔ اگر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ وسیع کائنات ایک سمندر ہے جس میں انسانی زندگیوں کی کشتیاں چل رہی ہیں۔ ان میں سے بہت سی جلد ہی طوفانی موجوں کی تاب نہ لا کر غرق ہو جاتی ہیں۔ بعض نصف مسافت طے کرنے کے بعد ڈوب جاتی ہیں اور کئی ساحلِ مراد تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس سمندر میں طوفانی موجیں ہیں۔ تلاطم ہیں، طوفان ہیں مگر کشتیاں بہتی ہی رہتی ہیں۔ اگر ہماری محبت کامیاب نہ بھی ہوتی تب بھی ہمیں زندہ رہنا تھا۔ (کچھ دیر سکوت کے بعد مترنم آواز میں) ـــ

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

(ستارہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں)

ستارہ۔ وہ کتنی دکھ بھری زندگی ہوتی۔

شہاب۔ تم رونے کیوں لگیں ستارہ! کیا ہوا؟

ستارہ۔ کچھ نہیں۔

شہاب۔ پھر رونے کا مطلب؟ (قریب سے قہقہوں کی آواز آتی ہے) ستارہ! محبّت کا شکریہ ادا کرو جس نے ہمیں اتنی مسرّتیں دیں جس نے ہماری زندگی کو یکسر ایک نغمۂ مسرّت بنا دیا۔ اگر ہماری زندگی کے اُفق پر محبّت کا آفتاب طلوع نہ ہوتا تو ہماری دنیا تاریک رہتی —— ہم اندھیرے غار میں ڈگمگاتے، ٹھوکریں کھاتے، گرتے پڑتے آخر کار موت کے دروازے تک پہنچ جاتے —— محبّت کا شکریہ ادا کرو ستارہ۔

(ندی میں کاغذ کی ناؤ بہتی آتی ہے)

ستارہ۔ محبّت زندگی کی سب سے بڑی مسرّت ہے!

(قہقہوں کی آواز پھر آتی ہے۔ دو بچّے اُچھلتے کودتے ہیں)

شہاب۔ (ستارہ کے آنسو پونچھتے ہوئے) شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک —— شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک۔

(بچّے قہقہے لگاتے ہیں۔ ستارہ اُن کی طرف دیکھتی ہے۔ اُس کے چہرے پر رونق آجاتی ہے —— اور وہ شہاب کو دیکھتی ہے۔)

ہماری منزلِ مقصود آگئی ——— اب اوروں کی باری ہے ———

(شہاب اور ستارہ اُٹھتے ہیں۔ ستارہ پہاڑ
کی طرف دیکھتی ہے)

ستارہ۔ بچپن سے سُن رہے ہیں یہ آتش فشاں پہاڑ پھٹنے والا ہے۔

شہاب۔ یہ کبھی بھی نہیں پھٹے گا۔

(دونوں چلنے لگتے ہیں۔ شہاب برابر مصرع
گا رہا ہے۔ بچّے انہیں دیکھتے رہتے ہیں
پھر اپنی ناؤ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں)

لڑکا۔ منّو! ہماری ناؤ تو ڈوب رہی ہے!

لڑکی۔ (قدرے غمگین لہجے میں) ہاں۔

لڑکا۔ چلو دفع کرو۔ (جیب سے چاک کا ٹکڑا نکالتا ہے۔ اور گاتا ہے) شمع ہر رنگ
میں ——— میں (لڑکی سے پوچھتا ہے) آگے کیا کہا
تھا بوڑھے نے ؟

لڑکی۔ جلتی ہے سحر ہونے تک۔

لڑکا۔ جلتی ہے سحر ہونے تک ——— شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے
تک ——— دیکھا یاد آگیا۔

لڑکی۔ تو مجھ سے کیوں پوچھا۔ بڑے چالاک ہو۔

لڑکا۔ (مسکراتے ہوئے) چٹان پر لکھ دوں؟

لڑکی۔ لکھ دو۔

لڑکا۔ (لکھتا ہے اور ساتھ ساتھ گاتا جاتا ہے) "شمع" ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک۔

لڑکی۔ (تالی بجاتے ہوئے) غلط ——— شما لفظ ہے۔ ش زبر م، شم، م الف، ما۔

لڑکا۔ "شما" کیا ہوا۔ شمع لفظ ہے۔

لڑکی۔ غلط ("شمع" کا لفظ مٹا دیتی ہے)

لڑکا۔ میں پھر لکھ دونگا۔ (لکھتا ہے) "شمع"

(دونوں چلنے لگتے ہیں ——— اِما کی چلتے چلتے لڑکے کی نظر بچا کر لفظ "شمع" مٹا دیتی ہے)

دوسرا منظر

منظر:۔ پہلے منظر کے واقعے کو مدّت مدید گزر چکی ہے یہ منظر بھی پہاڑ کے دامن میں واقع ہوتا ہے مگر اب جگہ بہت تبدیل ہو چکی ہے۔ جا بجا

گڑھے پڑے ہیں۔ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے کہیں زمین کے اوپر اور کہیں زمین میں دھنسے پڑے ہیں۔ ندی ایک تالاب کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اس کے کنارے ایک بڑے سے پتھر کے اوپر "سہیل" بیٹھا ہے۔ سہیل لاغر و ضعیف جسم کا شخص ہے۔ آنکھیں دھنسی ہوئی ہیں اور اُن کے گرد حلقے پڑے ہیں۔ اس کی نگاہیں پانی کی سطح پر جمی ہیں۔ دُور سے آواز آتی ہے۔ ؎

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

سہیل منہ پھیر کر دیکھتا ہے۔ آواز آہستہ آہستہ بلند ہو رہی ہے قریب کے ایک پودے کو جنبش ہوتی ہے۔ ایک ہاتھ باہر نکلتا ہے پھر چند لمحوں کے بعد "رحیل" آتا ہے۔ رحیل منزلِ کہولت طے کر رہا ہے۔ وہ تاریخ داں ہے۔ دونوں کی نگاہیں چار ہوتی ہیں۔ رحیل

(آ کر سہیل کے پہلو میں بیٹھ جاتا ہے۔)

رحیل۔ کس خیال میں غرق ہو؟

سہیل۔ قدرت کی ستم ظرائیوں پر غور کر رہا ہوں!

رحیل۔ تم تو ہر وقت قدرت کے ظلم ہی کا شکوہ کرتے رہتے ہو!

سہیل۔ قدرت کے ظلم کا شکار ہوں۔ خیر تم کہو آجکل کیا لکھ رہے ہو؟

رحیل۔ یہاں کی تاریخ لکھ رہا ہوں۔ کل سے ان واقعات کو سپرد قلم کرنا شروع کر دیا ہے جو "آتش فشانی" کے بعد پیش آئے!

سہیل۔ (آہ بھرتے ہوئے) کیا لکھو گے؟ دکھ سے بھرے ہوئے واقعات، غم سے لبریز حالات!!

رحیل۔ تاریخ داں کے لئے یہ چیزیں نئی نہیں ہیں۔ ماضی پر نظر ڈالو معلوم ہو جائے گا کہ زمانے کا ہاتھ ہمیشہ آبادیوں کو جنگل، ملکوں کو صحرا، شہروں کو بن میں تبدیل کرتا رہا ہے یہ آتش فشاں پہاڑ جس کے دامن میں ہم بیٹھے ہیں دو دفعہ اپنے سینے میں دہکتے ہوئے جہنم کو اُگل چکا ہے۔ اور معلوم نہیں کتنی بار اُگلتا رہے گا!

سہیل۔ ظالم، سفّاک قدرت!!

رحیل۔ مگر دوست تصویر کے دوسرے رُخ کو بھی دیکھو۔ کیا کئی لق و دق صحرا متمدّن ممالک میں تبدیل نہیں ہو گئے۔ متعدّد ڈراؤنے جنگل بارونق شہر

نہیں بن گئے ؟ ؟ قدرت ایک شہر برباد کرتی ہے تاکہ اُس کے کھنڈروں
پر پہلے سے زیادہ، پہلے سے بڑھ کر بارونق شہر آباد ہو جائیں۔

سہیل۔ یہ باتیں ہی باتیں ہیں رجیل! تم کیا جانو قدرت نے مجھ پہ کتنا ظلم کیا ہے۔ میرے دل پہ کتنے ناقابلِ برداشت چرکے لگائے ہیں، آہ تم یہ نہیں جانتے، تم یہ نہیں جان سکتے!

(سہیل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں)

رجیل۔ تم آنسو بہانے لگے سہیل! میں مانتا ہوں تمہیں بہت رنج پہنچا ہے۔ مگر ———

سہیل۔ مگر کیا؟ کیا تم سمجھتے ہو اس رنج کا کوئی نعم البدل ہو سکتا ہے ؟ ؟ رجیل! میرے دل کی شمع بجھ گئی۔ میری زندگی کا آفتاب ڈوب گیا میری راتیں تاریک ہیں اور میرے دن راتوں سے بھی زیادہ تاریک۔

رجیل۔ درست ہے سہیل! لیکن دیکھو اس آتش فشانی نے کتنے گھروں کو تاریک کر دیا۔ تمہاری طرح ہزاروں انسان موت کے دروازے کے قریب، غموں کے بوجھ کے نیچے سسک رہے ہیں۔ دنیا میں ایسا ہوتا رہا ہے:
——— دنیا میں ایسا ہوتا رہے گا!

سہیل۔ تمہارے دل کو کوئی رنج نہیں پہنچا۔ اس لئے تم میرے غم کا اندازہ

نہیں لگا سکتے !

رحیل۔ دنیا میں ہر شخص دکھی بھی ہے اور سکھی بھی۔ انسانی زندگی کے ایک طرف خوشی کی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور دوسری طرف غم کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ اگر غم نہ ہوتا تو خوشی ناقابلِ برداشت ہو جاتی اور اگر خوشی کا وجود نہ ہوتا تو شاید کائنات میں سانس لینے والا کوئی بھی نظر نہ آتا۔

سہیل۔ خاموش رہو تمہارے زہریلے الفاظ میرے دکھوں کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔

رحیل۔ کتنی خطرناک غلط فہمی سہیل! میں تمہیں کیونکہ سمجھاؤں کہ غم و مسرت زندگی کے لئے آفتاب و ماہتاب ہیں اگر آفتاب نہ ہو تو زندگی کے دن تاریک ہو جائیں اور اگر ماہتاب نہ ہو تو زندگی کی راتیں تاریک ہی رہیں —— آج سے پندرہ سال پیشتر یہ پہاڑ آتش فشانی کرنے لگا۔ ہزاروں لقمۂ اجل ہو گئے مکانات گر گئے مگر اب دیکھو پہلی سی رونق پھر آ رہی ہے۔ انسان شاندار مکانات بنا رہے ہیں۔ باغات لگائے جا رہے ہیں۔ پھر دیکھو اسی آتش فشاں کے قریب کتنے دلآویز پھول اپنی بہار دکھا رہے ہیں —— تم بھی پھولوں کے بہت شائق تھے —— چند پھول لاؤں ؟؟

سہیل۔ یہ کیا طفل مزاجی ہے۔

رجیل۔ کچھ سہمی (اُٹھ کر ایک طرف چلا جاتا ہے۔ اس کی آواز آتی ہے۔

ے غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

(سہیل کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں
پاس ہی سے قہقہوں کی آواز آتی ہے رجیل
چند پھول لے آتا ہے)

سہیل۔ یہ پھول بھی میرے لئے اپنے اندر بہت جاذبیت رکھتے تھے۔ مگر اب تو یہ کانٹے ہی کانٹے نظر آ رہے ہیں۔

(قہقہوں کی آواز پھر آتی ہے)

رجیل۔ تمہارے لئے تو میرا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ جتنے پھول خوبصورت ہیں اُتنے ہی کانٹے نوکدار ہیں ——— ہاتھ لہو لہان ہو گیا۔

(ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہنستے کھیلتے آتے ہیں)

سہیل۔ مجھے ان پھولوں سے سخت نفرت ہے انہیں پاس ہی رکھو۔

رجیل۔ (لڑکے سے) کیا ڈھونڈھ رہے ہو یہاں؟

لڑکا۔ ہماری کاغذ کی ناؤ پانی میں تیر رہی ہے۔

(سہیل کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔ اس کی

آنکھیں پھیل جاتی ہیں۔ اور وہ اُٹھنے لگتا

ہے)

رحیل۔ کیا ہُوا سہیل ؟

سہیل۔ خدا کے لئے انہیں روک دو ——— روک دو (بچّے دور کھڑے مسکرا رہے ہیں) یہ کھیل ہم بھی کھیلا کرتے تھے۔ یہ کھیل ——— سخت خطرناک ——— !

رحیل۔ سنبھلو سہیل۔ دیکھو بچّے ہنس رہے ہیں۔

سہیل۔ انہیں روک دو۔ یہ موت کا کھیل ہے۔ انہیں موت کے کھیل سے روک دو۔

(بچّے قہقہے لگاتے ہیں)

رحیل۔ دیکھو بچّے کھیل رہے ہیں۔ تم اُن کی مسرّتوں کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

(سہیل، رحیل کی گرفت میں بیٹھ جاتا ہے
سر پتھر پہ رکھ دیتا ہے۔ اسکی آنکھوں سے
برابر آنسو بہہ رہے ہیں)

سہیل۔ رحیل! بچپن میں ہم بھی یہ کھیل کھیلا کرتے تھے۔ اُس وقت ہم کتنے خوش ہوتے تھے۔

رحیل۔ ایک وقت انسانی زندگی قہقہے لگاتی ہے ——— اور دوسرے

وقت آنسو بہاتی ہے۔

سہیل۔ میں اور مہ رخ کاغذ کی ناؤ بناتے تھے اور اسی ندی میں چھوڑ دیتے تھے۔
وہ تالیاں بجا بجا کر ہنسا کرتی تھی۔

رحیل۔ یہ کھیل تم بھی کھیلا کرتے تھے؟

سہیل۔ ہاں۔ ہم ہر روز یہاں آیا کرتے تھے ——— کبھی کبھی ایک بوڑھا
اور بڑھیا بھی ہمیں ملتے تھے۔ پھر (خاموش ہو جاتا ہے)

رحیل۔ پھر؟

سہیل۔ تم جانتے ہو۔ جب ہماری شادی کا زمانہ آیا ——— جب ہمارے
خوابوں کے پورے ہونے کا وقت پہنچا۔ تو قدرت نے غریب مخلوق پہ
آتشیں حملہ کر دیا۔ اسی حملہ میں میری محبوبہ ۔ میری مہ رخ مجھ سے
ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی۔

رحیل۔ میرے سہیل! تم نے محبت کی مسرتیں بھی حاصل کی ہیں تو دکھ بھی
برداشت کرو۔ جب دکھ زیادہ ستائے اپنے آپ کو اسی خوشگوار
زمانے کے حوالے کر دو۔ خود کو وہی ننھا سہیل سمجھو ——— اور
ننھی مہ رخ کے ساتھ کھیلو۔

(سہیل زار و قطار رونے لگتا ہے۔ بچے
قہقہے لگا رہے ہیں)

انسانی زندگی ہمیشہ آنسوؤں اور قہقہوں کے درمیان گزرتی ہے۔اور گزرتی رہے گی ——— یہ انسانی زندگی کی تاریخ ہے۔ دگاتا ہے)، شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک۔

(سہیل آنسو بہا رہا ہے۔ بچّوں کے قہقہے
بلند ہو رہے ہیں اور رحیل گا رہا ہے۔
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک
——— اور پردہ گرتا ہے)

بیسوا

افراد

جواہر ——— ایک ادھیڑ عمر کی رقاصہ جو عمر کی زیادتی کے باوجود حسن کی شان برقرار رکھے ہوئے ہے۔

موتی ——— اس کی حسین لڑکی

گلشن ——— خادمہ

نرنجن ——— ایک متمول خوبصورت نوجوان

مقام

جواہر کا سجا ہوا کمرہ

(سامنے کی طرف لمبے کوچ کے ایک کونے میں جواہر لاپروائی کے انداز میں بیٹھی ہے۔ چہرے پر غصہ، رنج

اور تفکر کے آثار ہویدا ہیں۔ بایاں ہاتھ کوچ پر ہے۔ دایاں نیچے لٹک گیا ہے۔ سر پیچھے دیوار کے ساتھ لگ چکا ہے۔ اور ٹانگیں غالیچے پر پھیلی ہوئی ہیں۔

پردہ آہستہ آہستہ اُٹھتا ہے

جواہر چونک کر اور چُست ہو کر بیٹھ جاتی ہے جیسے اتنی دیر سوچ چکنے کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچ گئی ہو)

جواہر۔ (اپنے آپ) ہاں ! ایسا ہی ہوگا۔ میری توہین کا۔ میری محبت کی توہین کا بدلہ اتنا ہی بھیانک ہوگا۔ جب میں تمہیں پیسے پیسے کو محتاج۔ در در کی ٹھوکریں کھاتا دیکھوں گی تو نرنجن (دانت پیستی ہے) میرے انتقام کی آگ شانت ہو جائے گی میں اپنے دل کو ——— عزت کے اس نازک دل کو جو ٹھکرا لئے جانے پر بھی محبت کرتا ہے۔ دوسرے کی کٹھورتا کو دیکھ کر بھی موہ نہیں چھوڑتا۔ گالی کا بھی پیار سے جواب دیتا ہے ——— اس نرم دل کو نکال پھینکوں گی اور اس کی جگہ توہین کا انتقام لینے والے۔ بے عزتی کا بدلہ لینے والے غضب ناک دل کو اپنا ہمسفر بنا لوں گی۔

(موتی کا داخلہ)

موتی: "اماں"

(جواہر اُٹھ کر بلائیں لیتی ہے)

موتی: "اماں۔ تم نے مجھے بلایا تھا"

(جواہر۔ دایاں ہاتھ اس کی کمر میں ڈالے
کوچ پر آ بیٹھتی ہے۔ موتی اس کے چہرے
کو دیکھتی ہے)

موتی۔ اماں۔

جواہر۔ موتی۔

موتی۔ تم نے مجھے بلایا تھا۔

جواہر۔ اگر کوئی میری توہین کرے ......؟

موتی۔ تمہاری توہین۔ اماں؟ کون کر سکتا ہے تمہاری توہین؟

(چہرہ غصہ سے تمتما جاتا ہے)

جواہر۔ موتی! اگر کوئی میری توہین کرے اور تم اس سے بدلہ لینے کی قوت رکھتی ہو تو کہو تم اپنی ماں کی بے عزتی کا بدلہ نہ لو گی؟

موتی۔ کیوں نہ لوں گی۔ مجھے بتاؤ کس نے تمہاری توہین کی ہے اور میں کیا کر سکتی ہوں؟

جواہر :۔ موتی سوچ لو چاہے وہ کوئی ہو تمہیں اس سے بدلہ لینا ہوگا۔ جیسے میں کہتی ہوں اسی طرح اس سے بدلہ لینا ہوگا۔ تبھی میری روح کو شانتی ملے گی۔ تبھی میرا دل ٹھنڈا ہوگا۔

موتی :۔ تم کہو اماں۔ مجھ میں زیادہ تاب نہیں۔ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ میں اس سے انتقام لوں گی۔

جواہر :۔ چاہے وہ نرنجن ہو۔

موتی :۔ نرنجن ——— !

جواہر :۔ ہاں نرنجن۔

موتی :۔ (ذرا جوش سے) تو میں اس سے بھی بدلہ لوں گی۔ اگر اس نے تمہاری توہین کی ہے تو میں اس سے بھی انتقام لوں گی۔

جواہر :۔ (خوشی سے بلائیں لیتی ہوئی) خدا تمہیں سلامت رکھے موتی۔ تمہیں جاودانی حسن عطا کرے موتی۔ تمہاری ہزار برس کی عمر ہو موتی۔ تم نے میری آتما کو ٹھنڈا کر دیا۔ ایک بار پھر وعدہ کرو موتی۔ ایک بار پھر وعدہ کرو۔ تم اپنی ماں کی توہین کا بدلہ لوگی اس نرنجن سے۔ اس حسین منحوس جلاد سے جس نے تمہاری ماں کو توہین کا نشانہ بنایا۔ جس نے اسے گالیاں دیں۔ جس نے اس کی اتنی بھی پروا نہ کی جتنی ایک تنکے کی کی جاتی ہے۔ جس نے اس جواہر کو پاؤں تلے ٹھکرا دیا ——— اس جواہر کو جو موتی

کی ماں ہے اس حور صفت موتی کی ماں ہے جس کے تیور پر بل پڑنے سے گھر کے گھر تہس نہس ہو سکتے ہیں۔ جس کی ایک مسکراہٹ سے دل کے کنول کھل سکتے ہیں۔ ہاں جس کے پھول سے رخسار پر ایک آنسو کا بہنا۔ عالم کو زیر و زبر کر سکتا ہے۔

موتی۔ (بے خودی میں) موتی کی ماں کی توہین! میں ضرور انتقام لوں گی۔ میں.........کوشش کروں گی۔

جواہر۔ کوشش! موتی کہو تم انتقام لو گی۔ یقینی طور پر انتقام لو گی۔ آخر تجھ میں کس بات کی کمی ہے۔ تمہارے حسن میں کشش نہیں کیا؟ تمہاری آنکھوں میں کیف نہیں کیا؟ تمہاری آواز میں جادو نہیں کیا؟ تمہاری چال میں قیامت نہیں کیا۔ سب کچھ ہے۔ سب کچھ ہے۔ دانہ بھی ہے دام بھی ہے۔ حور کے جیسی خوب صورت زلفوں کا اسے اسیر کر لو اور پھر خوش گفتاری کے دام میں اسے جکڑ لو۔ اور پھر.......

موتی۔ (فرش کے غالیچہ کی طرف دیکھتی ہوئی) "اور پھر"

جواہر۔ جب پنچھی دام میں پھنس جائے تو اس کے پر کاٹ کر اسے چھوڑ دو۔ پر کاٹ کر۔ ہاں سمجھیں موتی۔ پر کاٹ کر۔ پر نہ رہیں گے تو پرواز نہ رہیگی اور پرواز نہ رہے گی تو غرور نہ رہے گا۔ اور غرور نہ رہے گا۔ تو سر بلندی نہ رہے گی۔

موتی۔ (بے خودی میں) ہاں غرور نہ رہے گا تو سر بلندی نہ رہے گی۔

جواہر۔ یہ دولت کا ہی غرور ہے۔ جس سے اس کا سر بلند ہے دماغ عرش پر چڑھا ہوا ہے۔ غریب کا حسن ہی کیا۔ دولت کے پر کاٹ دو۔ حسن مٹی میں مل جائے گا۔ آج نرنجن غرور سے سر اٹھا کر چلتا ہے۔ کل اس کی آنکھیں زمین میں گڑی ہوں گی۔

موتی۔ (اسی طرح بے خودی میں) میں اس کی دولت کے پر کاٹ لوں گی۔

جواہر۔ پھر اسے دھتا بتا دینا۔ اسے اپنے دروازے سے نکلوا دینا۔ میں جب میں اسے بے سروسامانی کی حالت میں گلیوں کی خاک چھانتا دیکھوں گی تو موتی میرے دل کی دہکتی ہوئی جوالا شانت ہو جائے گی (بے خودی میں آہستہ آہستہ) اس نے میری پروانہ کی۔ میری ذرہ بھر بھی پروانہ کی۔ اس نے مجھے ٹھکرا دیا۔

موتی۔ (چونک کر) "ٹھکرا دیا" (باہر دستک کی آواز آتی ہے)

جواہر۔ ہاں ٹھکرا دیا۔ اور موتی تمہیں اس کا بدلہ لینا ہوگا۔ آج کل وہ تم پر بے طرح فدا ہے۔ تمہارے اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہے تو کیا اس پر بھی اسے قابو میں پاکر بدلہ نہ لو گی؟

موتی۔ (چلتے ہوئے) "تم کیسا بدلہ چاہتی ہو۔ اماں"

جواہر۔ (اٹھ کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے) بس اس کے پر کاٹ دو موتی۔

اس کی دولت چھین لو۔ اسے در در کے لئے محتاج کردو۔ اسے اپنی دولت کا۔ اپنی خوبصورتی کا جو غرور ہے وہ قائم نہ رہے۔

(موتی چلی جاتی ہے۔ جواہر پھر آ کر کوچ میں دھنس جاتی ہے)

جواہر۔ (اپنے آپ) مجھے تم سے محبت تھی نرنجن۔ ہاں محبّت تھی۔ طوائف کی محبّت دولت سے ہوتی ہے۔ وہ روپیہ کی پجارن ہوتی ہے اسکی الفت میں حقیقت نہیں ہوتی اس کی محبت میں اصلیّت نہیں ہوتی اس کے وعدے بے بنیاد ہوتے ہیں۔ اس کی میٹھی باتوں میں زہر ہوتا ہے۔ اس کے پیار میں عداوت ہوتی ہے۔ لیکن میں نے تم سے بیسوا کی محبت نہیں کی تھی۔ میرے دل میں پاپ نہیں تھا۔ میں نے تمہیں صرف عورت کا دل نذر کیا تھا۔ میں تمھاری دولت نہ چاہتی تھی۔ دولت کی میرے پاس کیا کمی ہے۔ میں صرف تمہاری محبت چاہتی تھی۔ تمھارے محبّت بھرے دو لفظوں کی متمنّی تھی۔ لیکن تمہیں تو اپنی دولت کا غرور ہے۔ اگر تم غریب ہوتے تو دیکھتی کہ تم کیسے میرے دروازے پر نہ آتے! میں کوئی بدصورت نہیں۔ اب بھی لوگ میرے پاؤں کے تلوے چاٹتے ہیں۔ لیکن تمہیں تو اپنے حسن کا۔ اپنی خوبصورتی کا۔ اپنے دھن کا۔ اپنی دولت اپنی عزت و عظمت کا غرور ہے۔ لیکن دیکھنا اسی جواہر

کی لڑکی تمہارا یہ غرور خاک میں ملا دے گی۔ تمہاری دولت چھین لے گی۔ تمہاری خوب صورتی چھین لے گی۔ تمہارا غرور چھین لے گی۔ اور پھر ایک دن تمہیں جواہر کے ہی قدموں پر لوٹنا ہوگا۔

(جلدی جلدی موتی کا داخلہ)

موتی: "اماں نرنجن آئے ہیں"

جواہر۔ تو تیار ہو جاؤ۔ اپنی بہترین رفیقہ شراب کو بھی تیار رکھو میں وکیل اور عرائض نویس کو بلاتی ہوں۔ آج اس کی تمام جائداد اپنے نام لکھا لینا۔ پہلے اسے شراب پلا دینا اتنی شراب کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھے اور پھر جب آئے تو اس طرح آئے کہ نہیں بلکہ تمہارے در کا میرے در کا محتاج بن کر آئے۔

موتی۔ اماں تم جاؤ۔ انہیں بلا کر یہاں بٹھاؤ۔ اور میں ابھی آتی ہوں۔

(جواہر جاتی ہے)

موتی۔ (اپنے آپ سے) اماں کہتی ہیں تجھ میں کس بات کی کمی ہے۔ تیرے پاس کیا نہیں؟ ہائے اماں تمہیں کیا بتاؤں۔ میرے پاس سب کچھ ہے حسن ہے۔ دل کشی ہے۔ ملاحت ہے۔ ناز و انداز ہے۔ عشوہ و غمزہ ہے۔ لیکن نہیں تو ایک ہی چیز نہیں۔ ایک ہی چیز نہیں اماں۔ میرا دل میرے قابو میں نہیں۔ میرا دل ہی میرے بس میں نہیں۔

(بیٹھ جاتی ہے)

اماں کہتی ہے نرنجن نے میری توہین کی۔ لیکن کیا توہین کی؟ نہیں بتایا پھر یہ آج ہی کیوں؟ کب سے وہ یہاں آتے ہیں۔ میں نے کبھی انہیں اماں سے نفرت کرتے نہ دیکھا۔ پھر انتقام کیسا۔ بدلہ کس کا؟ (سوچتی ہے) اوہ! کچھ نہیں کچھ نہیں۔ کوئی توہین نہیں۔ کوئی تنازعہ نہیں۔ اماں ——— تم صرف ان کی دولت چاہتی ہو۔ اور چاہتی ہو کہ میں اس فن میں مشاق ہو جاؤں۔ شاید تم نے میرے دل کی باتوں کو بھانپ لیا ہے۔ اسی لئے یہ بہانے ہیں۔ ماں تم نرنجن کی دولت چاہتی ہو۔ تمہیں لے دوں گی۔ تمہیں دولت مل جائے گی۔ (لمبا سانس بھر کر) ہائے طوائف دولت کے بغیر کسی سے الفت نہیں کر سکتی۔ آہ۔ کیا کسی کے بھولے بھالے دل کا اس کی دکان پہ کوئی مول نہیں؟!

(پاؤں کی چاپ کی آواز سنکر موتی جلدی سے
دائیں طرف کے دروازے میں پردے
کو اٹھا کر نکل جاتی ہے)

(سامنے دروازے سے جواہر اور نرنجن کا
داخلہ۔ نرنجن خوبصورت۔ دراز قد۔ گورا
چٹا۔ وجیہہ نوجوان ہے۔ آنکھوں میں بے حد

کشمش ہے۔ ایسا نوجوان جسے جو بھی دیکھے
محبت کرے۔ آکر بے پروائی کے عالم میں
کوچ پہ بیٹھ جاتا ہے)

جواہر:۔ نرنجن پیارے! تم بیٹھو موتی کو میں بتادوں گی۔ بس سنتے ہی سر کے بل دوڑی آئے گی۔ جانے تم نے اس پہ کیا جادو کر دیا ہے؟ جانے تم سب پہ کیا جادو کر دیتے ہو؟ جب سے اس نے تمہیں دیکھا ہے اپنی ہوش بھلا دی۔ نہ ٹھیک طرح کھاتی ہے۔ نہ ٹھیک طرح پہنتی ہے کچھ اکھڑی اکھڑی سی رہتی ہے۔ لیکن وہ خوش قسمت ہے (لمبا سانس لیتی ہے) نرنجن تم جانتے ہو وہ خوش قسمت ہے۔

(اسے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتی ہے اور
چلی جاتی ہے)

(نرنجن سگرٹ کے کش لگاتا ہے اور دھواں
چھوڑتا ہے۔ دروازے کی طرف دیکھتا ہے
پھر کش لگاتا ہے۔ اٹھتا ہے۔ سامنے دیوار
پہ ٹنگی ہوئی موتی کی ایک تصویر کے پاس جا کر
کھڑا ہو جاتا ہے)

نرنجن۔ موتی۔ موتی۔ جادو تم کرتی ہو یا میں؟ سحر کار تمہاری آنکھیں ہیں یا

میری؟

موتی۔ (دائیں پردہ سے داخل ہوتی ہے) یہ میری آنکھوں سے پوچھو۔

نرنجن۔ (مڑ کر) موتی!

موتی۔ نرنجن۔

(دونوں ایک لمحہ کے لئے ایک دوسرے کی
طرف دیکھتے ہیں پھر دونوں کی آنکھیں جھک
جاتی ہیں)

نرنجن۔ لمبا سانس لیتا ہے۔

موتی۔ لمبا سانس لیتی ہے۔

(دونوں کوچ پر بیٹھ جاتے ہیں)

نرنجن۔ ابھی تمہاری ماں کہہ رہی تھیں۔ تم نے موتی پہ جادو کر دیا ہے۔ وہ اپنی خوراک اور پوشاک کی طرف سے بے پرواہ ہو گئی ہے۔ موتی سچ کہنا میری طرف دیکھ کر کہنا میری آنکھوں نے تم پہ جادو کیا۔ یا تمہاری آنکھوں نے مجھ پر، بے پرواہ میں رہتا ہوں یا تم؟

موتی۔ تم کب بے پرواہ نہیں تھے۔ تمہارا یہ انداز کیا کم دل میں گھر کرتا ہے۔ لیکن میں اس طرح بے پرواہ نہ تھی۔ میں اپنی محبت کی وکالت نہیں کرتی۔

میں طوطوں کی طرح مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیتی۔ میری یہ بے پروائی بالکل نئی ہے۔ ان میں وہ جادو کہاں جو ان آنکھوں میں ہے۔ کاش وہ میری آنکھوں میں ہوتا تو میں تمہیں مسحور کرتی۔ تمہیں اپنے بس میں کر لیتی۔ اپنی آنکھوں میں بٹھا لیتی۔ اپنے دل میں چھپا لیتی۔

(خادمہ شیشے کی ٹرے میں اعلےٰ شراب اور
فواکہ وغیرہ سامان لاکر میز پر رکھ جاتی ہے
موتی اپنے ہاتھ سے شراب ساغر میں انڈیلتی

ہے۔)

نرنجن۔ موتی تم نے مجھے شراب پینے سے منع کیا تھا۔

موتی۔ ہاں کیا تھا۔ لیکن آج مجھے تمہارا امتحان لینا ہے اور شاید آج کے بعد تمہیں اس طرح شراب نہ ملے اس لئے پی لو۔

(نرنجن بے خودی کے ساتھ سگرٹ کو ایش
ٹرے میں پھینک کر پیتا ہے اور گاتا

ہے۔)

گانا

کیوں ان آنکھوں کے پیچھے
دنیا دیوانی ہوئی

کیوں ہوش بھلا دیتی ہے
اچھوں کو ان کی مستی

کیا چھپا ہوا ہے سجن
ان دو پلکوں کے اندر
اور بھرے ہوئے ہیں ان میں
مستی کے کون سمندر

تم ان اپنی آنکھوں سے
کیا یہ سب جان سکو گی
میری آنکھوں سے دیکھو
تو کچھ پہچان سکو گی

(موتی کی آنکھوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور پھر گاتا ہے)

تم ان اپنی آنکھوں سے
تم ان اپنی آنکھوں سے
تم ان اپنی آنکھوں سے
کیا یہ سب جان سکو گی

میری آنکھوں سے دیکھو
تو کچھ پہچان سکو گی

موتی ۔ (شراب انڈیلتے ہوئے مسکراتی ہے) اور اگر میں بھی بہی گاؤں۔ میں بھی یہی۔ کہوں۔

(پیگ پیش کرتی ہے)

نرنجن ۔ (پیگ کو ہٹا کر) موتی۔ بس۔ ورنہ میں ہوش حواس کھو بیٹھوں گا۔

موتی۔ اچھا ہے نرنجن تم ہوش کھو بیٹھو۔ ضرور تم ہوش کھو دو۔ مجھے آج تمہارا امتحان لینا ہے۔ اور شاید ہوش و حواس میں تم اس میں پورے نہ اترو۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تم اس میں ناکام رہو۔

(نرنجن موتی کی طرف دیکھتا ہے۔ وہاں سنجیدگی ہے۔ جوش سے اُٹھ کر کھڑا ہوتا ہے)

نرنجن ۔ تو موتی ابھی امتحان لو۔ میں فیل نہ ہوں گا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور یہ محبت محض ایک شخص کا جنسی رجحان نہیں۔ یہ آگ دل میں لگی ہوئی ہے۔ تمہارا خیال ہے تم کچھ کہو گی اور میں اپنے ہوش و حواس میں اسے پورا نہ کر دوں گا۔ تم نے مجھے کتنا غلط دیکھا۔ آہ کتنا خام سمجھا کہو تو میں یہ جان دے دوں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہے۔ لاؤ۔ زہر لاؤ۔ میں پی لوں گا۔ اور کیا چاہتی ہو۔

موتی ۔ (دھیر ہو کر) نرنجن بیٹھ جاؤ۔ نرنجن بیٹھ جاؤ۔ میں تمہاری محبت میں شبہ

نہیں کرتی۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم وہ کر سکو۔ میں خود یہ سب کچھ نہیں چاہتی۔ لیکن یہ ضروری ہے اگر تم نہ کر سکے؟

نرنجن۔ موتی کہو۔ زیادہ تمہید نہ باندھو۔ جو کچھ کہنا ہے۔ جلد کہو۔

موتی۔ دکھڑی ہو جاتی ہے! اماں میری قیمت مانگتی ہے۔

نرنجن۔ میں تمہارا جسم نہیں چاہتا۔ تمہاری ماں اسے شوق سے رکھے میں صرف تمہارا دل چاہتا ہوں۔ میں صرف تمہاری محبّت چاہتا ہوں۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے یاد رکھو۔ تم چاہے جو کرو۔ تم چاہے جس سے پیار کرو۔ لیکن مجھے بھی یاد رکھو۔ مجھے بھی بھول نہ جاؤ۔

موتی۔ نرنجن بیٹھ جاؤ! بیٹھ تو جاؤ۔

نرنجن۔ ہاں موتی۔ میری محبّت خود غرضی پر مبنی نہیں۔ وہ پاک ہے۔ وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ تم اسے اپنی یاد سے فراموش نہ کرو۔ بس وہ اتنا ہی چاہتی ہے۔ اس سے زیادہ دے دو تو تمہاری عنایت ہے اور جو وہ چاہتی ہے۔ اس کا سودا کیسا؟ کیا محبّت خریدی بھی جا سکتی ہے۔

موتی۔ نرنجن میں ایسا نہیں چاہتی۔ میں یہ نفرت انگیز پیشہ نہیں چاہتی۔ میں یہ قطعاً پسند نہیں کرتی۔ میں تو دل سے، جسم سے، جان سے تمہاری ہونا چاہتی ہوں۔ دل میرا ہے وہ تمہاری نذر ہے۔ رکھو۔ چاہے ٹھکرا دو۔ جسم بھی تمہاری نذر ہے۔ تمہیں یہ بھی لے لینا چاہیئے۔ ہاں اس کی

قیمت ادا کرنا پڑے گی ۔ رہی جان ۔ سو یہ جان بھی تمہاری ہے۔ تم لے سکتے ہو۔

نرنجن ۔ تو کہو میں کیا دوں ؟ بتلاؤ تمہاری اماں کیا چاہتی ہیں ؟!

موتی ۔ نرنجن بیٹھ جاؤ ۔

نرنجن ۔ پہلے کہو ۔ میں زیادہ انتظار کی تاب نہیں رکھتا ۔

موتی ۔ وہ تمہاری سب دولت لینا چاہتی ہیں ۔

(نرنجن کوچ میں دھنس جاتا ہے۔ موتی چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی ہے)

نرنجن ۔ (لمبا سانس لے کر) تو یوں ہی سہی مجھے منظور ہے ۔

موتی ۔ مجھے منظور نہیں نرنجن ۔ تمہیں دُکھ ہوتا ہے ۔ یوں ہی سہی میں اس جنّت میں رہ لوں گی اور تمہیں یاد کیا کروں گی ۔

(نرنجن ہنستا ہے)

موتی ۔ تم ہنستے ہو ۔

نرنجن ۔ مجھے ہنسی آتی ہے ۔ تم بالکل ایسے ہی کر رہی ہو ۔ جیسے دوسری بیسوائیں ۔ تم محبّت کو روپیہ سے تولتی ہو ۔ کون نہیں جانتا بیسوا سب روپیہ لوٹ کر بادشاہ کو فقیر بنا دیتی ہے ۔ لیکن تم نے اتنا اُلٹ پھیر کیا ہی کیوں ۔ اگر تم صاف طور پر کہہ دو مجھے تمہاری دولت چاہئیے تو کیا میں نہ دوں

وہ تمہاری۔ وہ تو تمہاری ہی ہے۔

موتی (روتی ہے) میں تمہاری دولت نہیں چاہتی۔

نرنجن۔ تو۔

موتی۔ اماں چاہتی ہیں۔

نرنجن۔ تو چلو۔ میں تمہاری اماں کے نام سب دولت لکھ دیتا ہوں۔ تمہیں میری طرف سے چھٹّی ہے۔ میں اس کے عوض تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ تم اگر یاد ہی رکھ سکو تو کافی ہے۔ ہاں موتی اتنا ہی کافی ہے تم دیکھ لینا۔ میں پھر بھی تمہاری ہی مورت کا پجاری بنا رہوں گا۔ اگرچہ میں جانتا ہوں میں یہاں نہ آسکوں گا۔ میں تمہاری صورت کو ترس جاؤں گا۔ لیکن میرے دل میں جو تمہاری مورت ہے۔ اس کی پرستش کرنے سے تو مجھے کوئی نہ روکے گا۔

موتی۔ (سسکتے ہوئے) نرنجن جانے دو۔ اس طرح نہیں ہوگا۔

نرنجن۔ تو کس طرح ہوگا؟

موتی۔ تمہیں دولت اماں کو دینی ہوگی۔ وہ اسکی بھوکی ہے۔ محبت مجھے دینی ہوگی۔ میں اس کی پجارن ہوں۔

نرنجن۔ موتی۔

موتی۔ خدا گواہ ہے۔

نرنجن ۔ تو آؤ ۔

موتی ۔ میں نہ جاؤں گی تم جاؤ ۔ ماں کے نام کاغذ لکھ دو اور میرے لئے ایک سادہ ساڑھی لے آنا ۔ یہ سب کپڑے یہ زیورات سب گناہ آلودہ ہیں مجھے نہیں چاہئیں میں ساتھ نہ لے جاؤں گی ۔

(نرنجن تیزی سے جاتا ہے)

موتی ۔ (اپنے آپ سے) آہ! تم مجھے غلط سمجھتے ہو نرنجن ۔ تم شبہ کرتے ہو ۔ تمہارا شک بجا ہے ۔ میں بیسوا ہوں ۔ لیکن تم دیکھ لوگے ۔ موتی سچّی ہے اور تمہارا شبہ غلط ہے ۔

(تیزی سے جاتی ہے)

(گلشن اور جواہر کا داخلہ)

گلشن ۔ ایک لاکھ کی جائداد ۔ بائی! موتی نے کس طرح بس میں کر رکھا ہے؟

جواہر ۔ (بے خودی میں) میں اسکی جائداد نہیں چاہتی ۔

گلشن ۔ آپ نے وکیل کو بلا رکھا تھا ۔ آپ کو کس طرح معلوم تھا کہ وہ آج لکھنے کو تیار ہو جائے گا ۔

جواہر ۔ میں جانتی تھی ۔ موتی کا ایک دفعہ کہنا کافی ہوگا ۔ (اپنے آپ سے) نرنجن کچھ دیر بعد تم میرے ہاتھ میں ہوگے ۔ میرے رحم پہ ۔

(کوچ پر بیٹھ جاتی ہے)

گلشن کچھ گاؤ۔ کوئی البیلا گیت گاؤ۔ جو دماغ سے تمام رنج و محن کو دور کر دے۔ تمام تفکّرات کو بھلا دے!!

گلشن۔ (حیرانی سے) تفکرات! رنج و محن!!

جواہر۔ (بیزاری سے) تمہیں نہیں معلوم میرے دل میں کتنا تلاطم برپا ہے کونسا طوفان اُمڈ رہا ہے۔ گاؤ۔ تم گاؤ۔ (بے خودی میں آہستہ سے) نرنجن۔ یہ قربانی میرے لئے نہیں کر رہا۔ موتی کے لئے کر رہا ہے۔ موتی۔ موتی۔ تم خوش قسمت ہو۔ مجھے تم پہ رشک آتا ہے (گلشن سے) گلشن گاؤ کچھ گاؤ۔ گلشن گاتی ہے۔

گانا

آ۔ اس دنیا کے اوپر۔ دنیا اک نئی بسائیں
جس میں غم اس دنیا کے۔ ہم کو نہ ستانے پائیں
ایسی دنیا جس میں دن مدہوشی میں بیتیں،
اس دنیا کے دکھوں کو جس دنیا میں ہم جیتیں
آ آ بس چھوڑیں ساجن۔ دن یوں ہی بیت چلے گا
ہم ہی چھوڑیں تو چھوڑیں۔ کب دکھ ہمیں چھوڑیگا

(جواہر ایک لمبا سانس لیکر اُٹھتی ہے)

جواہر۔ چلو گلشن۔

(دونوں آہستہ آہستہ جاتی ہیں)

(کچھ لمحے بعد نرنجن داخل ہوتا ہے)

نرنجن۔ (خلا میں ہی) لو یہ کاغذ ہے تم اسے لے لو۔ اور دیکھو تو تمہاری محبّت کا بھکاری دولت کو بالکل حقیر سمجھتا ہے۔ جانتا ہے۔ موتی۔ تم بیوپار کرتی ہو۔ تم سمجھتی ہو۔ میں دولت کی پرواکرتا ہوں۔ تمہارے بغیر دولت کیا ہستی رکھتی ہے۔ اور تم ساتھ ہو تو دولت کی کیا ہستی ہے۔

(جلدی جلدی کمرے میں گھومتا ہے)

(دائیں طرف کے دروازے سے موتی

آتی ہے)

موتی۔ تم آگئے نرنجن!

نرنجن۔ (چونک کر) ہاں یہ لو کاغذ۔ اپنی ماں کے پاس لے جاؤ اس کاغذ کے ذریعے میں نے تمام جائداد اس کے نام منتقل کر دی ہے۔ اس کی رجسٹری کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ میرا وکیل یہ سب کچھ بخوبی سرانجام دے گا۔

موتی۔ (ایک لمبا سانس لے کر) تم نے مجھے ایک بڑے بوجھ کے نیچے دبنے سے بچا لیا۔ (کاغذ لیتی ہے) اور وہ ساڑھی لائے۔ میں اسی وقت تمہارے ساتھ چلوں گی۔

نرنجن۔ (موتی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے) ابھی۔ اس کی ضرورت ہے۔ موتی؟

موتی۔ اس کے بغیر یہ کاغذ نہیں چاہیئے۔

نرنجن۔ میں وہ نہیں لایا۔

موتی۔ تو کیا تم چاہتے ہو کہ میں وہی سب کچھ کروں جو اماں چاہتی ہے۔ میں اپنے اس جسم کو جسے تم نے محبّت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ ہوس پرستوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دوں۔ میں ہنسوں۔ کیونکہ انہیں خوش کرنا ہے۔ ناز ونخرے کروں۔ کیونکہ ان کا دل پرچانا ہے۔ چاہے میرا دل روتا ہو۔ خون کے آنسو بہاتا ہو۔

نرنجن۔ اس کی طرف دیکھتا ہے۔

(موتی کی آنکھوں میں آنسو چھلملا آتے ہیں)

موتی۔ نرنجن مجھے یہ نہیں چاہیئے۔ اس کی اماں کو ضرورت ہے، مجھے تمہاری محبت چاہیئے۔ اور اگر تم مجھے وہ نہیں دیتے تو یہ بھی لے جاؤ۔ میں اماں کا کہا مان لوں گی۔ تمہیں تنگ نہ کروں گی۔

نرنجن۔ یہ ماتما جانتا ہے موتی۔ میں روپیہ تمہارے قدموں پر نچھاور کرتا ہوں میں چاہتا ہوں تمہیں تکلیف نہ ہو۔ تمہاری ماں کو روپیہ چاہیئے۔ وہ لے لے۔ لیکن تم مجھ غریب کے ساتھ مصیبت میں کیوں پڑو؟

موتی ۔ کیا تم مجھے لے جانا نہیں چاہتے ؟

نرنجن ۔ تم چلوگی ؟ !

موتی ۔ ابھی ۔ اسی وقت ۔

نرنجن ۔ غربت کا ۔ گمنامی کا مصیبت کا خیر مقدم کرنا ہوگا ؟ !

موتی ۔ میں تیار ہوں ۔

نرنجن ۔ (تیزی سے دروازے کی طرف جاتا ہوا) تو میں ابھی آیا ۔

موتی ۔ (آواز دیتی ہے) گلشن ۔ گلشن ۔

(خادمہ کا داخلہ)

موتی ۔ اماں کو بلا لاؤ ۔

(خادمہ جاتی ہے)

موتی ۔ (اپنے آپ) اماں ! تم نرنجن کی دولت چاہتی تھیں ۔ لو ۔ میں تمہیں دیتی ہوں ۔ اب وہ کنگال ہے ۔ محتاج ہے ۔ نادار ہے ۔ تمہاری خواہش پوری ہو ۔ ہاں ! میں اسے دروازے سے دھتکار نہ سکوں گی لیکن وہ یہاں آئے گا بھی نہیں ۔

(جواہر کا داخلہ)

جواہر ۔ موتی ۔

موتی ۔ (چونک کر) اماں ۔

جواہر۔ نرنجن کہاں گیا۔

موتی۔ (سُنی اَن سُنی ایک کر کے) تم نے ہی کہا تھا اماں اسکی دولت چھین لو۔
اس کے پر کاٹ دو۔ اسے محتاج بنا دو۔

جواہر۔ (خوش ہو کر) تو کیا سب کچھ طے ہو گیا؟

موتی۔ تم ہی کہتی تھیں تا کہ اسے دولت کا غرور ہے۔ اس کی دولت
چھین لو

جواہر۔ کیا سب کچھ لکھا گیا۔

موتی۔ ہاں یہ لو کاغذ۔ رجسٹری کا انتظام وہ کر دیں گے۔ اب نرنجن
کنگال ہے۔ نادار ہے۔ محتاج ہے۔ تمہاری توہین کا بدلہ لے لیا گیا۔

(جواہر بلائیں لیتی ہے
موتی کی آنکھوں میں آنسو جھلملا آتے ہیں
وہ پسینہ پونچھنے کے بہانے آنسو پونچھ لیتی
ہے۔ اور دروازے کی طرف بڑھتی ہے)

موتی۔ (گلشن سے) گلشن جاؤ۔ اگر نرنجن آئیں تو جو وہ لائیں میرے کمرے
میں پہنچا دینا۔

(چلی جاتی ہے)

جواہر۔ کاغذ کو دیکھتی ہے۔ اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی

ہے ۔ اور وہ کوچ پر بیٹھ جاتی ہے (اپنے آپ) نرنجن ۔ اب تم میرے رحم پہ ہو ۔ میں چاہوں تو تمہیں پھر سے لکھ پتی بنا سکتی ہوں ۔ میں چاہوں تو تمہیں خاک میں ملا سکتی ہوں ۔ میں چاہوں تو تمہیں در در کی بھیک منگا سکتی ہوں ۔ میں کیا چاہوں گی ۔ اس کا انحصار تم پہ ہوگا جاؤں آج پھر قسمت آزما کر دیکھوں ۔ ابھی شاید نرنجن آتا ہو ۔ آج میں سب سے بہتر پوشاک پہنوں گی ۔ اگر نرنجن نے میرا کہنا مانا تو لکھ پتی ہو جائے گا ۔ میں اپنا سب کچھ اسے دے دوں گی ۔ اگر نہ مانا تو دھکے دے کر مکان سے باہر نکال دوں گی ۔ ہاں دھکے دے کر مکان سے باہر کر دوں گی ۔

(کاغذ کو دو انگلیوں میں پکڑ کر لہراتی ہوئی باہر چلی جاتی ہے)

(نرنجن کپڑوں کا ایک لفافہ لئے ہوئے داخل ہوتا ہے)

(اس کے پیچھے گلشن آتی ہے)

گلشن ۔ بابو جی ، بابو جی !!

(نرنجن مڑتا ہے)

گلشن ۔ چھوٹی باٹی کے لئے کچھ لائے ؟

نرنجن ۔ (اسے لفافہ دیتا ہوا) یہ انہیں دے دو ۔

(گلشن لفافہ لے جاتی ہے ۔ نرنجن کمرے میں

گھومتا ہے سیٹی بجاتا ہے۔ گنگناتا ہے۔
"کیوں ان آنکھوں کے پیچھے" اور پھر سیٹی
بجاتا ہے)۔
(موتی داخل ہوتی ہے۔ سادہ ساڑی اور
بلوز میں ملبوس اور گہنوں اور پوشاک
سے محروم!)

موتی۔ چلو۔
نرنجن۔ موتی۔

(موتی اس کی طرف دیکھتی ہے)

نرنجن۔ یقین نہیں آتا۔
موتی۔ کس بات کا یقین نہیں آتا۔
نرنجن۔ کہ میں اتنا خوش قسمت ہوں موتی۔
موتی۔ میں تم سے زیادہ خوش قسمت ہوں نرنجن۔

(دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے چلتے ہیں)

نرنجن۔ موتی۔
موتی۔ نرنجن۔
نرنجن۔ موتی وہاں سکھ نہ ہوگا۔ عیش نہ ہوگا۔ آرام نہ ہوگا۔ گہنے کپڑے

نہ ہوں گے۔

موتی:۔ نہ ہو۔ وہاں تم تو ہو گے۔ تمہاری محبّت تو ہو گی۔ پاکیزہ زندگی تو ہو گی۔

نورنجین۔ تو چلو۔

موتی۔ دل و جان سے۔

(دونوں دروازے کی طرف بڑھتے ہیں گلشن داخل ہوتی ہے)

گلشن:۔ باجی! کہاں چلیں؟

موتی۔ کہیں نہیں۔ امّاں آئیں تو انہیں یہ لفافہ دے دینا۔

(بلوز کی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اسے دیتی ہے۔ دونوں دروازے سے نکل جاتے ہیں)

(بائیں دروازے سے جواہر بہترین کپڑوں میں ملبوس لیکن گھبرائی سی داخل ہوتی ہے)

جواہر۔ گلشن۔ گلشن! موتی کہاں گئی۔ یہ اس کے کمرے میں گہنے کپڑے کیوں بکھرے ہوئے ہیں؟

گلشن ۔ نرنجن بابو کے سامنے سیدھے۔ سادے کپڑے پہن کر چلی گئی ہے
اور تمہارے لئے خط دے گئی ہے۔

(جواہر خط لے کر جلدی جلدی پڑھتی ہے)

"پیاری اماں!

تمہیں دولت چاہیئے تھی۔ وہ تمہیں مل
گئی۔ میں محبّت چاہتی تھی۔ وہ میں نے
لے لی ہے۔ لہٰذا الوداع

موتی"

(جواہر کوچ کے کونے میں دھنس جاتی ہے۔ اور
انتہائی درد و کرب سے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر
دیتی ہے)

"کون کہتا ہے۔ میں دولت چاہتی تھی۔
میں تو نرنجن کو اس کی دولت واپس کرنے
آئی تھی۔ دولت! میں دولت نہیں
چاہتی"

(جیب سے جائداد کے انتقال کا کاغذ نکال کر پرزے پرزے
کر کے ہوا میں اُڑا دیتی ہے)

موتی! میں دولت نہیں چاہتی تھی۔ میں بھی محبّت چاہتی تھی۔ لیکن محبّت اب میری قسمت میں کہاں؟ آہ! اب وہ تمہاری قسمت میں ہے۔ مرجھائے پھول کو کون گلے لگائے۔ پژمردہ گلاب کو کون ہار میں پرونا گوارا کریگا۔

(ٹھنڈا سا سانس بھرتی ہے.... پھر اسی طرح
پاؤں پسار لیتی ہے۔ سر پیچھے دلیہار کے ساتھ
جا لگتا ہے۔ بایاں ہاتھ گود پہ آجاتا ہے اور
دایاں نیچے لٹک جاتا ہے)

(پردہ)

راسخ الاعتقاد

افراد

سٹیفن مُور - انڈر سیکرٹری - سر جان کا داماد اور کینتھرائن کا خاوند۔

سر جان - معتمد وزارت جنگ - کینتھرائن کا باپ -

ہوبرٹ - فوجی سپاہی - کینتھرائن کا بھائی -

میلنڈ پ } سر جان کے رشتہ دار -
ڈیوس }

کینتھرائن - سر جان کی دختر اور سٹیفن مور کی بیوی -

ہیلن - ہوبرٹ کی بیوی -

ملازم ہنری و ٹیبل - نرس - پیادہ - مجمع لڑکے لڑکیاں -

ملاح - پیشہ ور اور عوام الناس وغیرہ

ڈیوس۔ میں آپ سے متفق نہیں ہوں سٹیفن! قطعاً متفق نہیں!

سٹیفن مُور۔ مجھے اس کا سخت افسوس ہے۔

مینڈپ۔ ذرا اُس جنگ کو تو یاد کرو۔ جو ابھی حال ہی میں ختم ہوئی ہے۔
اقوامِ عالم میں سے مہذب ترین قوم نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ تمہیں فراموش
نہیں ہوا ہوگا سٹیفن؟

لیکن اُس وقت تم ایک پارٹی کے صرف ایک معمولی ممبر تھے۔ اور
اب ایک محکمہ کے سکرٹری ہو! تم اب اس جنگ کی کیسے مخالفت
کر سکتے ہو؟

مُور۔ میں اپنے ضمیر کی آواز کی ضرور پیروی کرونگا مینڈپ!

مینڈپ۔ میرے دوست اس قسم کے ناقابلِ عمل تخیّلات کی دنیا سے
باہر قدم رکھ کر دیکھو!

ڈیوس۔ ہماری حکومت اس وقت ایک وحشی غیر متمدّن اور خونخوار قوم
سے برسرِ پیکار ہے۔ اور ایسی خونخوار قوم کے معاملہ میں اس قسم کے اعلےٰ
فلسفیانہ جذبات کی مجھے تو کوئی گنجائش نظر نہیں آتی!

مُور۔ تم بھول رہے ہو ڈیوس۔ ان کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے!

مینڈپ۔ مجھے تو اس میں بھی شبہ ہی ہے!

ڈیوس۔ وہ غدار اور بدعہد ثابت ہوئے ہیں۔ اس لئے ہمیں ان کو ان کی

اس غدّاری کی سزا دینے کا یقیناً حق ہے۔

مُور۔ اگر میں اپنے سے کسی کمزور شخص کے منہ پر طمانچہ ماردوں اور وہ بھی اُس کے جواب میں مجھ پر ہاتھ اُٹھائے۔ تو کیا مجھے پھر بھی اُسے اس کی اس جرأت کی سزا دینے کا حق پہنچتا ہے؟

سرجان۔ لیکن ہم نے اس جنگ کو شروع نہیں کیا۔

مُور۔ کیا فرمایا؟ کیا ہمارے تاجر اور ہمارے مبلّغین وہاں نہیں موجود تھے؟

ڈلوس۔ تعجب انگیز امر ہے! اگر ان وحشیوں کو ہم انسانیتؔ اور تہذیب و تمدّن کا سبق بھی سکھانا چاہیں تو بھی وہ ہم سے قتل و غارت گری کے ساتھ ہی پیش آئیں؟ کیا نہیں ہمارے دو مبلغوں کے وحشیانہ قتل کی واردات بھی فراموش ہو چکی ہے؟

سرجان۔ بے شک! غریب پادری اور اس کی بیوی نے اُن کا کیا بگاڑا تھا؟

مُور۔ وہ اُن میں قبائل کی مرضی کے خلاف اور خود اپنے ارادے سے گئے تھے؟

کسی نے اُن کو وہاں بُلایا نہیں تھا۔ اور پھر تمام قوم کو اس قسم کے چند غیر ذمہ دار اور خودسر افراد کی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے کیا سروکار اور واسطہ ہو سکتا ہے؟

سر جان۔ ہم اپنے جگر گوشوں اور اپنے عزیزوں کا اس بے رحمی سے ملیا میٹ ہو جانا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ ان خونی حرکات کو اب گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

ڈبوس۔ کیا ہماری حکومت ان وحشیوں کے لئے رحمت و برکات کا باعث نہیں سٹیفن؟

مُور۔ بعض جگہ! لیکن میں پوری ذمہ داری اور انتہائی دیانت داری سے اس بات سے انکار کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کہ ہماری حکومت ان اقوام کے لئے رحمت کا باعث ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ قوم جو ہم سے اتنی ہی مختلف ہے۔ جتنی کہ روشنی تاریکی سے اور نور ظلمت سے مختلف ہے۔ صرف رنگ میں ہی نہیں بلکہ احساسات اور جذبات میں بھی! اور پھر اس کا مذہب بھی ہم سے مختلف ہے۔ قطعاً مختلف۔ اس کے علاوہ ہمارا طریق سیاست و جہاں بانی ان کے قدرتی جذبات و احساسات کو بالکل برباد کر دیتا ہے!

ڈبوس۔ میں تمہارے اس نقطۂ نگاہ سے متفق نہیں ہوں۔

مینیڈپ۔ سٹیفن ذرا اپنے اس نئے فلسفہ پر غور کرو۔ اگر اس پر عمل کیا گیا۔ تو پھر ساری دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے گا! تمہارے اس فلسفہ سے جمود کی بو آرہی ہے۔ اقوامِ عالم ساکن چٹانیں نہیں ہیں۔ جو ایک

دوسری کو اپنے حال پر چھوڑ دیں گی۔

مُور۔ بڑی اور طاقت ور قومیں چھوٹی اور کمزور اقوام کو ان کے حال پر چھوڑ سکتی ہیں!

مینڈرپ۔ اگر وہ ایسا کریں۔ تو پھر بڑی کس طرح رہ سکتی ہیں؟ میرے عزیز دوست ہم جانتے ہیں۔ کہ کمزور اقوام کی حمایت کا جنون تمہارے سر پر سوار ہے لیکن تمہاری حکمانہ ذمہ داری تمہیں سیدھا کر دے گی۔

سرجان۔ میں پورے پچاس سال نصف صدی سے اپنے ملک کی خدمات بجا لا رہا ہوں۔ اور میں اس طویل تجربہ کی بنا پر دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہمارا ملک اس دفعہ بھی غلطی پر نہیں ہے۔

مُور۔ مجھے اُمید ہے کہ میں پورے پچاس سال تک اپنے ملک کی خدمت کر سکوں گا۔ اور اس لئے میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہمارا ملک اس معاملہ میں سراسر غلطی پر ہے سرجان!

مینڈرپ۔ لیکن سٹیفن ایسے مواقع بھی تو ہوتے ہیں جب اس قسم کی باتیں کہنا نازیبا ہوتا ہے؟

مُور۔ لیکن مینڈرپ میں یہ باتیں آج ضرور کہونگا۔

مینڈرپ۔ دارُالعوام میں؟

مُور۔ (سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیتا ہے)

کینتھرائن یسٹفن ؟

مینڈپ ۔ مسٹر مور ۔ تم اپنے خاوند کو سمجھاؤ ۔ یہ تو سراسر دیوانگی اور حماقت ہے ۔

مور ۔ (کھڑا ہوتے ہوئے) کل یہی بات تم لوگوں سے بھی کہہ سکتے ہو مینڈپ !

مینڈپ ۔ سیاسی دیوانگی ۔ کوئی دوسرا آدمی تمہارے سوا ۔ عین آخیر وقت پر ۔ اس قسم کی مجنونانہ حماقت کا مرتکب نہیں ہو سکتا ۔

مور ۔ میں نے اپنے جذبات کو کسی سے پوشیدہ نہیں رکھا ۔ میں اس جنگ کے خلاف ہوں ۔ اور اس ملک کے الحاق کے قطعاً خلاف ! کیونکہ سب جانتے ہیں ۔ کہ اس جنگ کا یہی نتیجہ ہوگا !

مینڈپ ۔ میرے عزیز دوست اس قسم کی حرکات سے کیا فائدہ ؟ کیونکہ اس چوبیس گھنٹہ کے قلیل عرصہ میں جنگ شروع ہو جائیگی ۔ اور تم کسی طرح بھی اسے نہیں روک سکو گے !

ہیلن ۔ قطعاً نہیں !

مینڈپ ۔ میرا بھی خیال ہے مسٹر ہوبرٹ !

سر جان ۔ مجھے اس بارے میں ذرہ بھر بھی شک نہیں ہیلن !

مینڈپ ۔ (مور سے) کیا تم اس خوفناک لمبب کو نیچی دکھانے سے باز نہ

نہیں رہ سکتے ؟

مُور ۔ (انکار میں سر ہلا دیتا ہے)

مبنڈپ ۔ شاباش میرے جوان!

مُور ۔ میں کسی شہرت کی طمع میں ایسا نہیں کہہ رہا ہوں ۔

مبنڈپ ۔ لیکن تمہاری شہرت تو ہو ہی جائے گی!

مُور ۔ صداقت سے انحراف نہیں کیا جا سکتا! خواہ یہ خطرہ بھی کیوں نہ ہو!

سر جان ۔ یہ صداقت نہیں ہے ۔

ڈیوس ۔ (گفتگو کو اصل معاملہ کی طرف لانے کی کوشش کرتے ہوئے) میرے عزیز دوست سٹیفن! اگر تم حق پر بھی ہو ۔ جس سے مجھے انکار ہے ۔ تو اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے ۔ جہاں پہنچکر افراد کے ضمیر کو قوم کی متفقہ آواز کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے ۔ اور یہ اس وقت قومی عزت و ذلّت کا سوال ہو گیا ہے!

سر جان ۔ بہت خوب جیمز بہت خوب!!

مُور ۔ اقوام اپنی عزت کے معاملہ میں خود بہترین منصف قرار نہیں دی جا سکتیں ڈیوس!

ڈیوس ۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا!

مُور ۔ بے شک نہیں سمجھو گے! کیونکہ حقیقت نہایت ہی تلخ ہوتی ہے ۔

کینتھر الٹن ۔ ڈبوس کو خاموش کرنے کی غرض سے) اچھا جیمز مہربانی!

(مور اُسے بغور دیکھنا شروع کر دیتا ہے)

سرجان ۔ تم اپنے آپ کو اس قسم کے دیوانے فلسفیوں کا رہبر بنا کر خود کو تباہ و برباد اور مجھے قوم کی نظروں میں رسوا اور ذلیل کرنا چاہتے ہو! کہ تم میرے داماد ہو؟

مور ۔ تو پھر کیا ہر شخص کو وہی عقیدہ رکھنا چاہیئے جو عوام الناس کو پسند خاطر ہو؟ آپ اکثر خطرناک موقعوں پر گولیوں کی بارش میں اپنے عقیدے پر قائم رہے ہیں سرجان؟

سرجان ۔ بے شک! لیکن اپنے ملک کے لئے! تمہاری تقریریں اس کے برعکس دشمن اور حاسد ممالک کے پریس میں شائع ہونگی۔ اور ان کو وہ خود ہمارے خلاف استعمال کرینگے! ہماری خطا اور جرائم کے ثبوت میں ان کو اقوام عالم کے سامنے پیش کریں گے۔

مور ۔ آپ اِسے جُرم سمجھتے ہیں؟

سرجان ۔ قطعاً نہیں!

ڈبوس ۔ اصل میں معاملہ نہایت نازک ہو گیا ہے ۔ اس حالت کو اب زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا جا سکتا کینتھر ائین آؤ ۔ اور اب ہماری امداد کرو۔

مُور۔ حق ہو یا ناحق مادرِ وطن کے ساتھ ہوں۔ مجرم سہی پھر بھی میرا ملک ہے۔ اس پر تمہارا عمل ہے سب کا!

میبنڈپ۔ یہ تو محض طعنہ زنی ہے (کیتھرائن کھڑی ہو جاتی ہے اور ڈیوس بھی)

ڈیوس۔ (آہستہ سے) خدا جس کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے پہلے اس کی عقل سلب کر لیتا ہے!

سرجان۔ دشمنِ ملک و ملت۔ عدو وطن!

مُور۔ ظلم اور ظالموں سے میرا کوئی تعلق نہیں!

کیتھرائن۔ والد بھی ظلم کے حامی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ہم میں سے کوئی بھی شخص!

(ہوبرٹ جولین ایک قد آور سپاہی منش جوان داخل ہوتا ہے۔)

ہوبرٹ۔ ہیلن! (وہ اُٹھ کر اس کے نزدیک چلی جاتی ہے اور دروازہ کے قریب دونوں کچھ باتیں کرتے رہتے ہیں)

سرجان۔ برائے خدا یہ تو بتاؤ تمہارا مقصد اس سے ہے کیا؟ اب تک ہم نے بڑی حد تک تمہاری رعایت کی ہے!

مُور۔ سرجان! میرا مقصد یہ ہے۔ کہ ہمیں............بڑی قوموں کو... ...قلیل التعداد اور کمزور اقوام کے معاملہ میں اپنے موجودہ رویہ کو تبدیل کرنا چاہیے! کتے.........اونٹے ترین مخلوق.........!اسباب ہیں

اب ہمیں سبق دے سکتے ہیں! ایک بڑے اور طاقتور کُتے اور ایک چھوٹے کُتے کے تعلقات پر غور کرو!

مینڈیپ - انسانی معاملات اتنے اونے سادہ اور سلجھے ہوئے نہیں ہیں!

مُور - مینڈیپ کوئی وجہ نہیں ہے، کہ شجاعت اور اخلاق کے قوانین صرف کتوں کے لئے ہوں - لیکن اقوامِ عالم کو ان سے مستثنیٰ خیال کیا جائے؟

مینڈیپ - عزیزم کیا تم تمام قوم کے معتوب ہو کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہو؟ اور ایک ایسے مقصد کی حمایت کرنا چاہتے ہو جس کا ملک میں کوئی بھی ہوشمند شخص حامی نہیں؟

مُور - یہ وہ اصول نہیں جس کا ملک بھر میں کوئی بھی حامی نہ ہو!

مینڈیپ - غلط یا صحیح یہ تو ہوئی ایک دوسری بات - لیکن یہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے - کہ کوئی دوسرا آدمی اس اصول کا حامی نہیں ہے! حب الوطنی کا جذبہ جس قدر جمہور.......عوام الناس.......کو آج اپنا گرویدہ کر چکا ہے - آج سے پیشتر تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی! جمہور سے ڈرو - عوام الناس کو نظر انداز نہ کرو! بھول نہ جاؤ -

مُور - کیونکہ عوام الناس کے جذبات میرے جذبات سے مختلف ہیں - اس لئے مجھے ——— قائد کو ——— ایک پبلک رہنما کو ——— اُن سے ڈر کر اپنے

معتقدات کا انکار کر دینا چاہیئے؟

بات یہ ہے۔ کہ میرا مسلک غلط ہے یا صحیح بلکہ اس کے برعکس بات یہ ہے کہ میں اپنے ایمان و یقین کو محض اس لئے ترک کر دوں۔ پوشیدہ کر لوں۔ کہ عامتہ الناس اُسے پسند نہیں کرتے!

ڈیوس۔ مجھے افسوس ہے۔ لیکن اب مزید بحث بے سود ہے! اچھا میں چلتا ہوں۔ گڈ نائٹ۔

عزیزم! آہ ہوبرٹ؟ (ہوبرٹ سے ہاتھ ملاتا ہے) میں تمہاری طرف سے ہو کر جا رہا ہوں۔ کیا تم یہاں کچھ دیر ٹھہرو گے؟ شکریہ مُور۔ گڈ نائٹ مسز مُور۔ اب بھی ان کو منع کر دو۔ یہ بہت ہی بُری بات ہو گی۔ (وہ چلا جاتا ہے۔ کیتھرائن ہیلن کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ ہوبرٹ تنہا کھڑا رہ جاتا ہے۔)

سر جان۔ سٹیفن میں جانتا تھا۔ کہ تم اکثر معاملات میں انتہا پسند ہو۔ لیکن یہ نہیں جانتا تھا۔ کہ میری کیتھرائن کا خاوند امن کا خریدار ہے۔ خواہ وہ کسی قیمت پر بھی ملے!

مور۔ میں ہر قیمت پر امن کا خریدار نہیں ہوں۔ لیکن میں صرف اُس سے طاقت آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔ جو میری ٹکر کا ہو۔

سر جان۔ میں خداوند تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں۔ کہ اس تقریب کی حماقت کرنے

سے پیشتر ہی وہ تمہارے دماغ کی اصلاح کر دے۔ اب میں دفتر جنگ کو واپس
جاتا ہوں۔ گڈ نائٹ ہوبرٹ!

ہوبرٹ۔ گڈ نائٹ اباجی! (سر جان چلا جاتا ہے۔ ہوبرٹ بے حس و حرکت اور
افسردہ خاطر کھڑا رہتا ہے) ہمیں احکام مل چکے ہیں!

مور۔ کیا اس وقت تیاری ہے؟

ہوبرٹ۔ فوراً

مور۔ آہ غریب ہیلن!

ہوبرٹ۔ شادی کو ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا۔ بدقسمتی (مور اس کا ہاتھ
ہمدردی سے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے) خیر! اب ہمیں جذبات پر قابو
پالینا چاہیئے۔ سٹیفن ادھر دیکھو اس تقریب کو جانے دو۔ کیفراٹن کا خیال
کرو۔ اباجی وزارت جنگ کے معتمد ہیں۔ میں خود محاذ جنگ پر جا رہا ہوں۔
ریلیف اور جارج پہلے ہی وہاں ہیں!
جب تمہیں ایک بات کا خبط شروع ہو جاتا ہے۔ تو پھر تمہاری زبان
قابو میں نہیں رہتی!

مور۔ ہوبرٹ یہ میرا فرض ہے!

ہوبرٹ۔ نہیں! نہیں آج کی رات۔ صرف آج کی رات چپ رہو۔ اگلے چند
گھنٹوں میں جنگ شروع ہو جائے گی۔ (مور اس کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے)

اگر تمہیں اپنی عزت و شہرت کا فکر نہیں۔ تو کیتھرائن کے دل کے ٹکڑے تو نہ کرو۔

مُور۔ تم اپنے فرض کو اپنی بیوی کی محبت کی خاطر ترک نہیں کر رہے ہو؟

ہوبرٹ۔ خیر اگر تم اندھے کنویں میں گرنا ہی چاہتے ہو۔ تو تمہاری مرضی۔ یہ پھولوں کی سیج ثابت نہیں ہوگی! اس لئے خطرات سے دوچار ہونے کے لئے تیار رہو! اگر ہماری فوج کے ایک دو دستے بھی دشمنوں کے پہاڑوں میں گھر کر تباہ ہوگئے تو عوام الناس کے جذبات کا تماشا پھر تم دیکھ لینا۔ ملک بڑا خطرناک ہے۔ اُن کے پاس بھی کچھ نئے ہتھیار اور سامان حرب موجود ہے۔

یوں بھی وہ اچھے سپاہی اور جنگجو ہیں۔ اس لئے سٹیفن تم اس بات کو جانے دو!

مُور۔ ہوبرٹ ایسے مواقع بھی ہوتے ضرور ہیں۔ جہاں خطرات سے دوچار ہونے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں رہ جاتا میرے پیشے میں بھی...... (اس وقت کیتھرائن اندر داخل ہوتی ہے)

ہوبرٹ۔ لیکن میرے عزیز بھائی یہ سب بے سود ہے! قطعاً بے سود! (اپنی بہن کو اشارہ کر کے چلا جاتا ہے)

کیتھرائن۔ سٹیفن کیا تم واقعی یہ تقریر کرنا چاہتے ہو؟ میں تمہیں سے پوچھنی

ہوں۔ (وہ سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیتا ہے)

مُور۔ تمہیں میرے جذبات کا علم ہے!

کیتھرائن۔ لیکن یہ ہمارا ملک ہے۔ ہمارا اپنا ملک۔ ہم اس سے کسی حالت میں بھی جُدا نہیں ہو سکتے! اور نہ تم اس جنگ کو بند کرا سکتے ہو! لوگ تم سے نفرت کریں گے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتی!

مور۔ میری جان! کسی کو تو اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیئے؟ دو تین ابتدائی شکستیں تو ضرور ہی ہو کر رہیں گی۔ اور پھر تمام ملک پر دیوانگی اور جنون طاری ہو جائے گا! اس کے بعد ایک اور کمزور قوم صفحۂ دنیا سے مٹ جائے گی!

کیتھرائن۔ اگر تمہیں اپنے ملک سے محبّت ہے۔ تو تمہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ تمہارا ملک جس قدر زیادہ طاقتور ہو گا اتنا ہی دنیا کے لیے بہتری کا باعث ہو گا۔

مور۔ کیا یہ ہی تمہارا عقیدہ ہے۔

کیتھرائن۔ ہاں! یہ ہی!

مور۔ میں اس عقیدے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں! اسے سمجھتا بھی ہوں! لیکن میں اسے صحیح تسلیم کرنے یا اختیار کرنے سے معذور ہوں!

کیتھرائن۔ لیکن سٹیفن تمہاری تقریر یہ اپنے ملک کے خلاف تمام مفسد عناصر کو ایک

مرکز پر لے آئے گی۔ وہ تمہیں تو ہاتھوں ہاتھ لیں گے! (مور مسکراتا ہے)
یقیناً ایسا ہی کریں گے۔ پھر وزارت میں تمہارے لئے کوئی موقع باقی
نہیں رہ جائے گا۔ اور تمہیں اپنی موجودہ جگہ سے بھی مستعفی ہونا
پڑے گا۔

مور۔ کتے بھونکتے ہی رہتے ہیں اور قافلہ چل دیتا ہے!

کیتھرائن۔ نہیں! نہیں! اگر تم ایک دفعہ ایک بات شروع کر بیٹھو۔ تو
پھر اس کو چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتے ہو! اور پھر اس بات کا
فائدہ آخر؟

مور۔ تاریخ میں یہ الفاظ تو تحریر نہیں ہوں گے۔ "اور انہوں نے یہ ظلم
اس حالت میں کیا۔ کہ تمام ملک میں سے ایک آواز بھی اس کے خلاف
سنائی نہیں دی"

کیتھرائن۔ اس کے لئے اور بہت سے ہیں جو......

مور۔ شاعر؟

کیتھرائن۔ کیا تمہیں ہمارے ماہِ عسل کا وہ دن یاد ہے۔ جب تم اوندھے
منہ سبزہ زار پر پڑے تھے "کتنا پُر لطف اور خوشگوار ہے یہ" تم نے
کہا تھا۔ بلبل ہزار داستان ایک شاہ بلوط کے درخت کی شاخ پر جھوم
جھوم کر اپنا راگ الاپ رہی تھی؛ دیوانی ہو رہی تھی گویا! "میرا دل

نشاط و مسرت سے مخمور ہے" تم کہتے تھے! پہاڑیاں نیلگوں رنگ میں کتنی بھلی معلوم ہوتی تھیں! ان ہی کی یاد میں آج بھی ہمارے مکان میں نیلا رنگ ہر طرف نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے ملک کا قدرتی رنگ ہے پھر کیا تمہیں اپنے اس وطن سے محبت نہیں ہے؟ ضرور ہے!

مور۔ ہاں! محبت کیوں نہیں؟

کینتھرائن۔ کیا یہ سب باتیں میرا دل خوش کرنے کے لئے کہی گئی تھیں؟

مور۔ یہ تو تم اس وقت دریافت کر لیتیں کینتھرائن!

کینتھرائن۔ بے شک! بے شک! یہ ہمارا ملک ہے! ہمارا زاد بوم ہے! سٹیفن! غور کرو۔ تمہارے اس فعل کا مجھ پر کیا اثر پڑے گا؟ جبکہ ہوبرٹ میرا بھائی حقیقی ماں جایا بھائی اور دیگر اعزّہ میدان جنگ میں موجود ہیں! غریب ہیلن اور میرا باپ آہ! میں تم سے التدعا کرتی ہوں بھیک مانگتی ہوں یہ تقریر نہ کرو!

مور۔ کینتھرائن! کینتھرائن!! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ کیا تم چاہتی ہو۔ کہ میں اپنے عقیدے سے پھر کر خود اپنی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو جاؤں؟

کینتھرائن۔ (جلدی سے) مجھے محسوس ہو رہا ہے۔ کہ اب بھی تم اپنی اس تقریر کی وجہ سے دنیا کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو رہے ہو! (اپنے الفاظ پر خود خوف سے سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے) میں تم سے التجا

کرتی ہوں۔ کہ اس بات کو چھوڑ دو! جانے دو!

(وہ کچھ جواب نہیں دیتا کیتھرائن چلی جاتی

ہے)

مور۔ (خود بخود) حقیر و ذلیل! (وہ اپنی تقریر کے تیار کردہ نوٹوں کو پھاڑ دینا چاہتا ہے۔ پھر اس کا ارادہ بدل جاتا ہے۔ ان کو ہاتھوں میں اونہی بدلتا رہتا ہے اس کے ہونٹ ہلنے شروع ہو جاتے ہیں رفتہ رفتہ اس کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں اس کی تقریر صاف سنائی دینے لگتی ہے۔)

"ان پُر فخر خطابات میں جو خود ہم نے اپنے ملک و قوم کے لئے منتخب کئے ہیں یہ "آزادی کے حامی" یا "ظلم کے دشمن" بھی۔ کیا اب ہم اپنے فخر، افتخار اور اپنی شاندار روایات سے دست بردار ہو چکے ہیں؟ کیا ہماری یہ عظمت و شان اس حقیر ترین قربانی کی مستحق بھی نہیں کہ ہم اسکی قبر پر ایک اور پتھر رکھنے سے باز رہ جائیں؟

بہتر ہو گا۔ کہ ہم اپنی قومی حماقت کے اس منظر کو تاریخ کے روشن اور غیر جانبدار صفحات میں جگہ دینے سے اب بھی پرہیز کریں۔ ہم اس وقت اپنے ارادے اپنی عزیمت اور اپنی حکومت کے ناروا اور بھاری بوجھ کو ایک ایسی قوم کے سر پر مسلّط کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ جو آج کے دن

تک آزاد اور غیر محدود فضا میں آزادی کا سانس لیتی رہی ہے۔ جو اپنے وطن۔ اس کی مقدس آزادی اور خود مختاری سے اتنی ہی محبت کرتی رہی ہے۔ جتنی کہ ہم خود کرتے چلے آئے ہیں۔

اس لئے اس قسم کی جنگ خواہ بحالاتِ موجودہ کتنی ہی ضروری اور معقول کیوں نہ نظر آتی ہو حقیقت میں نہایت ہی بُری اور قطعاً ناروا ہوگی!

انسانیتِ عظمیٰ کا قلب و جگر ہمیشہ سے کمزور و ضعیف کے لئے فغاں کرتا رہا ہے۔ اور ہم انسانیت کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی اس جنگ میں کر رہے ہیں۔ تہذیب و تمدّن اور عدل و انصاف کے نام سے ہم اس جنگ کو شروع کریں گے۔ لیکن بعد میں آنے والی نسلیں ہمارے افعال و اعمال کو یقیناً عدل و انصاف سے جانچیں گی۔ اور تہذیب و تمدّن کے مسلمہ اصول و قوانین کی رو سے ہی ہم پر لعنت بھیجیں گی۔"

(چلا جاتا ہے)

(کیتھرائن داخل ہوتی ہے۔ سٹیل ہانپتا ہوا بھاگا آرہا ہے اُس کا سانس اُکھڑ رہا ہے)

سٹیبل۔ کیا۔۔۔۔۔۔ مسٹر۔۔۔۔۔۔ مور۔۔۔۔۔۔ آگئے۔۔۔۔۔۔ ہیں؟ واپس؟

کیتھرائن ۔ نہیں! کیوں؟ کیا انہوں نے تقریر کی تھی؟

سٹیبل ۔ ہاں!

کیتھرائن ۔ خلاف؟

سٹیبل ۔ ہاں خلاف! (ابھی تک اس کا سانس اکھڑ رہا ہے) ہم یہاں ہی تھے ۔ لیکن وہ یہاں سے خاموشی کے ساتھ کھسک گئے اور سیدھے دارالعلوم میں پہنچے ۔ میں اُن کے تعاقب میں دوڑا ہوا گیا ۔ لیکن جب میں وہاں گیلری میں پہنچا تو وہ کھڑے ہوئے تقریر کر رہے تھے! شاید ان کو پہلے ہی سے کچھ ایسی اُمید تھی ۔ کیونکہ اتنی خاموشی آج سے پہلے ہال میں کبھی طاری نہیں ہوئی تھی! اُن کا ہر ایک لفظ تیر و نشتر تھا ۔ بے پناہ نشتر! چند ان کے حامی تھے ۔ لیکن جذبات کی رو اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی تھی ۔ اور حاضرین اُن کے خلاف بھڑک رہے تھے ۔ بشیری نے اُن کے خلاف پہل کی اور پھر تو وہ آگ لگی ۔ کہ توبہ ہی بھلی ۔ لیکن انہوں نے اس کی مطلق پروا نہیں کی ۔ ان کی خاموشی ۔ سکون اور اطمینان کی حالت سے سب متاثر نظر آئے لیکن جذبات کا بے پناہ طوفان! خدا کی پناہ میں نے اس سے پیشتر کبھی اس کی مثال نہیں دیکھی تھی! تمام ہال میں اشاروں ہی اشاروں میں یہ گفتگو ہو چکی تھی ۔ کہ جنگ شروع ہو چکی ہے ۔ اس حماقت کے کیا معنی ۔ آخر وہ

بھی پھوٹ پڑے اور پھر تو باقاعدہ ہاتھا پائی شروع ہوگئی۔ وہ ان کو جان سے مار دینے پر تُلے ہوئے تھے۔ ایک ظالم نے ان کو نیچے بھی گھسیٹ لیا تھا۔ لیکن ایک جھٹکے میں اُنھوں نے اپنے آپ کو آزاد کر لیا پھر وہ قطعاً خاموش ہوگئے اور یک لخت باہر نکل آئے جس سے تمام شور و غل دفعتاً بند ہوگیا! اس تمام کارروائی میں پانچ منٹ سے زیادہ وقت صرف نہیں ہوا۔ یہ تمام نظارہ نہایت ہی تعجب انگیز تھا۔ ہر شخص غیظ و غضب کی حالت میں اور بپھرا ہوا تھا۔ لیکن وہ صرف وہ اتنے۔ ساکن اور مطمئن تھے مسٹر مور!

(مور داخل ہوتا ہے)

کینتھرائن۔ اب تو آپ کے ضمیر کو اطمینان حاصل ہوگیا ہے؟ مجھے معلوم نہیں تھا۔ کہ آپ ہمیں یوں تباہ و برباد کر کے چھوڑیں گے! (مور کچھ جواب نہیں دیتا۔ کینتھرائن اُس کے قریب آجاتی ہے)

سیٹفن میں تو ہر حالت میں اپنے ملک کے ساتھ ہوں! میں تمہیں آگاہ کئے دیتی ہوں!

(اس وقت ایک چپراسی کمرے میں داخل ہوتا ہے)

چپراسی۔ عالی جناب یہ رُقعات ہیں آپ کے نام، ممبران پارلیمنٹ

کی طرف سے!

کیتھرائن۔ (لفافوں کو ہاتھ میں لے کر) تم اُس کمرے میں چلے جاؤ!

(چپراسی چلا جاتا ہے)

مُور۔ کھول لو ان کو! (کیتھرائن لفافوں کو کھولتی ہے) وہی جس کی امید تھی تمہارے تین بہترین دوستوں کی طرف سے! میں جس خدشہ سے خوفزدہ تھی وہی اب شروع ہو چکا ہے!

مُور۔ جمہور سے ڈرو (ہنستا ہے) بہت اچھا میں تیار ہوں! لکھو جواب اِن کا!

کیتھرائن۔ (قلم اُٹھا لیتی ہے) بولئے!

مُور۔ (لکھواتا ہے) "میری آج کی اس تقریر کے بعد مجھے اپنے ناقابلِ تغیر معتقدات کی بنا پر (کیتھرائن حیرت سے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھتی ہے۔ لیکن وہ اپنے سامنے کی طرف دُور کسی چیز کو تک رہا ہے۔ کیتھرائن کے چہرے سے مایوسی ٹپک رہی ہے لیکن وہ پھر لکھنے لگتی ہے) میرے لئے سوائے اس کے اب کوئی چارہ نہیں رہا۔ کہ میں اپنے عہدے (انڈر سیکریٹری) سے مُستعفی ہو جاؤں! میری رائے اس معاملہ میں ممکن ہے۔ غلط ہو۔ لیکن مجھے اپنے ایمان و یقین پر عمل پیرا ہونے کا یقیناً حق حاصل ہے۔ میرے خیال میں مجھے اس استعفےٰ کی وجوہات کے متعلق مزید کچھ لکھنے کی

حاجت نہیں ہے!

منظر دوم

(ایک تنگ و تاریک کوچہ جس میں فرش تک نہیں تھیٹر کی ایک پرانی اور بوسیدہ سی عمارت کی دیوار پر اشتہار چسپاں ہیں۔ جن میں سے بہت سے نوچ پھاڑ دیئے گئے۔ مگر کچھ باقی ہیں۔ دیوار پر ایک طرف لکھا ہوا ہے۔ مخالفین جنگ کا جلسہ یکم اکتوبر بیلفن بورڈ اور کئی ایک رہنما تقریر کریں گے۔ کوچہ پھٹے ہوئے کاغذوں کے ٹکڑوں سے بھرا پڑا ہے رات اندھیری ہے اور گلی میں صرف ایک ہی لیمپ ہے۔ جو مدہم سی روشنی دے رہا ہے۔ بہت دور فاصلہ سے کچھ مدہم سی آوازیں آتی ہوئی سنائی دیتی ہیں اچانک ایک لڑکا بھاگتا ہوا ادھر سے گذرتا ہے۔ پھر دو مزدور لڑکیاں اسی سمت سے بھاگتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جدھر سے آواز آرہی تھی لیکن کچھ ہی پھر خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد

دروازہ کا محافظ پہرہ دار اور تین جنٹلمین
داخل ہوتے ہیں۔)

محافظ:۔ سب ٹھیک ہے۔ آپ یہاں تشریف رکھ سکتے ہیں اور ادھر
کو رہیں!

تیسرا آدمی۔ شکریہ بہت بہت شکریہ!

۱۔ مور ہے کہاں؟ کیا وہ نہیں آرہا؟ (ایک چوتھا آدمی اور وہاں
آجاتا ہے)

۴۔ بس ابھی آیا۔ (محافظ سے) شکریہ! (وہ ایک طرف کھڑے ہو جاتے
ہیں محافظ چلا جاتا ہے۔ ایک اور لڑکا بھاگتا ہوا آتا ہے۔ دروازہ
کھلتا ہے۔ سٹیل اور مور اندر داخل ہوتے ہیں۔)
(مور مذبذب سیڑھی کے ایک قدمچے پہ کھڑا ہے
پھر مڑتا ہے گویا کہ واپس چلا جانا چاہتا
ہے!)

سٹیل۔ آئیے جناب! آئیے اب۔

مور۔ سٹیل میرے پیٹ پہ یہاں اس جگہ (اشارہ کرتا ہے) سخت چوٹ
لگی ہے۔

سٹیل۔ (اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو نیچے کی طرف کھینچتا ہے)

یہ تھیٹر والوں کی مہربانی ہے۔ (موُر ابھی تک مذبذب ہے) دوسرے گھنٹے ہم یہاں محصور ہو چکے ہوں گے تم نے مسٹر موُر کو ساڑھے دس بجے تک اپنے وہاں پہنچ جانے کا وقت لکھا تھا۔ اس کی تشویش اور بھی بڑھ جائے گی۔ چھ ہفتے سے اُس نے تمہیں دیکھا تک نہیں!

موُر۔ بہت بہتر! لیکن میرا ہاتھ تو نہ توڑو (وہ نیچے اُترتے ہیں۔ لڑکا بھاگا ہوا آرہا ہے۔ مور کو دیکھ کر یک لخت ٹھہر جاتا ہے اور چیخ کر کہتا ہے۔ وہ یہاں ہے! اس جگہ! اس جگہ! پھر جدھر سے آیا تھا اُدھر ہی بھاگ جاتا ہے)

سٹیل۔ بس اب جلدی چلئے ذرا جلدی!

موُر۔ یہ انتہا ہے۔ بس اب حد ہو گئی!

سٹیل۔ (اس کو دروازہ کی طرف کھینچتا ہے) خیر اب اندر تو آ جائیے!

(باہر لڑکے۔ لڑکیاں جوان اور بوڑھے جمع ہو رہے ہیں۔ ایک بہت مجمع جو محض جوش و خروش دکھانے کے لئے جمع ہو گیا ہے۔ مزدور صناع۔ دستکار۔ گندے مشتبہ چال چلن کی لڑکیاں تمام ایک شکاری کی طرح گوشت و خون کے شوق میں سیڑھیوں کے گرد جمع ہو جاتے ہیں جہاں تھوڑی دیر کے لئے وہ ٹھٹک جاتے ہیں۔ موُر جس سیڑھی پہ کھڑا ہے وہاں سے دیکھ رہا ہے)۔

ایک لڑکی۔ (سب کے آخر میں) کونسا ہے وہ ان میں سے؟ بوڑھا یا جوان؟ (مور
سب سے اوپر کی سیڑھی پر چلا جاتا ہے)

ایک نوجوان۔ غدار! مادرِ وطن کا غدار! (ہر طرف سے مختلف آوازیں آنی
شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر تو ایک طوفانِ بے تمیزی برپا ہو جاتا ہے لیکن
تھوڑی دیر بعد سب یک لخت خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس خیال سے کہ
مور تو کچھ بولتا ہی نہیں ہے)

ایک مزدور لڑکی۔ غریب کو خوفزدہ تو نہ کرو۔ (اس کے پاس والی لڑکی کھلکھلا
کر ہنس پڑتی ہے)

سٹیبل۔ (مور کا بازو دبا کر) آؤ۔ آؤ۔ ادھر آؤ میری طرف!

مور۔ (اپنا بازو چھڑا کر) بہت بہتر آپ ہی بتلائیے۔ کہ آپ چاہتے کیا
ہیں؟

ایک آواز۔ تقریر۔

مور۔ العجب!

دوسری آواز۔ (مجمع کے پیچھے سے) ذرا اس کے چہرے کی طرف تو دیکھو۔ غدار
وطن کا خون سفید ہو گیا ہے!

ایک ملاح۔ خاموش رہو۔ اسے اپنی بات کہنے کا موقع تو دو۔

ایک نوجوان۔ خاموش! غدار اور دشمن کی بات سننے کے لئے خاموش!

(سب اچانک ہنس پڑتے ہیں)

مور۔ اگر تم سننا چاہتے ہو۔ تو مختصراً معاملہ یہ ہے۔

دکاندار لڑکا۔ (انڈے کا چھلکا مور پر پھینک کر) معاملہ یہ ہے۔ کیا ہے معاملہ؟

مور۔ اپنے گھروں کو جاؤ۔ اور جاکر غور کرو۔ اگر اجنبی ہم پر حملہ کریں تو کیا ان دشمن قبائل کی طرح اپنے گھروں کی حفاظت اور اپنے ملک کو بچانے کے لئے ہم اُن کا مقابلہ نہیں کریں گے؟

وہی نوجوان۔ دغابازکُتّے۔ وہ کھلے میدان میں آکر کیوں نہیں لڑتے؟ پہاڑوں کی پناہ کیوں لیتے ہیں؟

مور۔ جو طریقہ وہ اپنے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس پر عمل کرتے ہیں۔ (ہر طرف ایک شور سا مچ جاتا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ حصّہ ایک فوجی سپاہی جو خاکی وردی میں ملبوس ہے لیتا ہے) میرے دوست سپاہی میں نے فوج کے خلاف کبھی ایک لفظ بھی نہیں کہا! یہ قصور تو حکومت کا ہے یا پولیس کا اور اُن کے خلاف ہی مجھے شکایت ہے۔ کہ تمہیں ناک سے پکڑ کر جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ وہاں جہاں تم اپنی مرضی سے خود کبھی بھی نہ جانا چاہو یعنی میرا مقصد یہ ہے۔ کہ تم خود کبھی بھی اپنی مرضی سے کمزور کے خلاف کھڑے نہیں ہو سکتے!

مجمع کی آوازیں۔ (ایک سخت گرج دار آواز)۔ احمقانہ فلسفہ۔
لڑکی کی آواز۔ تم پر اپنا اثر ڈال رہا ہے!
نوجوان۔ مردم خور۔ انسان نما بھیڑیا۔
ملّاح:۔ (اچانک آگے بڑھ کر) مسٹر ذرا ادھر دیکھو! ان لوگوں پر حملہ نہ
کرو جنہوں نے اپنے خون اور جگر گوشوں کو میدانِ جنگ میں بھیج دیا
ہے۔ ورنہ تمہارے لئے اچھا نہ ہو گا۔ جاؤ۔ بس اب اپنے گھر کو
سدھارو!
ایک آواز۔ اپنی بیوی سے کہو۔ کہ وہ تمہارے منہ میں لگام اور کانوں میں
روئی دے دے! (سب کھلکھلا کر ہنس پڑتے ہیں)
ایک دوستانہ آواز۔ (دوسرے سے) شکر کی بات ہے بزدلو ہمت کرو۔ مور
ہمت۔ دل نہ چھوڑو۔
مور۔ (رک رک کر) بس! بس تم۔ . . . .
نوجوان۔ غدّار۔
ایک کاریگر۔ کون؟
نوجوان۔ سپاہ رو!
ادھیڑ عمر۔ گولی مار دو۔ اپنے ملک کے دشمنوں کی امداد کر رہا ہے!۔
مور۔ وہ اپنے گھروں اور بیوی بچوں کی حفاظت کے لئے جان دے رہے

ہیں!

دو آوازیں۔ سنو! سنو! (سب خاموش ہو جاتے ہیں)

نوجوان۔ بے ایمان! دغا باز۔

موُر۔ (جذبات سے مجبور ہو کر) وہ اپنے ملک کی آزادی کی حفاظت کر رہے ہیں! غیر مسلح انسانوں اور اپنے سے کمزوروں کو قتل نہیں کر رہے ہیں (سٹیبل اسے کھینچکر اندر لے جانا چاہتا ہے)

ایک آواز۔ بند کرو اس احمق کو۔ ورنہ ہم اسے قتل کر دیں گے۔

موُر۔ (اسی سکون و اطمینان سے) آہ! مجھے؟ مجھے بڑی خوشی سے قتل کر دو۔ تاریخ تمہارے بزدلانہ افعال کو فراموش نہیں کر سکے گی۔

سٹیبل۔ خدا کے لئے خاموش رہیئے۔

موُر۔ (اپنا ہاتھ چھڑا کر) بہت اچھا! (زیادہ خوفناک عنصر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن صرف اگلی قطاروں کی وجہ سے رُکا ہوا ہے۔ تمام مجمع ان سے ٹکرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے)

ایک آواز۔ قربان جایئے اس فصاحت و بلاغت کے اور فلسفہ کے تو گویا ہی کہنے ہیں! (انڈوں اور سنگتروں کے چھلکے موُر کے چہرہ پر آ کر لگتے ہیں مگر وہ اسی طرح کھڑا ہے)

دوسری آواز۔ ٹھیک! درست!! کچھ اور بھی! (موُر کے چہرہ سے نفرت و

حقارت کے جذبات عیاں ہیں۔ جس سے ان کی ہنسی غصہ میں تبدیل ہو جاتی ہے)

نوجوان۔ غدار۔

ایک آواز۔ اب یہاں ایک زخمی سور کی طرح کیوں کھڑے ہوا ٹھے ہوئے؟

دوسری آواز۔ آؤ۔ ذرا ہم اسے ٹھیک ہی نہ کر دیں؟ (اندھا دھند اور ایک جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ ایک آدمی اُن میں سے چمڑے کی ایک پیٹی مور کی ٹانگوں پر مارتا ہے۔ مور پشت اسکی طرف کر لیتا ہے۔ اور خاموشی کے ساتھ مجمع کو اُداس نظروں سے دیکھتا رہتا ہے اس خاموشی کو مجمع اپنی شکست کے مترادف خیال کر کے دیوانہ ہو جاتا ہے)

مجمع۔ بولو یا نیچے اُتر آؤ! جاؤ۔ جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔ ورنہ ہم تجھ سے سمجھ لیں گے ابھی۔ ابھی (مور بے حس و حرکت خاموش کھڑا ہو جاتا ہے)

ایک جوان۔ میں اس کا منہ کھولتا ہوں! ذرا میری طرف دیکھو! (وہ آگے دوڑتا ہے اور مور کے ہاتھ پر تھوک دیتا ہے۔ مور ہاتھ کو اس طرح جھٹک دیتا ہے گویا کہ کسی زہریلے جانور نے کاٹ کھایا ہے۔ پھر اُسی طرح خاموش کھڑا ہو جاتا ہے)۔

ایک لڑکی۔ شرم! شرم!

ایک دو سنانہ آواز۔ شاباش مُور! شاباش! ہمت کرو۔

ایک آواز۔ ہاں ذرا اور بھی کچھ!

دوسری آواز۔ نہیں! نہیں!

لڑکی کی آواز۔ چلو اسے چھوڑ بھی دو! آؤ ملبسی۔ یہ کوئی تماشہ نہیں ہے۔
(مجمع ابھی تک مُور کو تک رہا ہے اور سب پر ایک ناخوشگوار خاموشی طاری ہے صرف قدموں کی آہٹ سُنائی دیتی ہے ملّاح مجمع کو چیر کر باہر نکل جاتا ہے۔)

ملّاح۔ چلو اب اسے جانے بھی دو! (خاموشی۔ خفت اور ندامت کے جذبات سے پُر مجمع کم ہونا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تھوڑی دیر میں کوچہ قطعاً خالی ہو جاتا ہے)

مُور۔ (اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے۔ گویا کہ نیند سے جاگ رہا ہے) اچھا سٹبل! (سیڑھیوں سے نیچے اُترتا ہے۔ پیچھے پیچھے سٹبل چلا آ رہا ہے پولیس کے دو سپاہی ادھر سے گزرتے ہیں۔ اور کھڑکیوں کے ٹوٹے ہوئے شیشوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ ایک اُن میں سے ٹھہر جاتا ہے اور کچھ نوٹ کر رہا ہے) (دوسرے دن۔ سورج ابھی نکلا ہے۔ مُور کے گھر میں کھانے کا کمرہ۔ کھڑکیاں بند ہیں۔ لیکن پردے کھلے ہوئے نہیں

ہیں سیٹیل ایک کرسی پر مُور کے پاس ہی بیٹھا لکھ رہا ہے اور وہ اُسے کچھ لکھوا رہا ہے۔

سٹیبل۔ (تحریر کو پڑھتے ہوئے) اس میں شک نہیں۔ کہ ہمیں تکالیف کا سامنا ہو گا۔ لیکن اگر خداوندانِ شہر ہمیں عین آخیر وقت پر ہال کے استعمال سے منع کر دیں گے۔ تو ہم اپنی میٹنگ کھلے میدان میں ہی شروع کر دیں گے۔ اشتہارات تقسیم کر دیئے جائیں۔ سامعین خود بخود ہی اکٹھے ہو جائیں گے!

مُور۔ یقیناً۔

سٹیبل "آپ کا خادم" میں نے آپ کی بجائے خود ہی دستخط کر دیئے ہیں۔ (مُور سر سے اشارہ کرتا ہے) آپ کو معلوم ہے کہ سوائے ہنری کے باقی سب ملازمین جواب دے گئے ہیں؟

مُور۔ غریب ہنری!

سٹیبل۔ کچھ تو خوف کی وجہ سے! کیونکہ ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ گھر کی کھڑکیوں تک کو حملہ کر کے توڑ دیا گیا ہے۔ مگر کچھ اس وجہ سے بھی.....

مُور۔ حُبِ وطن! بالکل ٹھیک! اب وہ خود حملہ آور ہو کر کھڑکیوں کو توڑنا چاہیں گے! آخاہ مجھے یاد آ گیا۔ کل تمہاری چھٹی ہے سٹیبل؟

سٹیبل۔ اوہ۔ نہیں! نہیں!

مُور۔ میرے عزیز دوست گزشتہ رات تمہارے ساتھ واقعی غیر مناسب سلوک ہوا۔ اور مجھے افسوس ہے کہ میں نے خواہ مخواہ تمہیں اس معاملہ میں دھر گھسیٹا!

سٹیبل۔ کسی کو تو کام کرنا ہی چاہیئے! آپ تو پہلے ہی بہت برباد ہو چکے ہیں۔

مُور۔ میں ابھی خود اپنے آپ سے مایوس نہیں ہُوا ہوں۔

سٹیبل۔ بہت ہو چکی اب بھی جانے دیں جناب —— معاملہ بے ڈھب آپڑا ہے اور فائدہ بھی کچھ نہیں اس میں!

مُور۔ اخیر وقت تک اپنے فرائض کی ادائیگی میں مستعد رہنا —— درآں حالیکہ اپنی مکمل تباہی اور شکست فاش کا پہلے ہی سے یقین ہو —— اس سے بڑھ کر اور کیا اطمینان ہو سکتا ہے؟

سٹیبل۔ خیر اچھا تو اب میں رخصت پر نہیں جا رہا ہوں!

مُور۔ سٹیبل اس جہنم کدے کے بے شعلے پر میرے اپنے ہی بھڑ کاٹے ہوئے ہیں۔ تم مفت میں کیوں اپنے جسم کو ان میں جھلستے ہو؟ ان حالات میں تمہاری ذمہ داری کس طرح اپنے سر لے سکتا ہوں! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ کہ میرے لئے اطمینان صرف اسی صورت میں ہے۔ کہ میرے سوا اور کسی کو ایذا نہ پہنچے!

سٹیل۔ میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا!

مُور۔ میرے عزیز دوست! میں جانتا ہوں کہ تم بہت مستقل مزاج اور ثابت قدم انسان ہو۔ لیکن اب تک ہمارا زندہ رہنا معجزہ سے کم نہیں ہے۔ اس لئے کل کے جلسہ کے متعلق یہ تمام خط و کتابت مجھے دے دو۔

(سٹیل کچھ کاغذات اپنی جیب سے نکالتا ہے۔ لیکن مور کے ہاتھ میں نہیں دیتا)

مُور۔ لائیے کاغذات! (کاغذات سٹیل سے لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے لیکن چونکہ سٹیل ہنوز متذبذب ہے۔ اس لئے وہ ذرا تیز ہو کر کہتا ہے) سٹیل لاؤ کاغذات مجھے دو۔!

(سٹیل کاغذات اُسے دے دیتا ہے)

اب معاملہ ختم ہے۔ سمجھا تم نے؟ (وہ دونوں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تکتے رہتے ہیں۔ سٹیل مردہ سا نظر آتا ہے۔ مڑتا ہے اور کمرے سے باہر چلا جاتا ہے۔ مُور جو اُس کو جاتے ہوئے دیکھ رہا ہے کاغذات اپنی جیب میں رکھ لیتا ہے۔ ہنری داخل ہوتا ہے۔ یہ کہنے کے لئے کہ مسٹر منڈپ آئے ہیں! مسٹر مینڈپ داخل ہوتا ہے۔ اور نوکر باہر چلا جاتا ہے۔ مور اپنے ملاقاتی کی طرف آتا ہے۔ لیکن مصافحہ کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاتا۔)

میننڈپ۔ (مُور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) اب تو میرے فلاسفر ہونے کا تمہیں یقین آیا دوست! مسز مُور نے مجھے بتلایا تھا۔ کہ آج تم واپس آجاؤ گے سُن لیا تم نے کچھ؟

مُور۔ کیا؟

سٹبل۔ ہمیں پہلی فتح حاصل ہو گئی ہے۔

مُور۔ خدا کا شکر ہے!

میننڈپ۔ ہیں یہ کیا؟ تم بھی ہم ہی جیسے گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان ہو؟

مُور۔ کیوں نہیں؟

میننڈپ۔ تو پھر اس شہیدی لباس کو اُتار کیوں نہیں دیتے سٹیفن؟ تم تو انسانوں کی فطرت کے خلاف جنگ کر رہے ہو!

مُور۔ کیا تم بھی عامۃ الناس کے افعال کے جواز کا یقین رکھتے ہو؟

میننڈپ۔ عزیزم! تمام جذبات میں سب سے زیادہ طاقتور اور خوفناک انسانی جذبہ کے خلاف تم جنگ کر رہے ہو! کیا تم اُمید کرتے ہو۔ کہ ہر راہ رو معلم اول کا سا فلسفیانہ دماغ رکھتا ہے اور کہ وہ وطن کی محبت کو فلسفہ کی بھول بھلیوں میں گم کر دے سکتا ہے؟ آخر کوئی وجہ بھی ہو؟ انسان نہایت سیدھا سادھا ہے اور مجمع ان ہی سیدھے سادے افراد

کے مجموعہ کا نام ہے!

مُور ۔ سیدھا سادھا مجموعہ ——— نخاس اور گلیوں کی غلاظت ——— اندھے ——— بے بصر ——— بے روح محبِّ وطن معلوم نہیں ان کے یہاں (سینہ میں) دل بھی ہوتا ہے یا نہیں! غالباً ہوتا ہی نہیں!

مبنیڈپ ۔ تمہارا خیال ہے کہ انسان جذبات کے تابع نہ ہوں؟ ایسا نہیں ہو سکتا! وہ تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔ کہ کوئی دشمن ان کو۔ خود ان کو ——— یعنی اس چیز کو جس کو وہ ملک اور وطن کہتے ہیں ——— زخمی کر رہا ہے! بس اس سے ہی وہ نقصان کی اہمیّت کا یقین کر لیتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ بات ایک مذہبی تقدس کا سا درجہ رکھتی ہے۔ اور اس میں ہی سب اندھے ہو جاتے ہیں!

مُور ۔ یہی ملک ہے نا جس کو اپنی آزادی ضمیر۔ آزادی تقریر اور آزادی تحریر پر ناز ہے؟

مبنیڈپ سٹیفن انسانی فطرت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

مُور ۔ اس جمِ غفیر اور انبوہ کثیر کے حملۂ عام کے وقت کیا ہر سپاہی اپنے ہتھیار توڑ کر کھڑا ہو جاتے؟ اور پھر بھی تم یہی کہتے رہو گے!

مبنیڈپ ۔ میرا مشورہ تو یہی ہے۔ کہ فوراً یہاں سے چلے جاؤ! جب گھڑی

اس فتح کی خبر عوام الناس کے کانوں تک پہنچی ایک طوفان اور ایک حشر برپا ہو جائے گا۔ آؤ۔ میرے عزیز دوست اب یہاں نہ ٹھہرو!

مُور۔ شکریہ! کیتھرائن اور میرا بچہ چلے جائیں بس!

مینڈب۔ تم بھی ان کے ساتھ ہی چلے جاؤ۔ اگر تمہاری کوششیں برباد ہو گئیں ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ تم خود بھی ساتھ ہی برباد ہو جاؤ!

مُور۔ میں بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا! میں اپنے ضمیر کے خلاف نہیں کروں گا۔

مینڈپ۔ سٹفن یہ تو حماقت ہے۔ سخت اور خوفناک حماقت خیر اچھا میں تو اب اپنے گھر جا رہا ہوں! اس راستہ سے!

مُور۔ ہاں ان سیڑھیوں پر سے! خدا حافظ! (کیتھرائن اور اس کے پیچھے نرس اندر داخل ہوئیں۔ کیتھرائن کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ ہے اور وہ باہر جانے کے لباس میں ملبوس ہے۔ کیتھرائن دراز سے ایک چیک نکال کر اُس کے ہاتھ میں دیتی ہے۔ مور اندر داخل ہوتا ہے)

تم کافی عقلمند ہو نرس!

نرس۔ آپ کا سلوک ہمارے ساتھ جناب بہت ہی بُرا ہے! معلوم نہیں آپ کے دل کو کیا ہو گیا ہے؟

مُور۔ اپنی جگہ ہے نرس!

نرس۔ اُن ملعونوں کے لیئے! کیا آپکے گھر، اعزہ واقربا کا اولین حق نہیں ہے؟ آپ کی بیوی جو زمانہ جنگ میں اُس وقت پیدا ہوئی تھی۔ جب کہ اسکا باپ دُور دراز ممالک میں دشمنوں سے محاذ جنگ پر نبرد آزما تھا اور اس کا دادا اپنی جان مُلک وملّت پر فدا کرچکا تھا! پھر آج اس کے گھر کی کھڑکیاں توڑ دی جایئں۔ گلیوں کے لونڈے اور راہ رو اس کی طرف اُنگلیاں اُٹھایئں۔ کتنی تلخ زندگی ہے یہ؟ (مُور خاموشی سے یہ سب کچھ سُن رہا ہے کبھی کبھی سر اثبات کے طور پر ہلتا ہے مگر وہ متواتر اپنی بیوی کے چہرے کی طرف دیکھ رہا ہے)

کینتھر ائن۔ نرس؟

نرس۔ جناب عالی۔ آپ جو کچھ کر رہے ہیں غلط ہے اور قطعاً غلط! ان دشمنوں کا اپنی بیوی سے بھی زیادہ خیال رکھنا فطرت کے خلاف ہے! ذرا اُسے دیکھیں تو حضور! کبھی اب سے پیشتر ان کی یہ حالت ہوئی بھی تھی؟ اب بھی احتیاط کریں ورنہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

مُور۔ کافی ہے بس! مہربانی! شکریہ!! (نرس چلی جاتی ہے) (مُور آہستہ سے) سُنا ہے کہ کوئی فتح حاصل ہوئی ہے؟ (چلا جاتا ہے)

کینتھر ائن۔ (کینتھر ائن کا سانس زور سے چل رہا ہے اور وہ بڑی توجہ سے

اس شور و شغب کو سن رہی ہے۔ جو دُور ایک گلی میں سنائی دے رہا ہے۔ وہ دوڑ کر کھڑکی کی طرف جاتی ہے۔ ملازم ہانپتا کانپتا اندر داخل ہوتا ہے۔ سر جان بھی ساتھ ہی اندر داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کھلا ہوا اخبار ہے)

آخر کار۔ فتح؟

سر جان۔ خدا کا شکر ہے! (اخبار کیتھرائن کو دے دیتا ہے!)

کیتھرائن۔ آہ! اباجی! (اخبار پڑھتی ہے) آخر کار...... (شور و شغب ذرا زیادہ ہوتا جاتا ہے) (اور سر جان اس ایک خوشی کی ساعت کے بعد جب کہ اُس نے اخبار کیتھرائن کے حوالہ کیا، نیچی نظروں سے فرش پر تک رہا ہے) اباجی...... ایک اور خبر بھی ہے۔

سر جان۔ ہاں! کیا۔

کیتھرائن۔ ایک نوجوان...... ہوبرٹ (سر جان سر جھکا دیتا ہے)

کیتھرائن۔ قتل ہو گیا! (سر جان سر جھکا لیتا ہے) آہ! غریب ہیلن!

سر جان۔ جو خدا کو پیارے ہوتے ہیں......

کیتھرائن۔ ہوبرٹ! آہ!

سر جان۔ اور مجھ جیسے بوڑھے زندہ رہتے ہیں!

کیتھرائن۔ اباجی!

سر جان۔ لیکن اب ہم اِن خونخوار وحشیوں کو بتا دیں گے! تباہ کر دیں گے!
کیا سٹیفن آ گیا؟

کینتھرائٹن۔ کل رات۔

سر جان۔ کیا اُس نے اپنی بیہودہ لغو بیانی ترک کر دی آخر کار؟

کینتھرائٹن۔ نہیں! (یہ دیکھ کر کہ کینتھرائٹن کا رواں رواں کانپ رہا ہے وہ اس کا ہاتھ دبانا ہے)

سر جان۔ عزیزاز جان۔ موت اور بھی سینکڑوں گھروں کو تاک چکی ہے۔

کینتھرائٹن۔ میں ہیلن کے پاس جاتی ہوں! سٹیفن سے یہ بات کہہ دینا میں اُس سے نہیں کہہ سکتی! (وہ چلی جاتی ہے۔ سر جان اپنے رنج و اندوہ میں مبتلا ہے۔ چند ساعت بعد مُور داخل ہوتا ہے۔)

مُور۔ جناب آپ مجھ سے کچھ فرمانا چاہتے تھے؟

سر جان۔ ہاں! ہوبرٹ قتل ہو چکا ہے!

مُور۔ ہوبرٹ؟

سر جان۔ ہاں! ان لوگوں کے ہاتھ سے جن کی کہ تم حمایت کر رہے ہو! کینتھرائٹن ہیلن کو یہ خبر دینے کے لئے گئی ہے! میرا خیال ہے۔ کہ تم گزشتہ رات واپس آئے ہو گے...... میرے الفاظ میرے جذبات کا اظہار کرنے سے قاصر ہیں۔ مجھے معلوم نہیں تمہارے اور کینتھرائٹن

کے تعلقات کا اب کیا حال ہے! لیکن سٹفن میں یہ بات نتبلائے دیتا ہوں کہ تم ان گزشتہ دو ماہ میں اس حد تک دُور نکل چکے ہو کہ دنیا کی اور کوئی عورت ایسے برداشت نہ کر سکتی! (موُر کے چہرہ سے اضطراب ظاہر ہوتا ہے) تم نے یہ راستہ کب اپنے لئے انتخاب کیا؟

مُور۔ انتخاب کیا؟

سر جان۔ تم اُس کے جذبات کی مخالفت کرتے رہے ہو۔ تم جانتے تھے۔ کہ نتیجہ کیا ہو گا! شاید اب میرے کسی دوسرے لڑکے کو جانا پڑیگا!

مُور۔ کاش اُس کی جگہ میں جا سکتا! تو میں بڑا ہی خوش ہوتا!

سر جان۔ ہاں مجھے تمہاری زندگی کی تلخی کا احساس ہے! اس سے بڑھکر مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ تم اپنے تمام اہلِ ملک کے مقابلہ پر کھڑے ہو! اگر اس قیمت پر مجھے ہوبرٹ واپس بھی مل جاتے تو میں گوارا نہیں کرونگا۔ بلکہ اپنے تمام فرزندوں کو بھی ...... وطن میرے لئے اور میں وطن کے لئے۔ یہی سب سے بہتر راحت ہے۔

مُور۔ ہاں!

سر جان۔ تاہم تم جو چاہو کرتے رہو۔ سٹفن تمہارے دماغ میں کونسا خناس گھس گیا ہے؟

مُور۔ کیا آپ اس بات کا احساس کر سکتے ہیں۔ کہ میں آپکے ان بہادر

نبرد آزماؤں سے اپنے آپ کو کم مصیبت میں خیال کرتا ہوں! ایک منٹ کے لئے بھی؟

سر جان ۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا! میں تمہیں کیتھرائن کا عاشقِ زار خیال کرتا تھا!

مور ۔ آپکے خیال میں ملک بیوی بچوں سے پہلے ہے یا نہیں؟

سر جان ۔ بے شک ہے!

مور ۔ بس یہی میرا بھی خیال ہے!

سر جان ۔ (حیرانی سے) مادرِ وطن جس راستہ پر گامزن ہونا چاہتی ہے یا جس راستہ سے پرہیز کرنا چاہتی ہے ۔ میں اُس کے جواز و عدم جواز کا فتویٰ دینے سے اتنا ہی قاصر ہوں ۔ جتنا کہ قدرت کے اختیار کردہ امور پر! (اُن تمام تکالیف کا خیال کر کے جو وہ وطن کے لئے بھگت چکا ہے ۔ (دل میں احساسِ مسرت محسوس کرتا ہے) میرا وطن!

مور ۔ اس عقیدہ کی محبت میں میں اپنی ہر ایک چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہوں!

سر جان ۔ سٹیفن میں تمہیں ایسا احمق خیال نہیں کرتا تھا! میں نے تمہیں ہمیشہ سمجھدار اور دیانت دار خیال کیا تھا! لیکن ——— یہ ——— جنون ہے ——— جنون محض!

مُور۔ جنون؟ ہاں حقیقت کی دیوی کی قربان گاہ پہ تمام کو بھینٹ چڑھا دینا؟

سر جان۔ جن حقائق کو دنیا کی عظیم الشان ترین قوم اور اس قوم کے عظیم ترین افراد قابلِ اطمینان پاکر مطمئن ہو جائیں وہ تمہیں کیونکہ مطمئن نہیں کر سکتے سٹیفن؟ میں ان زعمائے قوم سے واقف ہوں۔ اِن کی اُن قربانیوں سے واقف ہوں۔ جو وہ ملک و قوم کے لئے کر سکتے ہیں!

مُور۔ سر جان؟ آپ ذرا غور تو کریں۔ کہ ان گذشتہ دو ماہ میں کیا کیا کچھ مصائب میں نے برداشت نہیں کئے! گلیوں میں لوگ مجھ سے کتراتے ہیں میرے بہترین دوست اس طرح گذر جاتے ہیں۔ گویا انہوں نے مجھے دیکھا ہی نہیں ہے۔ مجھ سے اس حد تک نفرت کی جاتی ہے۔ جیسی ایک پلیگ کے مریض یا کیچڑ دل والے آوارہ کتے اور کوڑھی سے! دو ماہ سے متواتر ہر رات بستر پہ جاتے وقت تک طعن و تشنیع اور نفرت و ملامت کی آوازیں میرے کانوں میں آتی رہتی ہیں! اور میرا نام کسی وقت بھی کلماتِ نفرت و حقارت اور لعنت و ملامت کے بغیر نہیں لیا جاتا!

سر جان۔ تمہارے نئے دوست جو ہیں بہت کافی میرے خیال میں!

مُور۔ لیکن اُن کا وجود میرے مصائب کو ختم نہیں کر سکتا! کل رات ہی میرے اوپر تھوکا گیا ہے! آپ کی یہ جنگ اور اُس کے مصائب میرے لئے ایک

کے مقابلہ میں بچوں کا ایک کھیل ہیں!

(گلی میں شور و شغب قریب تر سنائی دیتا

ہے سرجان اُدھر متوجہ ہو جاتا ہے)

سرجان۔ تم نے سُنا؟ ہمیں ایک اور فتح حاصل ہو چکی ہے؟ کیا تمہارے جذبات اس حد تک مردہ ہو چکے ہیں۔ کہ تم اس فتح پر بھی رنجیدہ ہو؟ (مُور نفی میں سر ہلا دیتا ہے) خیر بہتر ہے سٹیفن اب بھی خدا کے لئے باز آجاؤ! پھر اس کے لئے بھی وقت باقی نہیں رہے گا اپنی اور کینتھر اٹن کی زندگی کو تباہ و برباد مت کرو۔ ہوبرٹ اس کا پیارا بھائی تھا! تم اُن کی حمایت کر رہے ہو۔ جنہوں نے اُسے قتل کیا ہے! خیال تو کرو اس بات کا اثر اُس پر کیا ہوگا۔ چھوڑ دو۔ جانے دو پرے اس حماقت کو کینتھر اٹن کو ساتھ لے جاؤ۔ اور کہیں چلے جاؤ۔ جب تک کہ یہ کھیل ختم ہو! چھوڑ جاؤ۔ یہ ملک جس کی کہ تم مخالفت کر رہے ہو۔ کیا فائدہ اِن باتوں سے۔ آؤ! آؤ میرے عزیز! اپنے آپ کو بالکل ہی برباد نہ کرو۔

مُور۔ سرجان میرے ملکی بھائی میدانِ جنگ میں اپنے عقیدے کے لئے جانیں دے رہے ہیں! اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ میرا عقیدہ انسانیت کے لئے اس کی حقیقی فلاح و بہبود کے لئے —— اُن کے عقیدے سے کہیں

اعلیٰ اور بہتر و برتر ہے! پھر کیا میں اسے ترک کر دوں؟ جب سے میں نے اپنی آواز اپنی قوم کے ظلم و عدوان کے خلاف اُٹھائی ہے۔ ہزاروں ہی انسان اُسے تشکر و اطمینان کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ گویا یہ اُن کے دل کی بات تھی۔ جو میں نے کہدی! کیا میں اِن سب کو مایوس کر دوں؟ جس وقت آپ محاذ جنگ پہ دشمنوں سے لڑ رہے تھے۔ کیا آپ نے کبھی خود اپنے سے یہ سوال بھی کیا تھا کہ اس کا کیا فائدہ ہو گا۔ اور کہ آپ ضرور زندہ بچ کر واپس جا سکیں گے؟

میں جانتا ہوں۔ کہ میرے لئے کامیابی ممکن نہیں! لیکن کیا میں اپنے کو دھوکہ میں رکھوں؟ اور حیاتِ ابدی کے اس شعلہ کو —— ہاں اس مقدس شعلہ کو —— بجھا دوں؟ جو نہ صرف مادر وطن اور اس کے فرزندوں کے لئے ہی بہتر ہو گا۔ بلکہ تمام ممالک' تمام اقوام اور تمام وقتوں کے لئے خوشی اور مسرّت بے پایاں کا باعث ہو گا!

سر جان۔ (سر جان بڑی دیر تک غور سے اُسے تکتے رہنے کے بعد) میں تمہارے عقیدے کی پختگی کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن میں تمہیں بتلا دوں کہ یہ آگ یا شعلہ جس کا کہ تم ذکر کر رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ سکتا! مگر ہاں ایک شعلہ کو —— جسے میں جانتا ہوں —— تم ضرور بجھا رہے ہو! اور وہ تمہاری بیوی کی محبّت کا شعلہ ہے۔ خدا کی پناہ! تمہارے ننھے دوستوں

کا یہ کہ وہ ـــــــ احمق اور ذلیل ـــــــ اگر تمہاری بیوی کی محبت۔ تمہارے عہدے۔ تمہاری زندگی۔ تمہارے پرانے دوستوں اور عزیزوں کی محبت اور ملک و قوم کی محبت کی تلافی یہ لوگ کر سکتے ہیں۔ تو پھر چشم ما روشن دلِ ما شاد! لیکن اگر تم ان تمام نعمائے الٰہی سے محروم ہو کر اپنی زندگی برباد ـــــــ اپنا انجام خراب اور اپنی تمام عزت و عظمت کو خیرباد کہہ دینا چاہتے ہو۔ تو پھر میرا دل بھی تم پر نہیں پسیجتا۔ تمہاری مرضی ہے۔ خدا........ (دروازہ سے نکل کر باہر چلا جاتا ہے) (مور سر پکڑے خاموش کھڑا رہ جاتا ہے۔ غور و فکر کی علامات چہرے پر عیاں ہیں۔ گلی میں شور و غل کی آواز اس کے کان میں بھی پڑتی ہے وہ کھڑکی کے قریب جا کر اس میں سے باہر کی طرف جھانکتا ہے پھر واپس آ کر گھنٹی بجاتا ہے۔ کیتھرائن اندر داخل ہوتی ہے۔ وہ ایک سیاہ ہیٹ اور سیاہ اوورکوٹ پہنے ہوئے ہے۔ وہ اُس سے مخاطب ہوتی ہے۔ لیکن اس کی نظریں نیچی ہیں)۔

کیتھرائن۔ گھنٹی آپ نے بجائی تھی؟

مور۔ ہاں! ملازم کے لئے تاکہ یہ دروازہ بند کر دیتا!

کیتھرائن۔ سب ملازم ملازمت چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اُنہیں ڈر تھا کہ گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔!

مُور ۔ ہُوں!

کینتھرائن ۔ اس حد تک برداشت کی طاقت اُن میں نہیں تھی! (مُور نظر اُٹھا کر دیکھتا ہے) ہیں ۔ ہیلن اور اپنی بچی کو ساتھ لے کر اپنے والد کے گھر جا رہی ہوں!

مُور ۔ (اُس کے الفاظ پر غور کرتے ہوئے) خوب! تم وہاں جانا پسند کرتی ہو؟ (کینتھرائن سر سے اثبات کا اشارہ کرتی ہے) کینتھرائن مجھے تمہارے صدمہ میں کس قدر رنج ——— ہوبرٹ ....

کینتھرائن ۔ اب اس کا ذکر نہ کرو! مجھے پہلے ہی واضح الفاظ میں کہنا چاہیئے تھا میں اب واپس نہیں آ رہی ہوں!

مُور ۔ نہیں؟ جب تک کہ گھر کو.......

کینتھرائن ۔ بالکل نہیں، قطعاً نہیں!

مُور ۔ کینتھرائن؟

کینتھرائن ۔ میں نے آپ کو پہلے ہی مطلع کر دیا تھا! اب تم اتنی دُور چلے گئے ہو۔ کہ اب واپسی ناممکن ہے!

مُور ۔ (اندرونی اضطراب سے بے چین ہو کر) تمہیں معلوم ہے تمہارے اس فعل کا اثر کس قدر دُور ——— رس ہو گا؟ دس سال کے بعد...

... تمام محبّت اور........

کینتھرائن ۔ یہ محبّت تھی؟ آپ مجھ جیسی ناکارہ بزدل سے کس طرح محبّت کر سکتے تھے؟

مُور ۔ دیوانی ہوئی ہے کینتھرائن؟ —— کینتھرائن!

کینتھرائن ۔ سٹیفن تم بہت بلند مرتبہ ہو۔ میں ایسی جگہ رہنا پسند نہیں کرتی اور نہ اب رہوں گی جس جگہ کے میں ناقابل ہوں! میں نے تمہیں پہلے ہی بتلا دیا تھا۔ کہ نتیجہ کیا ہو گا۔

مُور ۔ (اپنا بازو اس کے گلے میں حمائل کر کے) اتنا ظلم تو نہ کرو!

کینتھرائن ۔ نہیں سچی بات یہی ہے! کہ اب یہ اجتماعِ ضدین ممکن نہیں! مجھے جانے دو!

مُور ۔ خدا کا نام مانو۔ عقائد کے اس تفاوت کا میں کس طرح ذمہ دار ہوں!

کینتھرائن ۔ خیر میں نے ہر ممکن کوشش کی لیکن سب بے سُود!

مُور ۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ مجھے تم سے کس قدر محبّت ——————

کینتھرائن ۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتی! جب ہماری روحوں میں اس قدر بُعد ہو۔ تو میں محض جسمانی طور پر تمہاری داشتہ بن کر رہنے کے لئے تیار نہیں ہوں! (ان الفاظ سے مُور کے قلب پر ناقابلِ بیان صدمہ ہوا) ہاں یہ ایک تلخ حقیقت ہے! تمہیں اپنی بلند پایاں مبارک ہوں

میں تمہیں نیچے گھسیٹنے والی ہوں؟

مُور۔ خدا کے لئے اسے فراموش کر دو۔ اور غور کرو۔ کہ کس بات کے لئے میں اپنی بربادی خرید رہا ہوں۔ اور وہ بھی خود اپنے ہاتھوں سے! انسان اس کے سوا اور کر ہی کیا سکتا ہے؟ کیتھرائن ذرا سوچو۔ اور غور کرو!

کیتھرائن۔ میں یہاں اب بیکار ہوں! بے مصرف! خاموش بیٹھی رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی! جبکہ میرے بھائی اور عزیز و اقارب ملک و ملّت پر سے اپنی جانیں نثار کر رہے ہیں! اس لئے میں نرس بن جاؤں گی۔ ہیلن میرے ساتھ ہو گی۔ میں بھی اپنا عقیدہ رکھتی ہوں! حقیر اور معمولی ——— صرف وطن کی محبّت ——— اب میں یہاں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی!

میں تمام رات سوچتی رہی ہوں اور یہ میرا فیصلہ ہے!

مُور۔ اور تمہاری بچی؟

کیتھرائن۔ میں اُسے اپنے والد کے پاس چھوڑ جاؤنگی! اگر تم اُسے رکھنا چاہو تو تمہاری مرضی!

مُور۔ میں تمہیں کیسے منع کر سکتا ہوں؟ تم خوب جانتی ہو! تم اسے اپنے ہی پاس رکھو۔ جیسے تمہاری خوشی!

کیتھرائن۔ (نہایت ہی آہستہ سے) شکریہ! (پھر وہ اچانک اس کے قریب

جاتی ہے۔ دونوں کی آنکھیں دوچار ہوتی ہیں۔ اور موہر کی تمام روح سمٹ کر اس کی نظروں میں آجاتی ہے) سٹیفن اب بھی اس بات کو جانے دو! مجھے بالکل ہی برباد نہ کرو! (گلی میں سیٹیوں اور خوشی کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں)

موہر۔ اور یوں خود برباد ہو جاؤں؟ (کلینتھر ائن جلدی سے دروازہ کی طرف جاتی ہے۔ وہاں تھوڑی دیر کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور برابر موہر کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ اس کا چہرہ مختلف اندرونی جذبات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے)

تم جا رہی ہو بس؟

کلینتھر ائن۔ (نہایت ہی آہستہ سے) ہاں اور کیا؟ (سر جھکا کر دروازہ کھولتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ موہر کھڑا رہ جاتا ہے۔ بچی دروازہ پر آتی ہے)

بچی۔ ابا جی آپ ہمارے ساتھ نہیں آئیں گے کیا؟ (موہر وفورِ جذبات سے مجبور ہو کر سر کے اشارہ سے انکار کرتا ہے) کیوں؟

موہر۔ تم کوئی خیال نہ کرو میری جان!

بچی۔ موٹر گلی میں بہت ہی آہستہ سے چلے گی ابا جان! اتنے آدمی جمع ہیں یہاں! تم یہاں رہ کر انہیں آگ لگانے سے منع کرو گے؟ (موہر سر

کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیتا ہے ، تو پھر میں بھی یہاں ہی ٹھہروں ؟

موُر ۔ (انکار میں سر ہلاتا ہے)

بچّی ۔ کیوں ؟

موُر ۔ (اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر) میری جان اب تم جاؤ ! جلدی کرو جلدی ——

بچّی ۔ (وہ بھی چلی جاتی ہے مگر منہ پھیر کر اسے دیکھتی رہتی ہے ۔ موُر دروازہ تک اس کے ساتھ جاتا ہے ۔ موٹر کے ہارن کی آواز سنتا رہتا ہے ۔ جو مجمع میں سے بہت ہی آہستہ آہستہ اپنا راستہ بناتی ہوئی بڑھ رہی ہے وہ یہ دیکھ کر واپس آجاتا ہے)

موُر ۔ تنہا ، اکیلا —— قیامت سے قبل زمین پر کا آخری انسان !

آواز ۔ (اچانک ایک آواز گلی میں سے شور و شغب سے بلند تر ہو کر سنائی دیتی ہے) ۔ ہاں ! یہ رہا ۔ یہاں ہے وہ موُر —— غدّار وطن —— دشمنِ ملک و قوم ! (انڈے اور سنگتروں کے چھلکوں کی بارش کھڑکیوں پر شروع ہو جاتی ہے ۔ بہت سی آوازیں ایک ساتھ بلند ہو جاتی ہیں)

موُر غدّار —— موُر دشمن وطن ! کھڑکی کے شیشوں میں سے جھنڈیاں اور روشن مشعلیں صاف نظر آرہی ہیں ۔

مجمع لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی!
مُور کھڑا ہوا دیکھتا رہتا ہے۔ لیکن اس کی نگاہیں ابھی تک موٹر کے تعاقب میں جا رہی ہیں۔ کہ اچانک کھڑکی کے شیشے پہ ایک پتھر آکر لگتا ہے اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔ مجمع میں سے قہقہہ کی صدا بلند ہوتی ہے۔ پھر دوسرا پتھر آکر لگتا ہے۔ مُور ادھر کا رُخ کرتا ہے۔ نفرت و حقارت کے جذبات اس کے چہرے سے عیاں ہیں۔ شعلوں کی روشنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آ رہا ہے۔ لیکن اچانک اس کی ایسی حالت ہو جاتی ہے گویا اُس نے کچھ دیکھا ہی نہیں اور وہ کمرے میں واپس آجاتا ہے اور سرنگوں ہو کر بیٹھ رہتا ہے! شور ساعت بساعت ترقی پذیر ہے۔ ایک تیسرا پتھر اندر آکر گرتا ہے۔ مُور سر اُٹھا کر دیکھتا ہے۔ اور اپنے سامنے نظر کرتا ہے۔ ہنری بدحواس اور پریشان اندر داخل ہوتا ہے!)

مُور۔ میرا خیال تھا۔ کہ تم چلے گئے؟

ہنری۔ جناب عالی میں واپس آگیا ہوں!

مُور۔ خدا رحم فرمائے!

ہنری۔ جناب عالی۔ وہ دروازہ توڑ رہے ہیں ——— اس طرح دوسروں کے گھروں میں گھسنے کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں ہے! کیا حق ہے ان کو؟ (مجمع اس وقت اندر داخل ہونا چاہتا ہے۔ ہنری مردانہ وار مقابلہ

کرتا ہے۔ لیکن ایک کی دوا ــــــــ دو ــــــــ ایک ساعت کے بعد اس کا وجود بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ مجمع مرد و زن اور ہر قسم افراد پر مشتمل ہے۔ طلبائ ملازمین۔ لڑکیاں لڑکے۔ عوام اور بوائے سکاوٹ تک بھی موجود ہیں۔ بہتوں نے نقاب پہن رکھے ہیں۔ اکثروں نے عجیب و غریب لباس پہنا ہوا ہے۔ بعض کے ہاتھوں میں مشعلیں اور بانس ہیں اور ان کو اِدھر اُدھر ہلا رہے ہیں۔ طلباء اس مجمع کے رہنما بنے ہوئے ہیں۔ جن میں ایک مضبوط و توانا نوجوان کھلاڑی سب سے پیش پیش ہے۔ اس کا سر ننگا اور مونچھیں بڑی بڑی ہیں۔ اپنے ڈیل ڈول کی وجہ سے مجمع پہ چھایا جا رہا ہے۔ جب شور و شغب ذرا کم ہوتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے۔

نوجوان۔ ہاں لڑکو! وہ رہا! شاباش! (طلباء مور پہ جھپٹتے ہیں۔ اور اُسے اپنے کندھوں سے اونچا اُٹھا لیتے ہیں! تمام کمرے میں لئے گھومتے پھرتے ہیں۔ جب اس طرح وہ دو چکر کمرے میں لگا چکتے ہیں۔ تو ان کا حکمران آواز دیتا ہے) نیچے اُتار دو اب! (وہ فوراً نیچے اُتار کر اُسے ایک میز پہ بٹھا دیتے ہیں۔ اور اُس کو گھورتے رہتے ہیں)۔

حکمران نوجوان۔ تقریر جناب! آپ کی تقریر۔ (سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ مور ادھر دیکھتا ہے) ہاں تو پھر آپ کی وہ تقریر کہاں ہے؟ جلدی

کہیئے جناب؟

مُور۔ بہت اچھا۔ تم یہاں اس لئے آئے ہو۔ کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لو۔ تمہارا قانون ہے۔ محض طاقت۔ اس حالت میں اب جو تم چاہو۔ میرے اس جسم کے ساتھ سلوک کر سکتے ہو!

ایک آواز۔ اور ہم جو چاہیں گے کریں گے!

مُور۔ مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں! لیکن اس سے پیشتر میں چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں!

ایک آواز۔ ضرور کہیئے جو کچھ کہنا ہے (مجمع میں سے ایک آدمی گدھے کی آواز نکالتا ہے)

مُور۔ مجمع اور اُس کے افعال آج ہی نہیں ہمیشہ سے انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ رہے ہیں! جس وقت مجمع کی حکومت کسی ملک میں شروع ہوتی ہے۔ تو خدا کی حکومت اُس ملک سے رخصت ہو جاتی ہے۔

نوجوان۔ ذرا احتیاط سے گفتگو کرو جناب!

ایک آواز۔ جان سے مار دو جی اس کنگلے کو!

مُور۔ میرے دوستو میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوں اور نہ میں تم سے ڈرتا ہوں۔ تم میرے گھر میں ناجائز طور پر گھس آئے ہو۔ اور مجھے تقریر کرنے کے لئے کہتے ہو! لیکن حقائق اور صداقت کی تلخی برداشت کرنے کی

تم میں طاقت نہیں ہے۔ تم کمزوروں اور نہتوں پر ظلم کرنے، عورتوں اور بچوں کو خوف زدہ کرنے کے عادی ہو۔ آزادئ ضمیر اور آزادی تقریر کے دشمن آج اس طرح اور کل اس کے برعکس کرنے سے بھی تمہیں عار نہیں ہوگی!

اگر انسانیت کی تذلیل اور ذلّت کہیں مکمل طور پر ہوتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں سے! تم مجسم خباثت ہو!! ورنہ خباثت پھر دنیا میں کہیں ہے ہی نہیں! تم مجسم بزدل ہو۔ ورنہ بزدلی دنیا کے پردہ پر کہیں بھی موجود نہیں۔ حبِ وطن کے یہ معنی نہیں ہیں! حبِ وطن دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو وہ جو ہمارے سپاہیوں کے سینہ میں جاگزیں ہے دوسری وہ جو مجھ میں ہے۔ تم محبِ وطن نہیں ہو! تم میں ان میں سے کوئی سی بات بھی نہیں ہے!........

نوجوان۔ (مجمع کو روکتے ہوئے) ٹھہرو۔ ٹھہرو (مور سے) قسم کھاؤ کہ آئندہ اس قسم کی خرافات اپنے وطن کے خلاف زبان سے نہیں نکالوگے! قسم کھاؤ جلدی!

مجمع۔ بے شک! بے شک! قسم کھاؤ جلدی!

مور۔ میرا وطن۔ تمہارا وطن نہیں ہے! میرا وطن وہ ہے جس کی بنیادیں کمزوروں اور ضعیفوں کی بربادی پر قائم نہیں ہیں! تم میرے گھر کو آگ لگا سکتے ہو!

میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا سکتے ہو۔ لیکن میرے عقیدے کو تم مجھ سے چھین نہیں سکتے! میری روح کو تم مغلوب نہیں کر سکتے! اگر تم دس لاکھ بھی جمع ہو جاؤ۔ تو میرے ایمان کو تم سے شمہ بھر بھی ضعف نہیں پہنچ سکتا!

(ایک لڑکی تکہ سے اُس پر حملہ کرتی ہے)

لڑکی ۔ تم ان کی حمایت کرتے ہو ۔ جنہوں نے میرے منسوب کو قتل کر ڈالا۔ (مُور مُسکراتا ہے اور لڑکی ایک بوائے سکاوٹ کی پیٹی سے چاقو جھپٹ کر اس پر حملہ کرتی ہے) کُتّے ۔ خوفناک کُتّے تو مُسکراتا ہے؟ ۔ (پیچھے سے مجمع کو ایک دھکا سا لگتا ہے ۔ مُور مجمع کے اندر جا گرتا ہے خوفناک چیخیں ۔ شور و شغب اور غل غپاڑہ اس قدر زیادہ ہو جاتا ہے ۔ کہ کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی ۔ نوجوان چلا کر کہتا ہے)

ٹھہرو خدا!

دوسرا آدمی ۔ میرے خدا!

نوجوان ۔ ٹھہرو ۔ اِسے سانس لینے دو! (مجمع پیچھے ہٹ جاتا ہے ۔ دو طالب علم مُور پر جُھک کر اُس کے بازوؤں اور سر کو سہارا دیتے ہیں ۔ لیکن وہ نیچے آ رہتے ہیں)

نوجوان ۔ بخدا ۔ وہ تو مر گیا! (نوجوان کے منہ سے اس آواز کے سنتے ہی

سب خوف زدہ ہو جاتے ہیں! ایک شخص بٹن دبا کر روشنی بجھا دیتا ہے اور مجمع اندھیرے میں غائب ہو جاتا ہے۔ مُور کی نعش وہیں پڑی رہ جاتی ہے "غریب آخر تک استقلال کے ساتھ اپنے عقیدے پر قائم ہی رہا" یہ الفاظ کہتا ہوا نوجوان یونین جیک اُٹھا کر اُس کے سینہ پر رکھ دیتا ہے اور خود بھی وہاں سے کھسک جاتا ہے)

مَابعدُ المَوت

صبح کا وقت ہے پھول کھل رہے ہیں باغ میں ایک سیاہ سنگین مجسمہ پر نظر پڑتی ہے کافی روشنی پھیل جانے کی وجہ سے ہر چیز صاف طور پر نظر آ رہی ہے مجسمہ کی بنیاد کے پتھر پر جو حروف کندہ کئے گئے ہیں وہ بھی صاف طور پر پڑھے جاتے ہیں۔

تعمیر شُد

بیادگار سٹیفن مُور جو آخر وقت تک اپنے اعتقادات پر قائم رہا اور

موت کا ڈر بھی اُسے ان سے منحرف نہیں کر سکا!

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجسمہ اپنے سامنے دیکھ کر مسکرا رہا ہے اس کے دونوں کندھوں اور ننگے سر پہ تین چڑیاں بیٹھی ہوئی تھیں اور باغ میں پرندے چہچہا رہے تھے۔

پردہ گرتا ہے!

(گالزوردی)

سینما میں ایک شام

ہدایات

شام کے ۶ بجے کا وقت ہے۔ سردیوں کے دن ہیں۔ پردہ اٹھنے پر ایک سینما ہال کی نشست گاہیں ظاہر ہوتی ہیں۔ پردہ کے قریب فرسٹ کلاس کی کچھ سیٹیں نظر آتی ہیں۔ درمیانی قطار کے سرے پر دو خوبرو لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ دونوں اٹھارہ سال سے کم عمر کی معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک نیلے رنگ کی ساڑھی میں ملبوس ہے، رنگ کھلتا ہوا سانولا۔ نقش تیکھے۔ آنکھیں شوخ، دوسری بالکل سفید لباس میں ہے، متین اور باوقار۔ رنگ گورا۔ نقش معمولی لیکن آنکھوں میں ایک چمک سی ہے۔ جس سے چہرے کی سادگی

ہیں بھی حُسن سا معلوم ہوتا ہے۔ تماشہ شروع ہونے میں ابھی آدھ گھنٹہ کا دفعہ ہے"

سفید لباس والی:۔ "تم مجھے یونہی کھینچ کے لے آئیں امتیاز۔ ہندوستانی تصویروں میں ہوگا وہی جو ہوتا ہے۔ ہیرو اور ہیروئن ایک دوسرے کو دیکھ کر غش کر جائیں گے ———"

نیلی ساڑھی والی۔ (بات کاٹ کر) اور نہیں ہنسی آجائے گی۔ کیوں شمیم ؟

شمیم:۔ "نہیں ڈائرکٹروں کی عقل پہ رونا آجائے گا"

امتیاز۔ تو سلوچنا کے گانے کا بھی لطف آئے گا کہ نہیں ؟

شمیم۔ جی ہاں سلوچنا بھی گائیں گی یسیدھی پھیر دیں گا تے ہوئے دانتوں پسینہ آئے گا۔

امتیاز۔ ہنس کر۔ تو کیا اُس سے مالکونس کا ترانہ سُنکر تماشائیوں کو بھگا دینا چاہتی ہو ؟

شمیم۔ ٹھیک ہے بدذوقی تماشائیوں کی ہے۔ میں کہتی ہوں یہ لوگ کرتے کیا آتے ہیں۔

امتیاز۔ ہر ایکٹرس میں ایک ہونے والی محبوبہ کا خواب دیکھنے۔

شمیم۔ (چونک کر) خواب دیکھنے ؟

امتیاز ۔ کنکھیوں سے شمیم کی طرف دیکھتی ہے ۔ شمیم کے چہرے پہ متانت زیادہ گہری نظر آتی ہے ۔ ساتھ ہی یوں معلوم ہوتا ہے گویا کچھ کھوئی سی گئی ہے ۔ کچھ عرصہ امتیاز شمیم کی طرف دیکھتی رہتی ہے ۔ پھر زیر لب گنگناتی ہے ۔

میری آنکھوں میں کبھی جلوے تھے ان کے حسن کے
میری آنکھوں نے کبھی دیکھا تھا اک خواب نشاط

شمیم ۔ (مسکرا کر) یہ کیا گنگنا رہی ہو ؟

امتیاز ۔ خواب دیکھ رہی ہوں ——— لو اب کھل جاؤ ۔ بوقت مے پرستی ایک دن ——— وہ نہ ہم چھیڑیں گے ۔

شمیم ۔ رکھ کر عذر مستی ایک دن (ہنس کر) ہماری منگنی ہو گئی جی ۔

امتیاز ۔ تو پھر خواب کی تعبیر ٹھیک نہیں نکلی ۔

شمیم ۔ یہی تو مزے کی بات ہے کچھ پتہ نہیں ۔

امتیاز ۔ (اشتیاق سے) پہیلیاں نہ بجھاؤ ۔ اتا پتہ بتاؤ ۔

شمیم ۔ مجھے تو طلسمات کا سا رنگ معلوم ہوتا ہے ۔ میرے چچا زاد بھائی کی شادی پہ تم آئی تھیں نا ، اس موقع پہ ہمارے خالو ، بیس سال سے کلکتہ رہتے ہیں آئے تھے ۔ خالہ کو سلام کیا خالو سے ملی ۔ خالہ زاد بھائی بہنوں کے نام سنے اور لیجیے انہیں میں سے ایک کے ساتھ منگنی

ہو گئی۔

امتیاز۔ واہ واہ۔ اچھا خاصا رومان بن گیا۔

شمیم۔ جی ہاں رومان بن گیا۔ انہیں دیکھا نہ سُنا۔ میں کہتی ہوں ہمیں پڑھا لکھا کر نادیدہ خاوندوں کے حوالے کرنا ہوتا ہے تو ——،

امتیاز۔ (بات کاٹ کر) یہ بتاؤ انہوں نے تمہیں دیکھا کہ نہیں وہ ہیں کون اور کیا کرتے ہیں۔

شمیم۔ ہاں انہوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ ہماری خالہ زاد بہن ہمارے پاس آئیں بھابی بھابی کہہ کے بلایا ...... " اور جاتے جاتے سنا گئیں "ہمارے اختر نے تمہیں بہت پسند کیا" جی میں آتا تھا پیٹ میں چھری گھونپ دوں، لیجیے ہمیں اختر نے بہت پسند کیا بتائیے ہم اصطبل کی گھوڑیاں ہوئیں کہ نہیں۔ لو اب گنگناؤ۔

میری آنکھوں نے کبھی دیکھا تھا اک خواب نشاط

روشنیاں بجھ جاتی ہیں تماشہ شروع ہوتا ہے۔ ایک خوش پوش نوجوان جو پچھلی قطار میں بیٹھا تھا۔ شمیم سے مخاطب ہوتا ہے۔

خوش پوش نوجوان۔ معاف فرمائیے گا۔ اپنے سر کو آپ ذرا بائیں طرف رکھیں میں کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ ہاں اندازے سے کہہ سکتا ہوں جو حصہ مجھے تصویر کا سیاہ نظر آتا ہے وہاں آپ کا رخسار اور ناک ہونا چاہیئے۔

(شمیم جلدی سے دائیں طرف ہو جاتی ہے)

شمیم۔ (زیر لب امتیاز سے) "کس قدر گستاخ"

امتیاز۔ لیکن آواز کس قدر سریلی ہے۔

شمیم۔ چلو ہٹو تمہارا جمالیاتی نقطہ نظر اور تم!

امتیاز۔ اچھا بحث بحثی ختم کہ میں ہیرو ئن کا اظہار عشق غور سے سننا چاہتی ہوں ـــــــ"

خوش پوش نوجوان۔ معاف کیجئے گا، مجھے پھر آپ بولنے پہ مجبور کر رہی ہیں۔ آپ میرے اور تصویر کے درمیان پھر حائل ہو گئی ہیں۔ آپ کے بالوں کی خوشبو مشام جاں کے لئے راحت سہی لیکن نہ اس قدر کہ میں تصویر سے محروم کر دیا جاؤں۔

شمیم ـ (بھڑک کر) آپ کے لئے پولیس کو بلانا پڑے گا۔ شرم نہیں آتی آپ کو۔

خوش پوش نوجوان۔ پولیس کو بلا کر آپ کیا کریں گی۔ یہی نا کہ قانون سے عدم واقفیت کا ثبوت دیں گی۔

اِدھر اُدھر سے چُپ رہو چُپ رہو کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ چار آنے والے درجہ میں سے "لیٹ اوے لیٹ اوے" کے نعروں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ خوش پوش نوجوان چُپ ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصے

کے بعد انٹر ول ہوتا ہے۔ شمیم کنکھیوں سے اور امتیاز دیدہ دلیری سے خوش پوش نوجوان کی طرف دیکھتی ہیں۔ ہنستا ہوا کھلنڈرا چہرہ۔ موٹی موٹی آنکھیں، چھریرا بدن، چہرے پر خفیف سے چیچک کے داغ، لباس میں وہ خوش ذوقی جو صدیوں کی خاندانی امارت اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

امتیاز۔ (شمیم کے کان میں) "کہیں پولیس کے حوالے نہ کردینا غریب کو اچھے گھر کا لڑکا معلوم ہوتا ہے"۔

شمیم۔ (اسی آواز میں) "تو اچھے گھر کے لڑکے بالوں کی خوشبو گنا یا کرتے ہیں؟"

امتیاز۔ اچھا بھئی کردو پولیس کے حوالے۔

خوش پوش نوجوان آگے جھک کر اور شمیم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے "معاف فرمائیے آپ خفا ہو گئیں میرا مقصد تو یہ نہ تھا۔ میں پھر نہہ دل سے معافی کا خواستگار ہوں"۔ پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد) لیکن میں کہے دیتا ہوں "اتنی معافیاں نہ منگوائیے"۔

شمیم۔ حیرت سے نوجوان کی طرف دیکھتی ہے۔ نوجوان ہنستا ہوا باہر نکل جاتا ہے۔

امتیاز۔ "لو اب کردو پولیس کے حوالے۔

شمیم کچھ کھوئی ہوئی سی ہے۔ گویا کچھ سُن نہیں رہی۔

انتیاز ۔" سنو تو تم نے یہ نہ بتایا تمہارے منگیتر کا نام کیا ہے اور کرتے کیا ہیں "

شمیم ۔ (بددلی سے) نام ہے ان کا اختر حسین اور کرتے ہیں ڈاکٹری"

تماشہ پھر شروع ہوتا ہے ۔ ختم ہونے کے بعد دونو باہر نکلتی ہیں۔ دروازے کے پاس دو نوجوان کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہی ہے جس سے شمیم کی جھڑپ ہو چکی ہے ۔ شمیم دونوں کو یکجا دیکھ کر چونکتی ہے ۔ جھڑپ والا نوجوان ان دونوں لڑکیوں کو دیکھ قہقہہ مار کر ہنستا ہے اور چلا جاتا ہے۔

شمیم ۔ (دوسرے نوجوان کے پاس پہنچ کر) "آپ بھی تماشہ دیکھنے آئے تھے بھائی جان ؟"

نوجوان " ہاں آؤ چلیں "۔

شمیم اور انتیاز سر جھکائے چل رہی ہیں ۔ انتیاز شمیم کو بار بار ٹھوکے دیتی ہے شمیم بہت ضبط کرتی ہے لیکن رہ نہیں سکتی۔ آخر پوچھتی ہے۔

شمیم ۔ یہ آپکے ساتھ کون تھا بھائی جان ؟

انتیاز ہمہ تن اشتیاق ہے شمیم ہمہ تن شرم ۔

شمیم کا بھائی " تم نہیں جانتیں ؟"

(ہنستا ہے)

شمیم۔ (چڑ کر) "ہٹ ہٹیے نا"

شمیم کا بھائی "یہ ہیں ہمارے خالہ زاد بھائی اختر حسین تھے"

(شمیم کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہے اضطراراً گنگناتی ہے۔

میری آنکھوں نے کبھی دیکھا تھا اک خواب نشاط

شمیم کے بھائی کو ہنسی کا دورہ پڑتا ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

افراد

فرحت بانو۔ لکھنؤ کے ایک معزز خاندان کی تعلیم یافتہ نوجوان خاتون۔

ناظم علی۔ علی گڑھ کے گریجوایٹ۔ فیض آباد کے رئیس اور فرحت کے میاں۔

نوشابہ بیگم۔ ایک بہت پرانے اصول اور خیالات کی مذہبی خاتون اور فرحت کی والدہ۔

احسن۔ ایک بہت خوش مذاق نوجوان اور فرحت کے قریبی رشتہ کا بھائی۔

شمی۔ فرحت کی ننھی سی پیاری بچی۔

نوکر۔ (حبیب اور رشید)

ماما بیٹی ۔ (شہیدہ اور منیرا)
نرس ۔

پہلا سین

(وقت آٹھ بجے صبح) فیض آباد میں فرحت کے زنانہ مکان کا ایک کمرہ جس میں صاف و شفاف فرش پہ ایک بہترین قالین بچھا ہوا ہے ۔ ایک طرف شیشے کی ایک خوب صورت الماری ہے جس میں متعدد عطر دان اور مختلف نقرئی اور طلائی چیزیں رکھی ہیں اور دوسری جانب دیوار میں دو الماریاں ہیں جن میں اردو کی بہت سی اچھی اچھی کتابیں سلیقہ کے ساتھ رکھی ہیں ۔ دیوار پہ تصویریں جن میں عمر خیام کی رباعیوں کی تفسیر بیان کی گئی ہے ۔ آویزاں ہیں دروازوں پہ موتیوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں ۔ ایک گوشے میں ایک چھوٹی سی میز پہ ایک بہت ہی خوب صورت ہارمونیم رکھا ہے ۔ فرحت ایک گاؤ تکیہ سے لگی ہوئی صدر میں بیٹھی ہیں اور سامنے ایک نہایت ہی پُر تکلف پاندان کھلا ہوا ہے ۔ اس کمرے سے ملا ہوا ایک دوسرا کمرہ ہے ۔ جس میں دو مسہریاں نظر آرہی ہیں ۔ اور ان کی صاف و شفاف چادریں اور تکیہ کے غلاف کی

گل کاریاں فرحت کے اعلیٰ مذاق اور نفاست پسندی کی شاہد ہیں
اس کمرے میں ایک خوب صورت سا سنگار دان بھی ہے جس پہ
تیل و عطر اور کریم کی متعدد شیشیاں اور اچھے اچھے برش رکھے ہوئے
ہیں اور دوسری جانب ایک اوٹ پہ کچھ کپڑے نہایت سلیقہ کے
ساتھ رکھے ہوتے نظر آرہے ہیں۔

فرحت :- بدخشانی خاندان کی ایک شاندار خاتون ہیں۔ سرخ و سفید رنگ،
جسم البیا جس کو تہذیباً تندرست اور بے تکلفاً فربہ کہا جا سکتا ہے پیشانی
کے بل یہ بتا رہے ہیں کہ آپ ذرا تنک مزاج بھی واقع ہوئی ہیں۔ ایک پان
منہ میں ہے۔ دوسرا سامنے رکھا ہے۔ اور تیسرا بنایا جا رہا ہے۔

سامنے ایک وحشت ناک قسم کی خادمہ کچھ عجیب بے ڈھنگے انداز
میں کھڑی ہے۔ اس کی آنکھیں بھی بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔
ایک آنکھ سے وہ دلی کے قطب مینار کا جائزہ لیتی ہے۔ اور دوسری
خلیج بنگال میں تیرتی رہتی ہے۔ ایک بچی اس کی گود میں ہے۔ اور دوسرا
لڑکا اس سے لگا کھڑا ہے۔ اور یہ دونوں کو ایک ہی سانس میں پوری
فصاحت و بلاغت کے ساتھ ڈانٹ رہی ہے۔

کمرے کے ایک کونے میں ایک بڑھی بی اپنے خیال میں پنکھا کھینچ رہی
ہیں۔ لکھنؤ میں جب غدر ہوا۔ اور اودھ کی سلطنت ہمیشہ کے لئے تباہ

ہونے لگی تو قدرت نے ان کو اس دور کی ایک زندہ یادگار بنا کر اس دنیا میں چھوڑ دیا اور ان سے کہہ دیا ہے کہ ہندوستان میں جب فرنگیوں کی حکومت رہے تم کم سے کم اودھ کے رہنے والوں کو اپنی عظمت دیرینہ کی یاد دلاتی رہنا۔ یہ بڑی بی نہ آنکھوں سے دیکھتی ہیں اور نہ کانوں سے سن سکتی ہیں۔ اور جب بیٹھے بیٹھے اونگھ جاتی ہیں تو کسی کے "مبتر ابی" کہہ دینے پر وہ اپنے فرض کو ادا کرنے کے لئے اسی سرگرمی کے ساتھ تیار ہو جاتی ہیں۔

اس وقت کمرے میں احسن ہنستا ہوا داخل ہوتا ہے یہ ایک دلچسپ قسم کا بے تکلف نوجوان ہے اور فطرت میں ظرافت بہت ہے۔ ابھی علی گڑھ میں پڑھ رہا ہے اور چھٹیوں میں اپنے عزیزوں سے ملنے فیض آباد آیا ہوا ہے۔ یہ فرحت سے ہے تو چھوٹا۔ لیکن ان کی بزرگی تسلیم کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں۔ اس نے آتے ہی کہا۔)

احسن۔ آہا۔ فرحت باجی تسلیمات عرض ہے۔ کہیئے کمروں کی صفائی ہو چکی؟ کوئی تنکا بے جگہ تو نہیں پڑا ہوا ہے؟ پاندان شریف کا جائزہ لے چکیں؟ ہاں، اور ان الماریوں کی چیزوں کو نکال کر آپنے صاف نہیں کیا؟ دیکھئے اس کمرے کے اس کونے والی میز کی چادر کے جنوبی کونے کے مشرقی رخ پہ ایک چھوٹا سا داغ نظر آ رہا ہے۔ کیوں نہ اس ٹیبل کلاتھ کو آپ

فوراً بدل دیں ؟ اوہو، آج آپنے تصویروں کے فریم کو بھی پوری مستعدی کے ساتھ صاف نہیں کیا ہے بہتر ہے کہ ......

فرحت ۔ (بات کاٹتے ہوئے) احسن خدا کے لئے سر نہ کھاؤ۔ تم خود بد تمیز ہو نا! بس چاہتے ہو کہ دوسرا بھی ایسا ہی ہو جائے ۔ تم ہو پورے وحشی! جہاں چاہا بیٹھ گئے ۔ جیسے کپڑے ملے پہن لئے ۔ ٹوپی پھٹی ہوئی ہے تو کوئی پرواہ نہیں ۔ شیروانی پر روشنائی گری ہوئی ہے تو خبر تک نہیں ہر حال میں مست ہیں! بس تم کو تو صرف مجھے چھیڑنے اور مجھ سے خواہ مخواہ لڑنے سے کام ہے نا!

احسن :۔ اللّٰہی خیر! محترمہ فرحت بانو لکھنوی ثم بدخشانی کو آخر غصہ آ ہی گیا محترم خاتون! میں آپ کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ "بزرگی بعقل ست نہ بسال" اور کیا میں آپ سے دریافت کر سکتا ہوں کہ اللہ میاں کے ہاں جس وقت عقل سلیم تقسیم ہو رہی تھی ۔ اس وقت آپ آرام فرما رہی تھیں یا اسی کمرے میں گاؤ تکیہ سے لگی پان نوش جان فرما رہی تھیں ؟ ہاں صاحب ، آپ بہت خوش سلیقہ ہیں مکان کی صفائی اور کمروں کی سجاوٹ میں آپنے متعدد ڈگریاں لی ہیں یہ چیز یہاں کیوں رکھی ہے ، وہ تنکا وہاں کیوں پڑا ہے ، یہ معمولی مسائل تو ہیں نہیں جو سوائے آپ کے کوئی دوسرا حل کر سکے ۔ ہاں تو آج آپ نے

مجھے اپنے پاندان کی مفصّل کیفیت نہیں سُنائی، جس کی وجہ سے مجھے بے حد قلق ہے ....

فرحت ۔ (پھر بات کاٹتے ہوئے) احسن اس وقت تمہاری شامت آگئی ہے۔ بکواس کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ تمہاری بلا سے میں جیسی بھی ہوں۔ بس تمہیں ہر ایک کو بنانا ہی تو آتا ہے (یکایک ماما کی طرف متوجہ ہو کر) اری شہیدا! تم کو میں نے کتنی بار کہا کہ صبح سب سے پہلے میرے پاندان کو اچھی طرح صاف کر دیا کرو۔ مگر تم کو یاد ہی نہیں رہتا۔

احسن ۔ لیجئے تسلیم!

فرحت ۔ (ٹالتے ہوئے اور دوسری طرف مڑ کر) اری او منیر! ذرا پنکھے کی ڈوری لے لونا۔ کیسے غضب کی گرمی پڑ رہی ہے (اس کے بعد نوکر سے) ارے او حبیب۔ باہر صاحب کے پاس کون کون ہے؟ برج کا سلسلہ کیا آج صبح ہی سے شروع ہو گیا؟ ذرا ان کو اندر بھیج دینا۔ سمجھے؟

احسن ۔ فرحت بجیا! ذرا مجھے پانی پلا دیجئے۔

فرحت ۔ ہائیں یہ کیا بدتمیزی ہے؟ خود سے جا کر کیوں نہیں پی لیتے؟

احسن ۔ نہیں صاحب آپ ہی کو تکلیف کرنی ہو گی اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو پھر یہ دیکھئے میں آپ کی چیزوں کو منتشر کرتا ہوں۔

فرحت۔ (گھبرا کر) نہیں بھئی خدا کے لئے رحم کرو۔ میں پانی پلائے دیتی ہوں
مگر تم تو جب تک بیٹھے رہو گے پانی پیتے رہو گے۔

احسن۔ (تھوڑا سا پانی پی کر گلاس فرش پہ رکھتے ہوئے) اچھا فرحت باجی،
اب کوئی گانا سنائیے۔ دیکھوں آپ نے ادھر کچھ ترقی کی ہے
یا نہیں۔

فرحت۔ نہیں بھئی اس وقت مجھے معاف رکھو۔ میری آواز کل سے بالکل
خراب ہو رہی ہے۔

احسن۔ تو گویا آپ کی آواز جیسے کبھی اچھی بھی تھی۔ ارے میں تو آپ کی ہمت
افزائی کرنا چاہتا ہوں۔ ورنہ آپ کو موسیقی سے جتنا لگاؤ ہے۔ یہ
کوئی مجھ سے پوچھے۔ بس گاتی ہیں یا نہیں۔ ورنہ کہئے میں آپ کے
باجے کی خبر لوں،

فرحت۔ احسن، تم بڑے ہی تکلیف دہ آدمی ہو، چلو باجہ اٹھا لاؤ۔ (احسن
جلدی میں باجہ لانے جاتا ہے تو گلاس فرش پہ الٹ جاتا ہے) ارے
وحشی، میرا سارا فرش خراب کر ڈالا۔ اب تم ہی اس کو صاف کرو۔

احسن۔ بس آپ کے اسی ٹھاٹھ سے مجھے غصہ آتا ہے۔ ذرا سا پانی گر گیا تو
بیگم صاحبہ اپنے فرش کے لئے رونے لگیں۔ آخر وہ گھر بھی تو ہوتے
ہیں۔ جہاں چھوٹے چھوٹے بچے ہر وقت اور ہر جگہ ہر چیز کو خراب

کرتے رہتے ہیں۔ افسوس یہاں کوئی بچہ نہیں۔ ورنہ میں پھر دیکھتا کہ آپ کے یہ ٹھاٹھ کہاں تک قائم رہتے۔

فرحت۔ نہیں، بچوں کو اگر سلیقہ سے رکھا جائے تو کیوں کوئی چیز خراب ہونے لگی؟ (پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو جاتی ہیں)

احسن۔ اچھا صاحب آپ بہت خوش سلیقہ ہیں۔ چلئے گانا سنایئے۔

فرحت۔ (باجہ کی پڑیوں پہ انگلیاں چلاتے ہوئے) کہو۔ کیا سناؤں؟

احسن۔ بس کوئی سیدھی سادی غزل۔ پکّے گانے سے میں ذرا گھبراتا ہوں (ذرا رک کر) ہاں تو پھر شروع کیجئے۔

فرحت۔ ٹھہرو۔ ذرا انترا ملالوں۔

احسن۔ یہ سنگترے کا چھوٹا بھائی ہے کیا؟

فرحت۔ نہیں تمہارا سر ہے! اب تک انترا بھی نہیں جانتے۔

احسن۔ (جھینپتے ہوئے) اچھا اچھا سنایئے بھی!

فرحت۔ "الٰہی کیسی مصیبتوں میں یہ ہند والے پڑے ہوتے ہیں"

احسن۔ توبہ، توبہ، یہ کیا غیر شاعرانہ چیز شروع کر دی۔ بس۔ بس۔ ختم کیجئے۔

فرحت۔ اچھا لو یہ سنو "میں کہاں سے لاؤں وہ جذبۂ دل۔۔۔۔۔"

احسن۔ (فوراً روکتے ہوئے) نہیں نہیں یہ بھی نہیں سنتا۔ کچھ اور کہئے۔

فرحت۔ (مسکراتے ہوئے) مگر مجھے تو یہی پسند ہے۔ ہاں،۔۔۔۔۔" میں
کہاں سے لاؤں۔۔۔۔۔۔"

احسن۔ (باجہ روکتے ہوئے) میں اسے نہیں سننا چاہتا۔

فرحت۔ اچھا لو یہ سنو ۔

"تمہیں ستاروں نے بے اختیار دیکھا ہے
شبِ بہ چاند نے بھی بار بار دیکھا ہے"

احسن۔ ہاں، یہ ایک بات ہوئی!

فرحت۔ اچھا احسن یہ بتاؤ کہ میں کس دُھن میں اس چیز کو گا رہی ہوں؟

احسن۔ یہ "مہاکوشال لوپری" ہے۔

—— ارے آپ اتنا بھی نہیں جانتیں؟ تعجب ہے! بھئی، اسکی راگنی
ہے یہ سرکھیل نارنجی "سمجھیں"؟

فرحت۔ (بے ساختہ ہنستے ہوئے) بس حد ہو گئی!

(دور سے آواز آتی ہے "بیگم۔۔۔۔۔ بیگم
۔۔۔۔۔ ارے او بیگم۔۔۔۔ دیکھو میں تمہارے
لئے لیمپیا لایا ہوں" (ناظم علی ہاتھ میں
ایک چھوٹا سا لیمپ لئے چلے آرہے
ہیں)

فرحت۔ (ذرا طنز آمیز لہجہ میں) کیوں صاحب آج پہلا "ربڑ" اتنا جلد ختم ہو گیا؟

ناظم۔ او ہو بیگم I AM REALLY VERY SORRY ہوا یہ کہ آج صبح پیارے مرزا آ گئے۔ انہوں نے کہا "ناظم، میں شام کو رائے بریلی جا رہا ہوں۔ لہٰذا اسی وقت ایک نشست ہو جائے۔" میں نے کہا۔ اچھی بات ہے۔

احسن۔ (نہایت سنجیدگی کے ساتھ) ناظم بھائی۔ یہ "لیمپیا" کے لغوی معنی کیا ہیں؟

ناظم۔ لیمپ کی بیگم (سب لوگ ہنس دیتے ہیں) اچھا بیگم ایک پان دے دو۔ میں چلا (پان لیتے ہوئے) ہاں، اور سنا بیگم؟ کلب میں مسٹر پیکوک سے بھی تو مل آیا۔

مسز پیکوک تمہیں پوچھ رہی تھیں۔ مجھے ابھی مسٹر جانسن کے ہاں بھی جانا ہے۔ آج شام کو ٹینس ان ہی کے ہاں ہے۔ اس کے بعد پھر کلب جاؤں گا۔

فرحت۔ تو گویا آج بارہ بجے تک کی خبر لی آپ نے۔ کیوں؟ ذرا سویرے آ جایا کیجئے۔

ناظم۔ (نیازمندانہ انداز میں سر جھکاتے ہوئے) "آداب۔ کے"

احسن۔ یہ پکوک کیا کسی اشرف المخلوقات کا نام ہے اور کیا اس کی بی بی بھی ہوتی ہے؟

ناظم۔ ارے یار یہ فیض آباد کے کلکٹر ہیں۔ تم جانتے نہیں؟

احسن۔ مگر بھئی ان کو تو "بنارسی باغ" کا کلکٹر ہونا چاہیئے تھا۔

ناظم۔ (ہنستے ہوئے) تم بڑے شریر ہو احسن۔

(ناظم سیٹی بجاتے اور ایک ہاتھ میں پان لئے ہوئے باہر چلے جاتے ہیں)

احسن۔ ہاں، فرحت باجی تو پھر اس غزل کو ختم کیجیے نا۔

فرحت۔ (پان کھاتے ہوئے) ہاں سنو ــــ

"کبھی چمن میں گئی ہو تو مست پھولوں نے
نگاہِ شوق سے آئینہ دار دیکھا ہے"

احسن۔ چیز تو بہت اچھی ہے۔ مگر آپ کو گانا ہی نہیں آتا (فرحت منہ چڑا دیتی ہیں) دیکھئے "سر کھیل نارنجی" سے آپ "لگاگرماکھی" پر اُتر آئیں۔

فرحت۔ (ہنستے ہوئے) تمھارا سر!

(سامنے سے نوشابہ بیگم آتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کو ہر شخص بجیا کہتا ہے۔ یہ لانبے قد کی ایک نہایت ہی نورانی صورت کی خاتون

ہیں۔ فطرت میں انتہائی صداقت اور سادگی ہے اور مذہبی رجحان بہت زیادہ ہے۔ احسن کو بھی یہ فرحت سے کسی طرح کم نہیں چاہتیں اور ان کا خیال ہے کہ دنیا میں احسن سے زیادہ اچھا لڑکا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے احسن ان کو دیکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور مودبانہ تسلیم عرض کرتا ہے۔

بجیا دعائیں دیتی ہیں)

بجیا۔ احسن تم نے یہ کتاب دیکھی ہے "گنج العارفین"؟

احسن۔ جی ہاں بجیا۔ تھوڑی سی ادھر اُدھر سے دیکھی ہے۔

بجیا۔ دیکھو اس میں ایک مضمون ہے "باب الحج" اس میں لکھا ہے۔

(بہت ہی احترام کے ساتھ اس کو پڑھنا شروع کرتی ہیں) "تو اے مسلمانو، پس تحقیق کہ سن لو کہ صوفیائے آسمان و زمین و کاشفان حبل المتین نے حج کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ ایک تو حج مجازی اور دوسرا حقیقی۔ تو حج مجازی اس کو کہتے ہیں جس میں ایک انسان ضعیف البنیان ساتھ اپنے ہوش و حواس کے اس سرزمین کفر و الحاد سے بہ نیت زیارت بلد المقدس اس ارض پاک میں وارد ہوتا ہے جہاں خانۂ خدا۔ یا بہ زبان عربی بیت اللہ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ واقع ہے اور وہاں جا کر وہ طواف آں بیت اللہ بہزار خلوص و صداقت کرتا ہے۔ ساتھ اس

ارادہ و نیت کرے کہ دے گا خدائے بزرگ و برتر اس کو اس کا ثوابِ عظیم دارِ فانی میں بھی اور نیز دارِ بقا میں۔ ہاں، اور اے مسلمانو، جان لو کہ حجِ حقیقی اس کیفیتِ روحانی کو کہتے ہیں جو روحِ انسانی کو پہنچا دیتی ہے اپنے قفسِ عنصری سے اس بارگاہِ ربّ العزت کے عرشِ مخصوص تک اور خانہ کعبہ بہزار جاہ و جلال خود اس روحِ پاک کے استقبال کو چلا آتا ہے۔ تو پس سن لو اے عاشقانِ بیت اللہ کہ حضرت رابعہ بصری ایسی ہی ایک صوفیہ بابرکت تھیں جن کو بارگاہِ ایزدی سے حجِ حقیقی نصیب ہوا۔ وما توفیقی الّا باللہ!"

(بجیا "گنجِ العارفین" کی اس ادق عبارت
کو پڑھتی ہیں اور احسن فرحت کی طرف
کنکھیوں سے دیکھ کر مسکراتا ہے۔ فرحت کو
بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے)

احسن۔ بجیا واقعی خدا سب کو نیک توفیق عطا فرمائے نا ئے۔ کہاں تو ایک ایسی متبرک کتاب پڑھی جا رہی ہے اور کہاں اسے سُن کر فرحت باجی ہنس رہی ہیں۔

بجیا۔ (فرحت کی طرف مخاطب ہو کر) بیٹی یہ بہت بُری بات ہے کہ ایک تو تم ایسی ایسی مفید کتابیں پڑھتی نہیں اور جب کوئی مذہبی چیز پڑھی

جاتی ہے تو تم ہنستی ہو۔ دیکھو میں نے کتنا کہا کہ تم صبح اُٹھ کر سات بار اوّل و آخر درود شریف اور سات ہی بار دعا گنج العرش پڑھ کر اپنے آپ پر دم کر لیا کرو۔ مگر تم کو بھلا کہاں فرصت!

فرحت۔ بجیا پڑھتی تو ہوں۔ اور یہ سب احسن کی شرارت ہے۔ وہ خود بھی ہنس رہے تھے اور مجھے بھی ہنسا رہے تھے۔ دیکھئے۔ اب تک ہنس رہے ہیں۔

(احسن سنجیدہ ہو جاتا ہے)

بجیا۔ نہیں، نہیں، وہ بچہ تو بالکل سیدھا ہے۔ اُس کی مذہبی تعلیم خدا کے فضل سے بہت اچھی ہوئی ہے۔ بلکہ مجھ کو بھی جب کچھ پوچھنا ہوتا ہے تو میں اسی سے پوچھ لیتی ہوں۔

(احسن انکسارانہ انداز میں سر جُھکا لیتا ہے)

بجیا۔ (احسن سے) تم چلو میرے کمرے میں۔ احسن۔ تم سے نماز کے متعلق بھی مجھے چند ضروری مسائل پوچھنے ہیں۔

(احسن فرحت کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہتا ہے۔ "بُرے پھنسے" اور بجیا کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ فرحت احسن کی اس بے وقت گرفتاری پر خوب ہنستی ہے)

دوسرا سین

(ایک بہت بڑے بزرگ کے مزار پہ صبح سویرے بجیا اور فرحت بیٹھی ہیں۔ زائرین کا ہنگامہ ہے۔ متعدد جگہ قوالی ہو رہی ہے۔ ہر شخص جو یہاں نظر آ رہا ہے وہ اپنے دل میں ایک نہ ایک مقصد لے کر ضرور آیا ہے اور ملتجی نظروں سے صاحبِ مزار کی آرام گاہ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ عورتوں کا مجمع بھی کچھ کم نہیں اور ان سب کی تمنائیں تقریباً ایک ہی قسم کی ہیں۔ بجیا اور فرحت قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے میں منہمک ہیں۔ اور دونوں کی آنکھوں سے آنسو اُمڈے چلے آتے ہیں۔ احسن اس نقشہ کو دیکھ رہا ہے اور گھبرا رہا ہے کہ آخر یہ قصّہ کیا ہے۔ وہاں سے قریب ہی ان بزرگ کی صاحبزادی کا مزار ہے۔ اس پہ ایک عورت بیٹھی رو رہی ہے اور درگاہ کا ایک خادم اس کے پاس کھڑا ہے)

خادم۔ (عورت سے) بی بی دیکھو اس مزار پہ ہزاروں عورتیں آتی ہیں اور بامراد جاتی ہیں (عورت صرف رو رہی ہے) ہاں، جو مانگنا ہو۔ بس ان ہی سے مانگو۔

بجیا۔ (خادم کے الفاظ سُن کر) ارے بھیّا کیسی کفر کی باتیں کرتے ہو! جو دینا

ہے خدا دیتا ہے۔ ہاں بزرگانِ دین کے ناموں کی برکت ضرور ہوتی ہے ہم لوگ بھی تو اس مراد کو لے کر یہاں آتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی تھوڑی ہیں کہ نعوذ باللہ کفر و شرک کے مرتکب ہو جائیں؟

خادم۔ بیگم صاحب خدا اس عورت کو اولاد دینے والا ہوتا تو اب تک دے نہ دیتا؟ گھر بیٹھے صرف دعائیں کرنے سے اگر اولاد مل جائے تو پھر لوگ مزارات پر کیوں آئیں؟

(خادم کے کہنے سے وہ عورت اس مزار پر
سجدے میں گر جاتی ہے)

نجمہ۔ نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ! خدا شرک سے بچائے۔ (اس عورت کو زبردستی وہاں سے اُٹھاتے ہوئے) بی بی اللہ کو یاد کرو۔ تمہاری جو بھی مراد ہو وہ خدا پوری کرنے والا ہے۔ ایسے ایسے روپے کے بندوں کے کہنے پر گمراہی میں نہ مبتلا ہو جائیو۔ چلو میرے ساتھ آؤ۔ میں تم سے کچھ اور باتیں کہنا چاہتی ہوں۔

(نجمہ اس عورت اور فرحت کے ساتھ چلی
جاتی ہیں)

تیسرا سین

(کئی سال بعد)

(فیض آباد میں فرحت کی کوٹھی کا ایک کمرہ جس میں ایک طرف ایک کھرّا پلنگ بچھا ہے۔ اور اس پہ مختلف چھوٹے چھوٹے کپڑے بے قاعدگی کے ساتھ پڑے ہوئے ہیں۔ اس پہ بجیا بیٹھی ہوئی۔ اردو کے چند پرانے پرچوں کو اِدھر اُدھر سے دیکھ رہی ہیں۔ ایک کونے میں چھوٹی سی ایک کرسی پڑی ہے اور اس پہ بھی دو چار کپڑے سوکھ رہے ہیں۔ بیچ میں ایک خوب صورت سا پالنا ہے۔ اس پہ ایک ننھی منّی پیاری پیاری بچّی لیٹی ہوئی کھیل رہی ہے۔ پالنے کی چھت میں دو چار کھلونے ٹنگے ہوئے ہیں اور ان کو یہ بچّی بڑے ہی غور سے دیکھ رہی ہے۔ پالنے سے قریب ایک چھوٹی میز کے سامنے نرس کھڑی دودھ گرم کر رہی ہے۔ اور دوسری میز پہ فرحت انار کا عرق نکال رہی ہیں۔ اس کمرے میں کسی قسم کا کوئی فرش نہیں۔ زمین پہ انار اور سنگتروں کے چھلکے پڑے ہوئے ہیں۔ اکثر جگہ پانی گرا ہوا ہے۔ اس کمرے سے ملا ہوا۔ ایک دوسرا کمرہ ہے جو کبھی فرحت کا ڈریسنگ روم تھا۔

آج وہاں صرف ایک سنگار دان ان کی بد سلیقگی کے خلاف اپنی زبانِ حال سے صدائے احتجاج بلند کر رہا ہے۔ اس پہ کچھ خالی شیشیاں ہیں۔ کچھ بے جوڑ پیالیاں ہیں "گلیکسو" کا ڈبہ بھی اسی پہ رکھا ہے اور بچّے کے دودھ کی بوتل بھی اسی کے ایک کونے میں نظر آ رہی ہے۔ کمروں کے اکثر دروازوں پہ پردے پڑے تو ہوئے ہیں۔ مگر ان میں بعض میلے ہو گئے ہیں اور بعض پھٹے جا رہے ہیں۔ ان دونوں کمروں کے درمیان ایک بڑی الگنی ہے اور اس پہ سلسلہ وار بچّہ کے چھوٹے چھوٹے کپڑے سوکھ رہے ہیں۔ اس وقت یکا یک وہاں احسن داخل ہوتا ہے)

احسن۔ (اپنے مخصوص انداز میں) فرحت باجی۔ اے او فرحت باجی،

فرحت۔ ہاں سُن تو لیا۔ کہو کیا کہتے ہو؟

احسن۔ کہوں گا کیا؟ پوچھنا یہ ہے کہ آخر میں بیٹھوں کہاں؟

فرحت۔ وہ دیکھو سامنے ایک بڑا سا درخت ہے۔ بس اسی پہ بیٹھ جاؤ

——— جاؤ ——— سمجھے؟

احسن۔ ارے بھئی کرسی بیٹھنے کی چیز ہے۔ اس پہ کپڑے نہیں سکھائے جاتے۔

بجیا۔ آؤ احسن۔ یہاں پہ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ پلنگ کے ایک حصّہ کو کسی

کپڑے سے چھپاتے ہوئے) دیکھو میاں یہاں نہ بیٹھنا اس پہ تمہاری گڑیا نے پیشاب کر دیا تھا۔

احسن۔ (کرسی پر سے کپڑوں کو ہٹاتے ہوئے) میں کرسی پہ بیٹھ جاتا ہوں۔

نرس۔ نہیں نہیں اس پہ نہ بیٹھئے۔ ان کپڑوں کو تو میں نے ابھی دھویا بھی نہیں ہے۔

(احسن منہ بناتا ہے)

فرحت۔ (احسن کو دیکھ کر بے ساختہ ہنستے ہوئے) میں کہہ رہی ہوں کہ تم بس اسی درخت پہ جا کر بیٹھ جاؤ۔ وہیں تم اطمینان سے بیٹھ سکو گے سمجھے؟

احسن۔ شرم تو نہیں آتی کہ کمرے میں کسی شریف آدمی کے بیٹھنے کے لئے کوئی چیز تک نہیں۔

فرحت۔ میں کیا کروں تمہاری "منی" ہی نے تو یہ سب کر رکھا ہے۔

احسن۔ اس کا کیا قصور؟ بقول ایک مہذب اور تعلیم یافتہ خاتون کے۔ "بچوں کو اگر سلیقہ سے رکھا جائے تو کیوں کوئی چیز خراب ہونے لگی؟"

بجیا۔ (مسکراتے ہوئے) ہاں احسن، تم نے خوب یاد دلا دیا۔ آج سے چند سال پہلے تمہاری فرحت بجیا ایسی ہی بڑی بڑی باتیں کیا کرتی تھیں۔

احسن۔ کچھ نہیں بجیا۔ یہ سب ان ہی کی بد انتظامی ہے۔ دیکھئے نہیں۔ گھر

کا کیا نقشہ بنا رکھا ہے؟ (فرحت کی طرف مخاطب ہو کر) کیوں صاحب۔ ان دنوں جناب کے سونے کا کمرہ کون سا ہے؟

فرحت۔ بس یہی۔

احسن۔ خوب! اور کھانے کا کمرہ خدا کے فضل سے آج کل کس محلہ میں واقع ہے؟

فرحت۔ وہ گول کمرے میں کر دیا گیا ہے۔

احسن۔ تو پھر گول کمرہ کیا ہوا؟

فرحت۔ وہ بھی وہیں ہے۔

احسن۔ سبحان اللہ! قربان جائیے۔ آپ کی عقل و دانش کے۔ تو گویا ان دنوں آپ کی خوش انتظامی کی برکت سے۔ ایک ایک کمرے میں دو دو کمرے ہو گئے ہیں۔

فرحت۔ عقل کے دشمن! چلو میں دکھا دیتی ہوں۔

(فرحت اور احسن ساتھ جاتے ہیں)

فرحت۔ دیکھو یہ رہا کھانے کا کمرہ اور وہ ہوا گول کمرہ۔

احسن۔ اور جو ادھر کونے میں تھوڑی سی جگہ باقی رہ گئی ہے۔ اس کو سونے کا کمرہ بنا دیجئے۔ اور جو وہ دوسری جانب ایک چھوٹا سا گوشہ باقی رہ جاتا ہے۔ وہ آپ کے اصول کے مطابق غسل خانہ بن سکتا ہے۔ ہاں میں

کہتا ہوں کوشش کرکے آپ اسی کمرے میں کسی طرح اپنے "موٹر گراج"
کے لئے بھی تھوڑی سی جگہ نکال ہی لیجئے "مالِ عرب پیشِ عرب"۔
(گول کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے) فرحت باجی، یہاں سے وہ بڑا صوفہ اور
اس کے جوڑ کی کرسیاں کیا ہو گئیں؟

فرحت۔ صوفہ باہر والے چھوٹے کمرے میں رکھا ہے اور کرسیوں کے لئے
کہیں جگہ نہیں ملی تو میں نے ان کو سرِ دست غسل خانہ میں رکھوا دیا ہے۔

احسن۔ بہت ہی مناسب! وہاں کرسیوں کی ضرورت تھی بھی میری رائے ہے
کہ آپ اپنا ریڈیو بھی وہیں لے جائیں۔

فرحت۔ اور وہیں تمہیں ٹھہرایا جائے۔

احسن۔ ہاں تو مجھے آپکے مذاقِ سلیم سے امید بھی ایسی ہی ہے۔

(دونوں بجیا کے پاس آتے ہیں)

بجیا۔ دیکھ آئے احسن، اپنی فرحت باجی کا مکان؟

احسن۔ جی ہاں بجیا۔ ان کی خوش انتظامی دیکھ کر دل "گارڈن گارڈن"
ہو گیا۔

بجیا۔ کیا ہو گیا؟

احسن۔ دل باغ باغ ہو گیا۔ میں نے تو فرحت باجی کو چند مفید مشورے
بھی دیئے ہیں۔ جن کو امید ہے کہ وہ قبول کرلیں گی۔ اور آپ بہت

جلد دیکھیں گی کہ ناظم بھائی کی موٹر کلب سے جو چلے گی تو بلاتکلف "ڈرائنگ روم" ہوتی ہوئی سیدھی "ڈائننگ روم" میں داخل ہو جائے گی اور پھر ناظم بھائی اسی پہ کھانا کھا کر اپنے "بیڈ روم" میں آجائیں گے ہو بھی گئے ہیں موٹے!

(فرحت بگڑ کر احسن کی طرف سے منہ پھیر لیتی ہے)

بجیا۔ احسن، تم اپنی فرحت باجی کو بہت ستاتے ہو۔ بے چاری کیا کرے؟ تمھاری شمّی پیاری نے دو کمرے چھین لئے، ایک میں یہ آرام کرتی ہیں اور دوسرے میں ان کا سامان ہے۔ پھر ماشاءاللہ جہاں یہ رہیں گی تو وہاں ان کے پوتروں کے پھیلانے کے لیئے بھی تو کافی جگہ ہونی چاہیئے۔

احسن۔ مگر بجیا۔ بقول فرحت باجی کے "اگر بچّوں کو سلیقہ سے رکھا جائے تو کیوں کوئی گڑبڑ ہونے پائے"؟

فرحت۔ (منہ چڑاتے ہوئے) بس تو چکی کہ میں بہت بدسلیقہ ہوں۔ پھر تمہارا ڈر تھوڑا ہی ہے؟

احسن۔ اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے؟ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کر لینا ہی انسان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ یہ تو آپ مانتی ہیں نا کہ آپ کا

ساری عقل میری شمیؔ نے آکر چھین لی۔ اور اب آپ صرف فرحت بٹیا ہو کر رہ گئی ہیں؟ اور جائیے درگاہوں کی زیارت کو!

فرحت۔ شمیؔ اور درگاہوں کی زیارت سے کیا تعلق؟ بزرگانِ دین کی برکت اپنی جگہ پہ ہے اور اولاد کی ودیعت دوسری چیز ہے۔

احسن۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ عورتوں کی جملہ حماقتیں آپ میں بیک وقت مجتمع نہیں ہو سکی ہیں۔ لیکن یاد کیجئے اُس درگاہ میں بیٹھے ہوئے رو رو کر قرآن پاک کی تلاوت۔

فرحت۔ (جھینپتے ہوئے) اچھا کچھ نہیں۔

(دُور سے آواز آتی ہے "بیگم۔ بیگم۔ ارے او بیگم" سامنے سے ناظم علی چلے آ رہے ہیں۔ بدن پہ صرف پائجامہ اور بنیان ہے، اور ہاتھ میں بہت سے پھل۔ اور متعدد شیشیاں)

ناظم۔ دیکھئے بیگم۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ دودھ دینے سے پہلے (ایک شیشی دکھا کر) یہ دوا دی جائے۔ اس کے دو گھنٹے بعد دودھ ملے اور اس سے دو یا زیادہ سے زیادہ ڈھائی گھنٹے کے بعد انار کا عرق۔ پھر یہ چیز (دوسری شیشی دکھا کر) دیجئے گا۔ بس صرف دو قطرہ۔ سمجھیں؟

اے نرس دیکھو، بی بی جب اُٹھے تو فوراً اسے دودھ نہ دے دینا۔ پہلے بیگم صاحب سے پوچھ کر دوا دے لینا پھر وہ جس

طرح سے کہیں ۔ اسی طرح اور دوسری چیزیں دینا ۔ (فرحت کی طرف مخاطب ہو کر) ہاں بیگم تو آپ سمجھ گئیں نا ؟ یہ جو شیشی میں لئے ہوئے ہوں ۔ اس کی دوا سب سے پہلے ۔ پھر اس کے بعد دودھ پھر انار پھر اس شیشی والی چیز ۔ سمجھ گئیں آپ ؟

فرحت ۔ بھئی سمجھ تو گئی ۔ اب کتنا سمجھائیے گا ؟

ناظم ۔ اچھا تو میں جاتا ہوں (جا کر پھر لوٹتے ہیں) اپنی گڑیا سے تو میں نے باتیں کی ہی نہیں (شمّی سے) ارے بنّی ۔ ارے منّو ۔ میرا پالا پالا چاند ہے ۔ (فرحت سے) اوہو ۔ دیکھئے بیگم یہ ہنس رہی ہے (بجیا سے) بجیا، اسکی ذہانت تو دیکھئے ۔ ماشاءاللہ باتیں خوب سمجھتی ہے (پھر شمّی سے) ارے بنّی ۔ ارے بٹیا ۔

میرا پالا پالا چاند ہے

آسماں پہ چاند ہے چاند بھی تو ماند ہے

میرا پالا چاند ہے

گلستاں میں پھول ہیں اس کے آگے دھول ہیں

میرا پالا پھول ہے

میرا پالا چاند ہے

(شمّی ہنس دیتی ہے اور ناظم اس کو گود میں لے لیتے ہیں)

احسن ۔ ناظم بھائی ۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ اب ”بھیم پلاسی“ میں بھی ایسی ایسی مشکل ٹھمریاں مثلاً ”میرا پالا پالا چاند ہے“ اچھی طرح ادا کر لیتے ہیں۔

ناظم ۔ (مسکراتے ہوئے) THANKYOU استاد۔

احسن ۔ صرف THANK YOU سے کیا ہوگا؟ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس ٹھمری کو ایک بار اور مجھے ذرا ”دیپک راگ“ میں بھی سنا دیں۔ مگر دیکھئے سُر سے اُتر نہ جائیے گا۔

ناظم ۔ (احسن کو لپٹاتے ہوئے) چلو تمہیں نمونہ ابھی سُنا دوں۔

(ناظم اور احسن باہر چلے جاتے ہیں۔ اور ببا۔ فرحت۔ اور نرس بے ساختہ ہنسنے لگتی ہیں۔)

قصّے کا انجام

افراد

شوکت }
سلیم } دو بھائی اور ایک ہی یونیورسٹی میں پروفیسر

بدرالنساء بیگم ــــــــ ان کی چچی

ثروت ــــــــ اس کی بھتیجی

ہدایاتِ اسٹیج

(اس میں شک نہیں کہ ڈرامے کا منظر باغ کا ایک کونا ہے لیکن پردے سے بھی بخوبی کام چلایا جا سکتا ہے۔ اسٹیج کے عقب میں ایک مکان ہے جس کے بائیں پہلو پر دروازہ ہے۔ بائیں جانب

پر ایک میز اور دو کرسیاں رکھی ہیں۔ بالکل داہنی طرف باغ میں بیٹھنے کی ایک نشست ہے مکان اور نشست کے درمیان چنبلی کا ایک بڑا سا پودا ہے یا کوئی اور مناسب چیز بھی رکھی جاسکتی ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اس کے پیچھے ایک آدمی چھپ سکے۔ داہنی پہلو پر داخل ہونے کا ایک اور راستہ ہے۔ پھولوں کے چھوٹے چھوٹے پودے لازمی ہیں۔ اگر ہوسکے تو باغ کے چند اوزار، پنجرے میں ایک پنچھی اور پھولوں کے چند گچھّے اِدھر اُدھر رکھ دیئے جائیں۔ روشنی کا اہتمام اس طرح ہو گویا گرمیوں کے موسم کی ایک صبح ہے)

کردار

(پروفیسر شوکت کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہوگی، وہ شکل سے پروفیسر معلوم ہوتا ہے۔ جسم ذرا بھاری، وضع قطع بے ڈول سی، اور بالکل تغافل شعار۔ وہ ہمہ تن اپنے کام میں مصروف اور اجنبی آدمیوں کے سامنے حیا سی محسوس کرتا ہے، اس کا لباس بالکل معمولی سا ہے۔ پروفیسر سلیم اس کا چھوٹا بھائی ہے۔ لیکن اسے اپنے بڑے بھائی کا خوبصورت اور تیز طرّار ایڈیشن سمجھئے۔ چہرہ ہشاش بشاش ہے۔ طبیعت میں بے نیازی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے کردار میں زیادہ پختگی ہے۔

اُن کی چچی کی عمر ساٹھ ستّر کے درمیان ہوگی۔ اس کے باوجود اسکی

صحت اچھی ہے اور طبیعت میں سختی ہے، وہ اپنی بات منوانا بھی جانتی ہے اور مذاق نہایت اچھا ہے اور حاضر جواب بھی ہے۔ وہ اپنے بھتیجوں پر جان چھڑکتی ہے۔ حالانکہ وہ ان سے بیزار بھی ہو جاتی ہے۔

ثروت ایک حسین و جمیل لڑکی ہے، عمر ۲۰ کے قریب ہوگی۔

جب پردہ اُٹھتا ہے تو شوکت اور سلیم میز کے سامنے بیٹھے ہوئے کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، میز پر کتابیں، قلم دوات اور کاغذات کا انبار لگا ہوا ہے۔ شوکت کے سامنے دو تین کتابیں کھلی ہوئی ہیں اور وہ اُن کی طرف دیکھ دیکھ کر غالباً نوٹ لے رہا ہے۔

سلیم ایک بڑی سی ڈائری میں کچھ لکھ رہا ہے۔ چند لمحوں کے بعد سلیم اپنا قلم میز پر رکھ کر کرسی کی پشت سے لگ جاتا ہے اور اپنا بڑا سا پائپ میز سے اُٹھاتا ہے۔ شوکت مستفسرانہ انداز میں اُس کی طرف دیکھتا ہے۔)

شوکت۔ کیوں سلیم! فصلوں کو ترتیب دے چکے ہو؟

سلیم۔ نہیں بھائی جان، ابھی نہیں، یہ کام اتنا آسان تو نہیں جتنا میں سمجھتا تھا۔ ساری یادداشتیں ایک جگہ لکھ لوں تو پھر آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی۔

شوکت ۔ اچھا! اتنا سخت کام ہے؟ اس میں شک نہیں کہ قصے کہانیاں بڑی دلچسپ چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن بحیثیت تصنیف و تالیف کے کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہوتا۔

سلیم ۔ لیکن میں آپ کو اس بات کا یقین تو دلاتا ہوں کہ قصے کہانیوں کا مسئلہ بھی نہایت دلکش ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو افسانے آجکل لکھے جا رہے ہیں ان سب کی بنیاد پرانے قصوں پر ہے۔ وہی قصے جو ہم بچپن میں بڑے بوڑھوں سے سنا کرتے تھے، وہی بات کہ ایک گڈریا ایک شہزادی سے محبت کرتا ہے۔

شوکت ۔ اُف! سلیم!

سلیم ۔ آخر اس کی نفسیاتی وجہ کیا ہے؟ شہزادہ اس علاقہ میں کیوں جاتا ہے جہاں جن اور پریوں کا بسیرا ہے؟ چھوٹا بھائی ہمیشہ حیرت انگیز کارنامے پیش کرتا ہے، اس کی کیا وجہ؟ تم تو میری بات ہنسی میں ٹال دو گے لیکن میں اس وقت تک چین کی سانس نہ لوں گا جب تک میں اسکی صحیح وجہ معلوم نہ کر لوں!

شوکت ۔ سلیم بھائی، بڑے شوق سے اس بات کا کھوج لگاؤ۔ لیکن کسی شہزادی سے شادی کر کے اس نظریہ کو عملی جامہ نہ پہنا دینا۔

سلیم ۔ بھائی جان! مشورہ تو اچھا دیا آپ نے ——————— یہاں پر

آرام اور آزادی ہے۔

شوکت۔ اور دنیاوی ذمہ داریاں بھی نہیں،

سلیم۔ مطالعہ اور سفر کے لئے بہت سے ذرائع موجود ہیں۔

شوکت۔ بے شک! یہ جگہ بہشت سے کم نہ ہوتی اگر چچی جان کی بدمزاجی اور ڈانٹ ڈپٹ ہمارے ساتھ نہ ہوتی۔ افسوس انہیں ادبیات سے کوئی لگاؤ نہیں۔

سلیم۔ بھائی جان! آپ تو خواہ مخواہ اپنے آپ کو بزدل بنا رہے ہیں۔ کیونکہ میرے خیال میں اب چچی کی باتیں زیادہ ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔

شوکت۔ اچھا تو ذرا ہٹیئے، وہ تشریف لا رہی ہیں اور مجھے تو یقین ہے کہ وہ اندر آتے ہی پھر ہماری توہین کریں گی۔

(اپنے آپ کو کتابوں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کرتا ہے)

(چچی بدر النساء بیگم داخل ہوتی ہیں)

چچی۔ شوکت! کیوں چھپنے کی تکلیف کر رہے ہو۔ میں تمہیں دیکھ رہی ہوں، معلوم نہیں تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، آخر پتھر کے بت بن کر کب تک یہاں بیٹھے رہو گے۔ اُدھر ڈیڑھ گھنٹہ سے ناشتہ پڑا ہوا خراب ہو رہا ہے۔

سلیم۔ چچی جان! کوئی بات نہیں، ہم ابھی آئے۔

چچی۔ اور تم تو یہی سمجھتے ہو گے کہ ہمیں سوائے اس کے اور کوئی کام نہیں کہ ہم بار بار تمہارے لئے چائے گرم کرتے ہیں۔ تین دفعہ بلوا چکی ہوں اور ابھی تک تم کرسیوں سے چمٹے بیٹھے ہو!

سلیم۔ چچی! جلدی کس بات کی ہے، پی ہی لیں گے آخر۔ تم بڑی اچھی چچی ہو۔ لیکن فوراً بگڑ جاتی ہو۔

شوکت۔ (جو ایک کتاب میں منہمک ہو چکا ہے) سلیم! میرا خیال ہے کہ جن اور پریوں کا قصہ سب سے پہلے ہندوستان میں لکھا گیا ہے۔ دیکھو نا یہ مؤرخ لکھتا ہے ——

چچی۔ جہنم میں جائے تمہارا مؤرخ اور جن پریاں! معلوم نہیں تمہارا حشر کیا ہو گا۔ ہر وقت کتابوں میں ڈبے رہنا —— اس طرح تو تم ساری جائداد تباہ کر لو گے، کس قدر بُری بات ہے!

سلیم۔ چچی جان!

شوکت۔ چچی! آپ خواہ مخواہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہمیں پریشان کرتی رہتی ہیں۔

چچی۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں؟ بے شک! اور یہ کتابوں میں جو بکواس بھری ہوئی ہے یہ بہت بڑی باتیں ہیں، کیا ناشتے سے بڑھ کر بھی تمہاری کسی

کتاب کی قیمت ہے ؟

شوکت ۔ چچی جان! آپ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔

چچی ۔ جی ہاں! میں تو ٹھہری جاہل اور بیوقوف! اسی لئے تم مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو،

سلیم ۔ نہیں، چچی یہ بات نہیں۔

چچی ۔ لیکن یہ بھی جانتے ہو کہ تم میرے سوا ایک کوڑی کے بھی نہیں۔

سلیم ۔ بالکل، ہم تو ہر وقت آپ کی تعریف کرتے ہیں۔

شوکت ۔ لیکن آپ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگڑ جایا کرتی ہیں۔

چچی ۔ اسی لئے کہ تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے۔ میں کہتی ہوں کہ تم جیسے موٹے تازہ نوجوان کتابوں کے کیڑے کی طرح ہر وقت کیوں کتابوں میں چھپے رہتے ہیں، یہ گناہ ہے، تم اس دنیا میں مفید کام کر سکتے ہو۔

شوکت ۔ مفید کام!

سلیم ۔ مفید کام!

چچی ۔ تم بڑے عالم فاضل سہی۔ لیکن تمہارے علم سے تمہیں کیا فائدہ پہنچا ہے، کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ امورِ خانہ داری کا کس طرح بندوبست کیا جاتا ہے ؟ نہیں، کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ اس زندگی میں خوشی

کیونکہ حاصل ہو سکتی ہے؟ نہیں،

سلیم ۔ ہاں! چچی،

چچی ۔ نہیں سلیم!

شوکت ۔ پیاری چچی! اگر ہر ایک شخص تمہاری طرح ہی سوچنے لگے تو پھر دنیا میں نہ آرٹ کی ضرورت ہے نہ سائنس کی۔ اس بات کا تو آپ کو بھی اعتراف کرنا ہوگا کہ زندگی کا کھانے پینے اور دولت کمانے کے سوا کچھ اور مقصد بھی ہے۔

سلیم ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دنیا میں بہت سے انسان ایسے ہیں جنہیں زندگی کی اہمیت کا بالکل علم نہیں۔

شوکت ۔ اور وہ لوگ اپنی زندگی کا ثبوت تسلی بخش طریقے پر ہرگز نہ دے سکیں گے۔

سلیم ۔ اب چچی، آپ ہی دیکھیں، آپ کے پاس کوئی دلیل ہے کہ آپ زندہ ہیں؟

چچی ۔ کیا کہا؟

سلیم ۔ مطلب صرف یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی کی کوئی معقول اور مدلّل وجہ بیان کر سکتی ہیں؟

چچی ۔ میں وجہ بیان کروں؟ ہاں! تمہیں بتاؤں کہ میں کیوں زندہ ہوں! دو نکمّے

اور کتابوں کے کیڑے جو دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتے۔ مجھے ہر وقت عذاب میں مبتلا رکھتے ہیں اور میری خدمات کے باوجود وہ ہر وقت اپنی احسان فراموشی اور ناشکر گزاری کا ثبوت دیتے ہیں (روتی ہے) میں خوب جانتی ہوں کہ اصل وجہ کیا ہے۔ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور اب تم مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو۔ بے شک میں تم پہ ایک بھاری بوجھ ہوں۔

سلیم۔ (متاثر ہو کر) اوہو! چچی! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔

شوکت۔ (سلیم سے) عورتوں سے دلیل بازی کرنے کا یہی حشر ہوتا ہے۔ بات کہاں تھی کہاں نکل گئی۔

چچی۔ (شوکت سے) جی ہاں! اب تو ہم اس قابل نہیں رہے کہ ہم سے بات بھی کی جائے۔ ٹھیک ہے نا؟

سلیم۔ نہیں نہیں چچی، یہ بات نہیں۔ شوکت بھائی آپ خواہ مخواہ بیچ میں ٹانگ اڑا دیتے ہیں، چچی! انہیں تو بالکل ہی ایسی باتوں کی سمجھ نہیں ہے۔

چچی۔ اب تو مجھے بھی اپنا رویہ بدلنا ہو گا۔ آخر کب تک یونہی کام چلتا رہیگا تمہاری جوانیاں ڈھل چکی ہیں، اب تو میں تم لوگوں کے سر پہ سہرا بندھا دیکھنا چاہتی ہوں۔

شوکت اور سلیم ۔ (اکٹھے) اُف ! کس قدر خوفناک خیال ہے !

شوکت ۔ اب پھر بہو اور سہرا اور خدا جانے کیا کیا کچھ ——— چچی جان، یہ ذکر رہنے دیجئے ۔

سلیم ۔ بھائی جان ! آؤ ناشتہ تو کرلیں (آہستہ) ممکن ہے خلاصی ہو جائے ۔

چچی ۔ سلیم ! آج تو فیصلہ کر کے اُٹھوں گی، روز کہتے کہتے بھی تو میں پاگل ہو گئی، آخر کب تک کنوارپنے ہیں گزرے گی !

شوکت ۔ چچی جان ! شادی کا مسئلہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا ہے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا چاہیئے، چند لمحوں ہیں تو اس بات کا فیصلہ نہیں ہو سکتا !

چچی ۔ شرم تو نہیں آتی، پندرہ برس سے سوچ رہے ہو ! کیا اُس وقت بہو گھر میں لاؤ گے جب منہ میں دانت نہیں رہیں گے ۔

سلیم ۔ چچی ! تم جانتی ہو کہ ہم اس طرح کس قدر خوش ہیں، آپ ہمیں اپنے حال پہ کیوں نہیں رہنے دیتیں ؟

چچی ۔ کیونکہ میں تمہاری بھلائی اچھی طرح سمجھتی ہوں ۔ یہ بات تو ہزاروں برس سے چلی آتی ہے کہ نوجوان کو شادی کرنا ہوگی ۔ تمہاری طبیعتیں میں نے انوکھی دیکھی ہیں، آخر تمہارے بعد اس جائداد کا کون وارث ہوگا؟

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جو کچھ میں نے جمع کیا ہے وہ تم میرے بعد کتابیں خریدنے میں اُڑا دو؟

سلیم۔ چچی! ہماری تو یہ خواہش تھی کہ آپ ہمارے لئے کچھ روپیہ نہ چھوڑیں۔

شوکت۔ ہم جائداد اور روپے کے پیچھے بھاگنے والے لوگ نہیں۔ ہمیں تو صرف یہی چاہیئے کہ کوئی ہمیں اطمینان سے بیٹھنے دے۔

چچی۔ (غصے سے) بہت اچھا، جو جی میں آئے کرو، میں جانتی ہوں کہ میرے جانے سے ہی اطمینان ہو گا۔ اپنا انتظام آپ کرو، مجھ سے تو اب تمہاری باتیں نہیں دیکھی جاتیں۔

سلیم۔ چچی! ناراض ہو گئیں نا!

چچی۔ ہاں! ہاں!! میں آج ہی اپنا بوریا بستر باندھ کر یہاں سے جا رہی ہوں۔ تم جانو تمہارا کام جانے، میں دیکھوں گی تم اپنا انتظام کیسے کرو گے۔ نکمے، بیکار اور سست انسان ——— خیر! میں یہ بھی دیکھ لوں گی کہ تم صرف کتابیں چاٹ کر زندہ رہ سکتے ہو یا نہیں۔ تمہیں تو ابھی تک چائے کا پانی اُبالنا نہیں آتا ——— پھر تمہیں معلوم ہو گا کہ بوڑھی چچی کے کتنے فائدے تھے۔

شوکت۔ چچی! کیا سچ مچ ایسا کرو گی؟

سلیم۔ بھلا ہمیں اس قسم کی دھمکیاں دینا مناسب ہے؟

چچی۔ اور تمہیں اس بات کی لاج نہیں آتی ہے کہ میری ہر بات کی مخالفت کرتے ہو۔ مجھے خوش کرنے کے لئے ایک معمولی سا کام بھی نہیں کر سکتے۔ اور مانا کہ میں تو بالکل قابلِ نفرت چیز ہوں۔ لیکن اپنے باپ کے آخری الفاظ کی تو قدر کرو۔ مرتے وقت بیچارے کی جو خواہش تھی اُسے تم ٹھکرا نہیں سکتے۔

سلیم۔ بھائیؐ! ابّا جان کی خواہش تو یہی تھی ؟

شوکت۔ ان کے آخری الفاظ مجھے اچھی طرح یاد ہیں لیکن چچی! ان کا ارشاد تھا کہ ہم دونوں میں سے ایک ضرور شادی کرے۔

سلیم۔ ہم دو بیویوں کو لا کر کیا کریں گے؟ ہر وقت ایک دوسرے کے بال نوچا کریں گی۔

چچی۔ کیا فضول بات کر رہے ہو! جتنی بیویاں ہوں گی اتنا ہی اچھا ہے بہر صورت تم میں سے ایک کو تو ابھی شادی کرنا ہو گی۔ ورنہ میرا فیصلہ وہی ہے۔

شوکت۔ لو بھائی! اب ہم میں سے ایک کو ضرور پھنسنا ہو گا۔

سلیم۔ ہاں بھائی جان! اس کے سوا چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

شوکت۔ تو ـــــــ سلیم! تم نوجوان ہو، تم ہی قسمت آزمائی کر دیکھو۔

سلیم۔ ہیں؟ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے بھائی جان! آپ بڑے ہیں اور بڑے بھائی بڑے کے ہوتے ہیں کبھی یہ جرأت کر سکتا ہوں؟

شوکت۔ اصل بات یہ ہے کہ تم اس جان جوکھوں کے معاملے میں اچھی طرح نپٹ سکو گے ـــــــ اور ـــــــ اور تم مجھ سے خوبصورت بھی ہو۔

سلیم۔ لیکن آپ زیادہ مستقل مزاج اور تحمّل کرنے والے ہیں۔

شوکت۔ سلیم! میں تو شادی نہیں کرونگا۔

سلیم۔ اور بھائی جان! میں بھی نہیں کرونگا۔

چچی۔ تمہیں خدا سمجھے، تم تو آپس میں یوں باتیں کر رہے ہو گویا تمہیں کوئی پھانسی پر لٹکانے لگا ہے۔

شوکت۔ چچی جان! ایمان سے کہنا سلیم مجھ سے زیادہ ہمّت والا انسان ہے نا؟

سلیم۔ چچی! بھائی جان کو اپنے چھوٹے بھائی کے لئے کئی سال پہلے مثال قائم کرنی چاہیئے تھی۔

شوکت۔ لیکن میں شادی کروں تو کس سے کروں؟ آپ ہی کہیئے چچی۔

جب اس معاملے پر بحث ہوتی ہے تو اسی بات پہ ختم ہو جاتی ہے کہ میرے لائق کوئی لڑکی نہیں۔

چچی۔ یہ کیا بات ہے، تمہارے گھر میں ہی ایک ایسی شاندار لڑکی ہے کہ چراغ لیکر ڈھونڈو تو ویسی نہ ملے۔

سلیم۔ وہ کون؟

چچی۔ اچھا! تو اب تمہیں یہ بھی بتاؤں کہ میں اپنے مرحوم بھائی کی لڑکی کس لئے یہاں لائی تھی؟

سلیم۔ آپ کا اشارہ ثروت کی طرف ہے؟

چچی۔ اور کیوں نہ ہو؟ ایسی شکل پائی ہے کہ دیکھتے ہی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ کیا ہوا جو امیر گھرانے میں پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن مجھے تو ویسی سلیقے والی کوئی لڑکی نظر نہیں آتی۔ تم آپس میں فیصلہ کر لو۔ دس منٹ تک میں واپس آؤں گی اور مجھے قطعی طور پہ آج معلوم ہو جانا چاہیئے کہ تم میں سے کون دولہا بنے گا، ٹھیک ہے نا؟

(چچی مکان کے اندر چلی جاتی ہے)

شوکت۔ بہت برے پھنسے!

سلیم۔ اس عذاب سے کیونکہ نجات ملے گی؟

شوکت۔ ہماری چچی بھی بڑی مصیبت ہے۔ اور اس دفعہ مصیبت اکیلی نہیں

آپی۔ پھر تم کہتے ہو کہ میں کتاب ختم کرنے میں بڑا سست ہوں۔ ایسی باتوں کے ہوتے ہوئے کوئی خاک کام کرے؟

(وقفہ)

سلیم۔ میں نے کہا بھائی جان، ثروت کی شکل کیسی ہے؟

شوکت۔ خدا جانے، جہاں تک مجھے یاد ہے۔ میں نے تو اسے نہیں دیکھا۔

سلیم۔ نہ ہی میں نے۔

شوکت۔ میرے خیال میں چچی جو کچھ کہتی ہیں وہ کر گذریں گی۔

سلیم۔ بالکل! یا تو ہم میں سے ایک کو یہ جوا پہننا ہو گا۔ یا وہ ہمیں چھوڑ کر چلی جائے گی۔

شوکت۔ اس معاملے پر انسان سوچے تو کیا سوچے؟ ہماری فطرت میں ہی شادی کی مخالفت ہے۔

سلیم۔ یہ بات تو یقیناً درست ہے (وقفہ) ——— تو بھائی جان، آپ کو فیصلہ کر لینا چاہیئے!

شوکت۔ مجھے؟ میں تو ہرگز یہ کام نہیں کر سکتا۔ میرے لئے تو یہ مہمل بات ہے (موثر انداز میں) دیکھو بھائی سلیم! تم بڑے خوب صورت اور شادی کے قابل نوجوان ہو، تمہیں ضرور شادی کرنی چاہیئے ——— یہ

مجھ پر احسان ہو گا۔

سلیم۔ بالکل ناممکن، اس کے علاوہ میں آپ کے لئے ہر ایک مصیبت جھیلنے کو تیار رہوں۔

شوکت۔ تم ابھی پرانے قصّوں کا ذکر کر رہے تھے کہ چھوٹا بھائی شہزادی سے شادی کرنے میں کامیاب رہتا ہے۔

سلیم۔ معاف کرنا بھائی جان، ہمیں اب پریوں کے قصّوں کے مطابق اپنی زندگیوں کو تو نہیں ڈھالنا ہو گا۔

(پریشان ہو کر اِدھر اُدھر ٹہلتا ہے)

شوکت۔ (اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے) یہ بات تو تم جانتے ہی ہو کہ بیوی کے آنے سے گھر بہشت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ شادی شدہ زندگی بھی کیسی مزے کی زندگی ہوتی ہے۔ آہا! اب میری آنکھوں کے سامنے تصویر پھر رہی ہے۔ تمہارے ساتھ تمہاری خوبصورت بیوی ہے: بچّوں کی ایک پلٹن گھر میں شور مچا رہی ہے۔ تم دونوں خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور اپنے بچّوں پر نثار ہو رہے ہو، (سلیم اس خیال سے ہی کانپ جاتا ہے) یقین جانو تمہاری زندگی کس قدر قابلِ رشک ہو گی۔

سلیم۔ بھائی جان، گستاخی معاف، میں آپ کے لئے اتنی بڑی خوشی کی قربانی کر سکتا ہوں۔ یہ سب آپ کو ہی مبارک۔

شوکت ۔ میرا تو ذکر ہی نہ کرو ۔ مصیبت تو یہ ہے کہ مجھ میں شادی کرنے کی قابلیت ہی نہیں ، تم بڑے ہی اچھے آدمی ہو اور تم بے فکر رہو ۔ میں تمہارے بچّوں کی نہایت اچھی تربیت کرونگا ۔ اور اس بات کو بھی تو سوچو کہ ثروت کتنی حسین لڑکی ہے ،

سلیم ۔ آپنے تو اُسے دیکھا بھی نہیں !

شوکت ۔ (گھبرا کر) کون کہتا ہے میں نے نہیں دیکھا ——— دیکھا نہ بھی ہو ، انسان قیاس سے تو معلوم کر سکتا ہے ——— اور ——— اور تم کیا سمجھتے ہو کہ چچی جھوٹ بول رہی تھیں ؟

سلیم ۔ بھائی جان ، یہ خزانہ میں آپکے سپرد کرتا ہوں ۔ میری دعائیں آپکے ساتھ ہوں گی ۔

شوکت ۔ لیکن میں تو ہرگز شادی نہیں کروں گا ۔ اگر تمہیں بڑے بھائی کا تھوڑا سا بھی پاس ہوتا تو تم کبھی انکار نہ کرتے ۔ لیکن افسوس اس دنیا میں سگے بھائی تک خود غرض ہوتے ہیں ۔

سلیم ۔ بھائی جان ! یونہی جھگڑا کرنے سے کچھ نہ ہوگا ۔ ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے ، کیوں نہ ہم قرعہ اندازی کر لیں ؟

شوکت ۔ قرعہ اندازی ؟ یہ تو بڑی فضول تجویز ہے !

سلیم ۔ فضول کیسے ؟ دنیا کی ابتدا سے یہ طریقہ رائج ہے ۔

شوکت۔ لیکن میں تو ایسے خطرے میں پڑنے سے انکار کرتا ہوں۔
سلیم۔ بھائی جان! ذرا اس بات پر بھی تو غور کرو کہ کس مصیبت میں ہماری جان پھنسی ہوئی ہے۔ ہم میں سے ایک کو تو ضرور شادی کرنا ہوگی ـــــ ـــــ اور ہم میں سے کوئی بھی شادی کرنے کو تیار نہیں، نہ میں آپ کو قائل کر سکتا ہوں نہ آپ مجھے، اس صورت میں تو قسمت کے ہاتھ پر سب کچھ چھوڑ دینا چاہیئے کہ کون شکار ہونا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور علاج نہیں ہو سکتا۔
شوکت۔ (آہ بھر کر) اچھا! تو پھر ایسے ہی کر لو۔ لیکن کس طرح قرعہ ڈالوگے؟
سلیم۔ یہ تو بالکل آسان بات ہے، کاغذ کے دو ٹکڑے لے کر ـــــ (میز سے کاغذ کا ایک ٹکڑا اُٹھاتا ہے اور اسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے) اس طرح دو ٹکڑے بنا کر ایک پر "ش" اور دوسرے پر "ا" لکھ کر ـــــ (لکھتا ہے) انہیں اچھی طرح لپیٹ کر اکٹھا کر دینا ہوگا جس کے ہاتھ "ش" کا پرزہ آئے گا اُسے شادی کرنا ہوگی ـــــ اور "الف" تو آزادی کا اشارہ ہے ہی۔ کوئی ہنڈیا ہوتی تو اس میں انہیں خوب ہلا لیتے، خیر اپنا پائپ ادھر دینا،
شوکت۔ نہیں سلیم، اپنا پائپ لو، میں بڑا بدقسمت آدمی ہوں۔

سلیم ۔ بہت اچھا! اس سے کیا ہوگا! (اپنے خالی پائپ میں دونوں پرزوں کی گولیاں بنا کر ڈال دیتا ہے اور پھر خوب ہلاتا ہے)

شوکت ۔ سلیم! دیکھو خوب ہلا لینا۔ تم نے کوئی نشانی تو نہیں رکھ لی۔

سلیم ۔ بھائی جان! لیجئے، ان گولیوں کو آپ اچھی طرح دیکھ لیں (شوکت دیکھتا ہے) کیوں! اب آپ کو یقین ہے؟

شوکت ۔ ہاں! لیکن ایک دفعہ پھر ہلا لو۔

سلیم ۔ (پائپ میں ڈال کر ہلاتا ہے) لیجئے (میز پہ دونوں گولیاں الٹ دیتا ہے) اب جو جی میں آئے اٹھا لیں۔

شوکت ۔ (خوفزدہ ہو کر) نہیں! نہیں!! میری تو روح کانپ رہی ہے، تم ہی اٹھاؤ۔

سلیم ۔ (ذرا گھبرا کر) بہت اچھا! اس میں کیا ہے! میں ہی اٹھا لیتا ہوں۔

(اپنی آنکھیں بند کر کے کاغذ کی ایک گولی
اٹھا لیتا ہے اور دوسری گولی شوکت نہایت
تذبذب اور گھبراہٹ کی حالت میں
اٹھاتا ہے)

سلیم ۔ دیکھو بھائی جان! اب ہماری تقدیر ہمارے ہاتھ میں ہے۔

شوکت ۔ سلیم! میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔

سلیم ۔ اب دیر کس بات کی ہے، کھول کر پڑھو۔
شوکت ۔ میری ہمت نہیں پڑتی، تم پہلے کھولو۔
سلیم ۔ میں ہی ہر بات مانتا ہوں؟ یہ تو بالکل بچپن ہے! اچھا! تو ہم اکٹھے کھولیں گے۔ میں ایک دو تین کہتا ہوں ——— اور تین پہ ہمیں اکٹھا کھولنا ہو گا۔
شوکت ۔ اچھا! یونہی سہی،
سلیم ۔ ایک ——— دو ———،
شوکت ۔ سلیم! ذرا ٹھہرو، میرا دل بہت دھڑک رہا ہے۔ ذرا مجھے ایک پھول توڑ کر دے دینا میں سونگھ لوں،
سلیم ۔ (پاس سے ہی ایک پھول توڑ کر شوکت کو دیتا ہے) لیجئے، ہاں! اب تو حوصلہ ہو گیا ہے نا؟ ایک ——— دو ——— تین،

(دونوں کاغذ کی گولیاں کھولتے ہیں)

شوکت ۔ (کرسی پر اوندھا ہو کر گر پڑتا ہے) اُف! میری قسمت پھوٹی۔ اب میں کیا کروں۔
سلیم ۔ اہا! ہم بچ گئے! صاف بچ گئے! شکر ہے خدایا تیرا، بھائی جان! یاد ہے نا! بیوی کے آنے سے گھر بہشت کا نمونہ بن جاتا ہے، اہا! اب آپ کے ہاں بچوں کی پلٹن ہو گی اور اب آپ خوشی سے پھولے

نہ سمائیں گے، آپ بے فکر رہیں، اب آپ کے بچوں کی تربیت میں کروں گا۔

(شوکت اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے ہوئے ہے)

(چچی آتی ہے)

سلیم۔ (دوڑ کر چچی سے لپٹ جاتا ہے اور پھر اُس کے ارد گرد ناچنا شروع کر دیتا ہے) چچی! مبارک ہو مبارک، بس! اب مٹھائی کھلاؤ، مجھ سے بڑھ کر دنیا میں کون خوش قسمت ہوگا!

چچی۔ ارے دماغ تو نہیں چل گیا، بات کیا ہے؟ اور اُدھر دیکھو میاں شوکت تو اس طرح سر نیوہڑائے بیٹھے ہیں گویا پیغمبری وقت آ پڑا ہے۔ آخر تم دونوں کو ہوا کیا ہے؟

سلیم۔ سب کام ٹھیک ہے چچی، بھائی جان کو آپ فوراً مبارکباد پیش کریں کہ اُنھوں نے زندگی کے نہایت ضروری مسئلے پر بڑے غور و خوض کے بعد فیصلہ کر لیا ہے ——— اور آخر اس فیصلہ کا کچھ نہ کچھ تو اثر ہونا چاہیئے تھا۔

چچی۔ کیا؟ تمہارا مطلب ہے کہ ———

سلیم۔ کہ بھائی جان گھر میں بہو لائیں گے۔

چچی۔ شاباش بیٹا! آخر تم میں سے ایک نے تو اپنی عمر میں پہلی دفعہ معقول بات کی۔

شوکت۔ اے خدا! میری مدد کیجو میں اور شادی؟ —— اُف!

چچی۔ دگربا اُس نے شوکت کی بات سنی ہی نہیں) خیر! شوکت تم دنیا میں خوشی دیکھو گے، اہا! میں تو خوشی سے آسمان پہ اُڑی جا رہی ہوں، میرے بچے! میں تمہیں مبارکباد دیتی ہوں، (چوم کر) اوہو! تمہیں سہرا بندھا دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہے گی —— شادی —— بہو —— اہا!

سلیم۔ اور پلٹن بچوں کی!

شوکت۔ آہ!

چچی۔ بیٹا شوکت! تم بے فکر رہو، میں شادی کا پورا انتظام کر دوں گی اور تم اپنی بوڑھی چچی کے ٹھاٹھ کی ضرور داد دو گے، بس! میں آج سے ہی بیاہ کا انتظام شروع کر دیتی ہوں۔

شوکت۔ چچی جان! اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جلدی کرنے کی بالکل ضرورت نہیں،

چچی۔ بیٹا! تمہیں کیا پتہ کہ بیاہ شادی میں کتنے جھنجھٹ ہوتے ہیں۔ میں تو آج ہی سے تیاری شروع کر دوں گی۔ ثروت ایک یتیم بچی ہے، اُس کے

لئے جو کچھ کرنا ہو گا مجھے ہی کرنا ہو گا۔ اور تمہاری طرف سے تیاری کا بوجھ بھی مجھ پہ ہو گا۔ برتن، فرنیچر، کپڑے اور زیورات سب چیزیں خریدنی ہوں گی ——— اور ثروت کے لئے تو ایسا جوڑا تیار کروانے کا ارادہ ہے کہ لوگ عش عش کر اٹھیں خیر! تم غم نہ کھاؤ ہمیں سب کام ٹھیک کر لوں گی۔

شوکت۔ اُف! ہمیں تو تصوّر ہی میں ہی کانپ رہا ہوں۔

چچی۔ بیٹا! کانپنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں تم پہ بیاہ کے انتظامات کا کوئی بوجھ نہیں ڈالوں گی۔

شوکت۔ اُف! کس پاجی کو انتظامات کی فکر ہے۔

سلیم۔ اہا! وہ دیکھو! ثروت بھی ادھر آ رہی ہے۔

چچی۔ بس! بیٹا شوکت! ایسی باتیں کرو کہ ثروت تمہاری گرویدہ ہو جائے۔ اپنی شخصیت کا اُس پہ خوب اثر ڈالو،

شوکت۔ (خوفزدہ ہو کر) اس وقت؟ نہیں چچی! اس وقت نہیں۔

چچی۔ بیٹا! گرم لوہے پر ہی چوٹ لگ جائے تو اچھا ہوتا ہے اور یہ تمہاری صورت کیا بنی ہوئی ہے۔ بالکل ہوّا بنے بیٹھے ہو! اندر جاؤ ذرا ہاتھ منہ دھو کر اپنے بال درست کرو۔ کوئی اچھا سا کوٹ پہن لو۔ جیسے دیکھ کر ثروت

کے دل پر اثر ہو جائے۔

شوکت۔ میرے پاس تو کوئی لمبا کوٹ نہیں ہے سلیمانی چغہ ہی اس موقع پر کام آسکتا ہے۔

چچی۔ کیوں بیٹا! وہ سیاہ لمبا کوٹ کیوں نہیں پہن لیتے، جو تم ڈگری لینے کے لئے پہن کر گئے تھے۔ مدّت سے وہ صندوق میں مقفّل پڑا ہوا ہے۔

شوکت۔ ہاں! کارٹون تو اچھا بن جاؤں گا۔

سلیم۔ بھائی جان! یہ خدمت آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے، خدا جانتا ہے کہ میں آپ کو وہی پریوں والا شہزادہ...... بنا دونگا۔

شوکت۔ بہت اچھا! قربانی سے پہلے بکرے کو خوب سجایا جاتا ہے وہی حال میرا ہو رہا ہے اور تم کس قدر خوش ہو سلیم، خیر، میں سمجھتا ہوں کہ وہ ضرور مجھے ناپسند کریگی۔

سلیم۔ کیا باتیں کر رہے ہیں آپ؟ آپ جیسا ڈیل ڈول والا شخص تو بڑی مشکل سے ملتا ہے سیاہ کوٹ کے اوپر سفید ٹائی پہن لیجیا، بس ثروت تو فوراً رام ہو جائے گی، تم پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ سب کچھ میں ٹھیک کر لوں گا۔

(سلیم شوکت کو گھر میں لے جاتا ہے)

چچی ۔ (دروازے تک ان کے پیچھے پیچھے جاتی ہے) دیر مت لگانا، اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے (پھر واپس آجاتی ہے) اب مجھے ثروت کو بھی تو راہ پہ لانا ہوگا۔ وہ بھی بڑی آزاد خیال سی ہے۔ کہیں شوکت پر اعتراض نہ شروع کردے،

(ثروت اندر آتی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں
کتاب ہے وہ پڑھتی ہوئی آتی ہے۔ اور
چچی کو نہیں دیکھتی اور سیدھی باغ کی نشست
پر بیٹھ جاتی ہے)

چچی ۔ بیٹی! کتاب پڑھ رہی ہو؟

ثروت ۔ ہاں! چچی، ایک کتاب ہے!

چچی ۔ بیٹی! اس گھر میں تو پہلے ہی کتابوں کے کیڑے بہت ہیں۔

ثروت ۔ چچی! یہ سلیم نے ایک نئی کتاب لکھی ہے۔ آپ نے ابھی تک نہیں پڑھی؟ نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ میں تو سلیم کی لیاقت کی قائل ہو چکی ہوں،

چچی ۔ اونہہ! سلیم کیا لکھے گا! کبھی شوکت کی کتابیں دیکھو تو آنکھیں کھل جائیں بڑی بڑی موٹی کتابیں اُس نے لکھ ڈالی ہیں۔

ثروت ۔ ہاں! ٹھیک ہے لیکن شوکت خشک لکھنے والا ہے۔ زبان میں بالکل

شریف نہیں، اور سلیم کا طرزِ تجربہ تو ——،

چچی۔ خیر، چھوڑو ان باتوں کو، کہو یہ جگہ کیسی ہے؟

ثروت۔ بہت مزے کی۔ لیکن کبھی کبھی تنہائی سے گھبرا جاتی ہوں۔

چچی۔ سلیم اور شوکت سے تم نہیں ملا کرتیں؟

ثروت۔ نہیں چچی! شوکت کا تو یہ حال ہے کہ وہ کبھی میری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ میرا خیال ہے وہ علامہ قسم کا آدمی ہے۔ جو ہر وقت اپنی کتابوں میں ہی کھویا رہتا ہے اور سلیم کی طبیعت میں ذرا شوخی معلوم ہوتی ہے اور وہ اتنا چپ چاپ بھی نہیں۔

چچی۔ لیکن بیٹی! یہ میں تمہیں بتا دوں کہ شوکت سلیم سے ہزار درجہ بہتر انسان ہے۔

ثروت۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن مجھے تو اسے دیکھتے ہی خوف سا محسوس ہونے لگتا ہے۔ میں تو اس میں کوئی دلچسپی نہیں پاتی۔ سلیم مزیدار انسان معلوم ہوتا ہے۔

چچی۔ سلیم مزیدار انسان؟ (جھلا کر اُٹھتی ہے اور ثروت سے دُور جا کر کھڑی ہو جاتی ہے اور اپنے آپ سے کہتی ہے) بڑی مصیبت کے بعد شوکت کو راستے پہ لائی ہوں۔ یہ چھوکری کہیں بنا بنایا کام نہ بگاڑ دے۔ معلوم نہیں یہ سلیم کو کیوں ترجیح دے رہی ہے!

ثروت۔ (اپنے آپ سے) معلوم ہوتا ہے کہ چچی مجھ سے خفا ہو گئی ہیں میں نے کوئی ایسی بری بات تو نہ کہی تھی!

چچی۔ (اپنے آپ سے) خیر، کچھ بھی ہو اسے شوکت کے پلے باندھ کر چھوڑوں گی (پھر ثروت کے نزدیک آتی ہے) دیکھو، تم شوکت سے کیوں ڈرتی ہو؟ میں تو سمجھتی ہوں کہ ایسا اچھا انسان دنیا میں نہیں مل سکتا، وہ دیکھو۔

(مکان سے شوکت اور سلیم باہر نکلتے دکھائی دیتے ہیں۔ شوکت گھبرایا ہوا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُسے زبردستی لایا جا رہا ہے، اور وہ اپنے سیاہ کوٹ اور سفید ٹائی میں عجیب ہونق سا ہو گیا ہے، نہایت مضحکہ خیز صورت ——)

سلیم۔ (اُس کی ٹائی کی گرہ کو درست کرتے ہوئے) میں کہتا ہوں غضب ہو گیا، بس! اب دیر کس بات کی ہے! جاتے ہی ثروت کو مطیع کر لو! ہاں!

شوکت۔ سلیم! تم بھی چاہتے ہو کہ میرا خوب مضحکہ اُڑے،

چچی۔ بیٹی! دیکھا شوکت کو؟ کیسا خوبصورت اور مدبر انسان معلوم ہوتا ہے۔ (آہستہ) کم بخت نے بوٹ بھی نہیں پہنے۔ وہی سلیپر پہنکر چلا آ رہا ہے

اور وہ بھی اُلٹے ــــــــ

شوکت ۔ میرا خیال ہے کہ چچی ثروت کو سکھا پڑھا رہی ہے ۔

چچی ۔ بیٹی! شوکت سے ڈر کس بات کا؟ یہ حماقت ہے ــــــــ خوب بے تکلّف ہو کر اس سے باتیں کرنا ــــــــ اور وہ تو بڑا دلچسپ انسان ہے (شوکت کے نزدیک جا کر) شوکت! اب تم نپٹو، میں جا رہی ہوں۔ سلیم تم بھی انہیں اکیلا چھوڑ دو ۔

شوکت ۔ (نہایت خوفزدہ ہو کر) نہیں نہیں!! سلیم میرے ساتھ رہیگا ۔ میں تو گھبراہٹ سے ہی مر جاؤں گا ۔

چچی ۔ خیر! تمہاری مرضی (ثروت کی طرف جاتی ہے) بیٹی! دیکھا کیسا سجیلا انسان ہے اور جب وہ باتیں کرے گا تو تم اس کی گرویدہ ہو جاؤ گی۔ اور تم بھی اس سے نرمی سے باتیں کرنا، سمجھ گئیں ؟

ثروت ۔ اُف! توبہ، انہیں دیکھتے ہی میرے تو اوسان خطا ہوئے جاتے ہیں ۔

چچی ۔ تمہیں کھا تو نہ جائے گا، آجکل کی چھوکریوں کے دیدے بھی کیا سفید ہو گئے ۔ وہ بے چارا تمہیں ملنے کے لئے بے تاب ہے ۔ اور تم سے بات کرنے کو ترس رہا ہے ۔ اور تمہاری یہ حالت ہے کہ اس سے دور بھاگ رہی ہو! (پھر شوکت کے پاس جاتی ہے) اب ذرا ہمّت سے کام لینا شوکت!

اور یہ بھی خیال ہے کہ ناشتہ کا بالکل ستیاناس ہو جائے گا۔ اس لئے
جلدی کام ختم کر لینا۔

(چچی اندر مکان میں چلی جاتی ہے)

شوکت۔ ناشتہ؟ کس پاجی کو اب بھوک رہ گئی ہے! (آہ بھرتا ہے)

سلیم۔ بھائی جان! اب آپ چلے جائیے، وہ رہی ثروت!

ثروت۔ (اپنے سامنے کتاب پھیلا کر اوپر سے دیکھتی ہے) معلوم نہیں یہ
دونوں وہاں کیا کر رہے ہیں؟

سلیم۔ بھائی جان! اب جاؤ گے بھی یا نہیں؟

شوکت۔ لیکن وہ تو کتاب پڑھ رہی ہے۔ میں کس طرح مخل ہو سکتا ہوں؟

سلیم۔ اس کا مطلب ہے کہ جب تک وہ ساری کتاب ختم نہ کر لے گی آپ یہیں
کھڑے رہیں گے؟

شوکت۔ لیکن میں اسے کیا کہوں؟

سلیم۔ کہنا کیا ہے! جاتے ہی کوئی نہ کوئی بات شروع کر دیں پھر اُس سے
کہیں "ثروت! میں تم سے محبّت کرتا ہوں"

شوکت۔ لیکن کون گدھا اُس سے محبّت کرتا ہے؟

سلیم۔ لیکن آپ کو ظاہر تو اسی طرح کرنا ہوگا!

شوکت۔ عذاب میں پھنس گیا ہوں! خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ میں اسے

کہوں گیا؟

سلیم ۔ فرض کیا کہ آپ اسے کہتے ہیں " آداب عرض ! ثروت خیریت تو ہے ، موسم کیا اچھا ہے ! " یا اسی طرح کی کوئی اور بات ،

شوکت ۔ یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے ۔ مجھ سے ایسی باتیں کہاں ہو سکیں گی !

سلیم ۔ آپ بھی کمال کر رہے ہیں ، اس طرح تو کام نہیں بنے گا ۔ اچھا ذرا ادھر آئیے نا (شوکت کو پردے کی اوٹ میں لے جاتا ہے) اب فرض کیجئے کہ آپ ثروت ہیں اور میں شوکت بھائی ہوں (دو چار قدم دور جا کر پھر آتا ہے اور شوکت کے سامنے جھک کر کہتا ہے) آداب عرض کرتا ہوں ثروت !

شوکت ۔ آداب عرض !

سلیم ۔ میں ـــــــ اور آپ ، میرا مطلب کہ آپ رات مزے سے سوئی تھیں ۔ !

شوکت ۔ ہاں ! رات مجھے مچھروں نے نہیں کاٹا ، شکریہ ،

سلیم ۔ اُفوہ ! مجھے کس قدر خوشی ہوتی ہے ، میں ـــــــ خوشی خو ـــــــ اور کہ ـــــــ فر ـــــــ ،

شوکت ، ۔ دیکھا سلیم ! تم بھی پوری طرح پارٹ نہیں ادا کر سکے !

سلیم ۔ بات یہ ہے کہ میں آپ کی اس شکل وصورت کے ساتھ کیونکہ محبت کر

سکتا ہوں؟ البتہ ثروت سامنے ہو تو پھر میری طاقتِ گفتار دیکھئے۔

شوکت۔ تو وہاں ہی آزما کر دیکھ لو۔

سلیم۔ آپ اجازت دیں تو میں (پودے سے جھانکتا ہے) اس سے چند باتیں کروں، بس، مُہرِ خاموشی توڑنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ اس کے بعد آ جائیے۔

شوکت سلیم! تم بڑے اچھے بھائی ہو، تمہاری یہ صلاح مجھے بہت پسند آئی ہے۔

ثروت۔ (پھر کتاب کے کناروں سے دیکھتی ہے) معلوم نہیں انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آ رہا ہے ——— اوہو ——— یہ تو سلیم ہے،

سلیم۔ بھائی جان! مجھے بھی بڑا دشوار کام نظر آ رہا ہے۔ خیر، پچی جھوٹ نہیں کہہ رہی تھیں، ثروت واقعی حسین ہے۔ ہر چہ بادا باد ———،

(ادھر جانے لگتا ہے)

شوکت سلیم!

سلیم۔ (سلیم واپس آ کر) اب کیا بات ہے؟ یہ پیچھے سے بلانا اچھا شگون نہیں ہوتا،

شوکت سلیم! مجھے تو خاک بھی یاد نہیں رہے گا جب تک کہ میں ساتھ ساتھ نہ لکھتا جاؤں، مہربانی کر کے مجھے میری ڈائری اور پنسل دے دو۔

سلیم۔ بہت اچھا! لیکن بھائی جان، اگر آپ اب خاموش نہ رہے تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔

(پنجوں کے بل میز کے نزدیک جاتا ہے اور ڈائری اور پنسل لے کر شوکت کو دیتا ہے۔ ثروت اس کی طرف دیکھتی ہے)

سلیم۔ توبہ! وہ بھی ہمیں پاگل سمجھتی ہوگی،

شوکت۔ (ڈائری کھول کر) بس! اب میں تیار ہوں، تم جاؤ!

سلیم۔ اچھا! (تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ثروت کے پاس جاتا ہے) آداب عرض کرتا ہوں، ثروت!

ثروت۔ (تعظیماً اٹھ کھڑی ہوتی ہے چہرے پر شرمیلا پن ظاہر ہے) میں بھی آداب عرض کرتی ہوں، پیغمبر سلیم!

سلیم۔ اور —— کیا —— آپ مزے کی نیند سوئی تھیں نا؟

ثروت۔ رات تو بڑی بے چینی سے کٹی۔

سلیم۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی، اُف! توبہ —— مجھے بہت افسوس ہے۔

(اس کو اب یاد آتا ہے کہ وہ بھول چوکی

نذر کرنے کے لئے لایا تھا وہ اُسے گھبراہٹ
میں مسل رہا ہے)

سلیم ۔ معاف کیجئے ۔ کیا میں یہ پھول پیش کر سکتا ہوں ۔

ثروت ۔ میں بہت شکر گذار ہوں (پھول لے کر اپنے بالوں میں لگا لیتی
ہے)

شوکت ۔ بہت خوب ! (وہ پودے کے پیچھے ایک پھول توڑ کر فرضی طور پر پھول
پیش کرتا ہے)

ثروت ۔ سلیم صاحب ! تشریف رکھئے نا !

سلیم ۔ آپ مطالعہ کر رہی ہیں ؟ ممکن ہے میری مداخلت آپ کو
ناگوار ہو ،

ثروت ۔ بالکل نہیں ، اکٹھے رہنے کے باوجود ہم ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے
مجھے تو بہت خوشی ہو گی ۔

سلیم ۔ بہت خوب ! کیا میں یہ بات پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آپ کون
سی کتاب پڑھ رہی ہیں ؟

ثروت ۔ میں " جزیروں کا سفر " مطالعہ کر رہی تھی ۔

سلیم ۔ ہیں ؟ یہ تو میں نے لکھی ہے !

ثروت ۔ ہاں ! نہایت بلند پایہ اور دلچسپ کتاب ہے ۔

شوکت۔ (دبی آواز میں) اس سے پوچھو کہ اس نے میری لغت بھی پڑھی ہے یا نہیں؟

سلیم۔ (اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہے) کچھ عرصہ گزرا میں نے یہ کتاب لکھی تھی، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کو ادبیات کا بھی شوق ہے۔

(شوکت پنجوں کے بل میز کے نزدیک جا کر
ایک موٹی سی کتاب اُٹھا لاتا ہے)

ثروت۔ میں تو کتابوں میں زندگی محسوس کرتی ہوں لیکن چچی کا خیال ہے کہ یہ بالکل تضیع اوقات ہے۔

سلیم۔ بالکل فضول! چچی کو ان باتوں کی سمجھ ہی نہیں، کتابیں پڑھنے سے تو آپ کی زندگی نہایت زرّیں ہو جائے گی۔

ثروت۔ سچ مچ؟ اچھا! اس دفعہ جب چچی نے مجھے یہ کہا "تم کیوں ہر وقت کتابوں کا کیڑا بنی رہتی ہو" تو میں یہی جواب دوں گی۔

سلیم۔ میرا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں، چچی تو یہ چاہتی ہیں کہ میں کسی دفتر میں کلرک بن جاؤں اور شام کے وقت گھر کے لئے منڈی سے سودا سلف خرید کر لاؤں۔

ثروت۔ اور میرے لئے وہ یہ کہتے ہیں کہ میں سارا دن کروشیا کا کام

کرتی رہوں۔

سلیم۔ وہ تو چاہتی ہیں کہ ہم اپنی زندگی کنوئیں کے مینڈک کی طرح برباد کر لیں!

(دونوں ہنس پڑتے ہیں)

شوکت۔ (غصّے سے) سلیم!

سلیم۔ (اُچھل کر) کیوں بھائی جان، کیا بات ہے؟ (اُس کے پاس جاکر) دیکھو بھائی جان، میری دھاک ابھی بیٹھنے لگی تھی کہ تم نے آواز دے دی،

شوکت۔ سلیم! اس لغت میں تو کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ میں نے کاپی اور پروف تو اچھی طرح پڑھ لئے تھے۔ خدا جانے یہ غلطیاں کیسے رہ گئیں؟ اب کیا کیا جائے؟ ایک غلط نامہ علیحدہ چھپوالیں تو اچھا ہوگا، اس طرح تو میری سخت بدنامی ہوگی۔

سلیم۔ بھائی جان! جہنّم میں جائے آپ کی لغت، میں تو آپ کے لئے میدان صاف کر رہا ہوں اور آپ کو اپنی لغت کی پڑی ہوئی ہے۔

شوکت۔ اوہو! میں تو بھول ہی گیا تھا، یہ غلطیاں دیکھ کر مجھے بہت پریشانی ہوگئی تھی۔

سلیم۔ اب خدا کے لئے خاموش رہیئے گا، میں تو تمہارے ہی لئے سب

کچھ کہہ رہا ہوں معلوم نہیں آپ بیوی کو سنبھالیں گے کیسے؟

(شوکت جاکر مکان کی سیڑھیوں پہ بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی حالت نہایت شکستہ سی ہو چکی ہے۔ اس اثناء میں ثروت اُٹھ کر جانے لگتی ہے سلیم دوڑ کر آتا ہے)

سلیم۔ ثروت! آپ جا رہی ہیں؟

ثروت۔ میں نے خیال کیا تھا کہ آپ شوکت بھائی سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں،

سلیم۔ نہیں، وہ تو ایسا ہی کیا کرتے ہیں، ہم اچھے بھلے باتیں کر رہے تھے خواہ مخواہ بیزار کیا۔ مجھے ابھی آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔

(ثروت پھر بیٹھ جاتی ہے)

سلیم۔ ہم کیا باتیں کر رہے تھے؟

ثروت۔ آپ کی کتاب کے متعلق۔

سلیم۔ ہاں، ہاں!! آخر آپ کو بھی ہم مصنفوں کی زندگی میں دلچسپی ہے!

ثروت۔ کیوں نہیں، اگر آپ کی تمام کتابیں اسی طرح کی ہیں تو پھر میں

آپ کو مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ آپ کے طرزِ تحریر سے تو ہر ایک شخص لطف اندوز ہو سکتا ہے!

سلیم۔ آپ تو بہت سمجھدار معلوم ہوتی ہیں، کاش ہمارا تعارف بہت دیر پہلے ہو چکا ہوتا!

ثروت۔ (دبی زبان سے) اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں،

(شوکت پھر پودے کے پیچھے آکر جھانکتا
ہے اور کچھ لکھتا ہے، سلیم اور ثروت
کی طرف دو تین دفعہ جانے کا ارادہ کرتا ہے
لیکن پھر باز رہتا ہے)

سلیم۔ مجھے اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ میری زندگی خشک اور بے کیف سی ہے اور میں سوسائٹی کے آداب سے بالکل ناواقف ہوں، ایک گنوار سا آدمی ——— لیکن امید ہے کہ ہم اس کمی کو پورا کر لیں گے ——— ٹھیک ہے نا؟ تم ایک گنوار آدمی کو ضرور مکمل انسان بناؤ گی!

ثروت۔ آپ تو خواہ مخواہ کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہیں۔ آپ کو کون گنوار کہہ سکتا ہے؟ بہر صورت آپ کبھی کبھی مجھے قصّے کہانیاں سنایا کریں گے نا؟

سلیم۔ ضرور، مجھے اس سے زیادہ اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ گرمیوں میں

شام کے وقت ہم دریا کے کنارے بیٹھا کریں گے۔

ثروت۔ اور سردیوں میں انگیٹھی کے سامنے!

سلیم۔ میں آپ کو ہر روز ایک نئی کہانی سنایا کروں گا،

ثروت۔ بچپن کی طرح ——— کس قدر دلچسپ بات ہے!

سلیم۔ بچپن؟

ثروت۔ ہاں! بچپن میں مجھے میری دادی امّاں قصّے سنایا کرتی تھیں، آہ! وہ بھی کیا وقت تھا۔

سلیم۔ وہ قصّے آپ کو یاد ہیں؟

ثروت۔ کیوں نہیں! اب تو دادی امّاں مر چکی ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد مجھے بھی وہ قصّے بھول جائیں گے۔ کئی دفعہ میرے دل میں خیال آیا ہے کہ اگر مجھ میں لکھنے کی اہلیت ہوتی تو میں ضرور انہیں جمع کر لیتی۔

سلیم۔ لیکن یہ تو نہایت ضروری چیز ہے، آپ قصّے مجھے سنائیں میں لکھتا جاؤں گا!

ثروت۔ آپ میرا مضحکہ تو نہیں اُڑا رہے؟ آپ ایسا عالم اور فاضل پروفیسر بچّوں کے قصّوں کو کیا کرے گا!

سلیم۔ کیوں نہیں، میں تو اس سلسلے میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں، بڑی جدّ و جہد کے باوجود مجھے یہ قصّے نہیں مل رہے۔ کیوں نہ ہم دونوں اس

کتاب کو مکمل کر دیں۔

(سلیم نہایت اشتیاق کے ساتھ ثروت
کے قریب جھکا ہوا ہے اور شوکت پیچھے
سے آکر سلیم کے کاندھے کو پکڑ لیتا
ہے)

شوکت۔ اب میدان صاف ہو چکا ہے، میرا خیال ہے کہ میں اب صورتِ حالات پر قابو پالوں گا۔

سلیم۔ (اچھل کر) بھائی جان! آپ کیا کر رہے ہیں۔ بات بھی نہیں کرنے دیتے اور خواہ مخواہ بیچ میں آکر مداخلت کر بیٹھتے ہیں، اب بات کیا ہے؟

شوکت۔ (سلیم کو ایک طرف لے جاکر) سلیم! میں کہہ رہا تھا کہ اب تم جاؤ، اب قصوں کی بات شروع ہو گئی ہے۔ میں خود اس سے نپٹ لونگا۔

سلیم۔ آپ کیا نپٹیں گے؟ اُف! توبہ——سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ اس وقت آپ چلے جائیں۔ میں خود آپ کو بلا لونگا۔

(شوکت کو دھکیلتا ہوا پردے کے پیچھے چھوڑ
آتا ہے)

شوکت۔ (نرمی سے) معاف کرنا، میرا خیال تھا کہ تم نے اپنی باتیں ختم کر لی ہیں!

سلیم۔ (بے توجہی سے) ابھی تو مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔
(پھر واپس آتا ہے اور ثروت پھر اُٹھ کر
جانے لگی ہے)

سلیم۔ آپ جا رہی ہیں؟

ثروت۔ میرا خیال تھا کہ ــــــــ،

سلیم: بھائی جان تو ہر وقت بیزار کرتے ہیں اب انہیں اپنی لعنت کی فکر پڑی ہوئی ہے، کہیں چند کتابت کی غلطیاں اس میں رہ گئی ہیں تو اسکی وجہ سے بہت فکرمند ہو رہے ہیں۔

ثروت۔ لیکن آپ بھی گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ قصوں کے مجموعے کے متعلق پھر کیا خیال ہے۔

سلیم۔ ہاں! ہاں!! وہ مجموعہ ہم ضرور مرتب کریں گے، میں اور آپ ــــــــ لیکن ایک اور ضروری بات بھی آپ سے کرنا ہے۔

شوکت۔ ہیں؟

سلیم۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیونکر اس بات کی ابتدا کروں، آپ کس قدر حسین ہیں! آپکے ہاتھ کس قدر خوبصورت ہیں۔
(ہاتھوں کو پکڑ لیتا ہے)

شوکت۔ ابے! یہ کیا ہو رہا ہے؟

سلیم۔ اور آپ کی آنکھیں نرگس کے پھولوں کی طرح ہیں ـــــ ثروت!
میں تم سے محبت کرتا ہوں، معاف کرنا میں نے "تم" کا لفظ استعمال کیا ہے
میں تم سے محبت کرتا ہوں ـــــ

شوکت۔ (اپنے آپ سے) میرے خیال میں اب اس کی باتیں ختم ہو جائیں گی۔

سلیم۔ (ثروت کے سامنے دو زانو ہو کر) کیا آپ میری بیوی بننا قبول کریں گی؟

شوکت۔ ہیں؟ یہ کیا کہہ رہا ہے؟

ثروت۔ چند لمحہ پیشتر ہم قصّے کہانیوں کا ذکر کر رہے تھے اور اب ـــــ

سلیم۔ ثروت! اب اس قصّے کا صرف ایک ہی انجام ہو سکتا ہے۔
(بڑے خلوص سے) مانا کہ میں قصّوں کے شہزادوں کی طرح نہیں ہوں
ایک بے کیف اور خشک سا گنوار پروفیسر ـــــ لیکن میں تم سے
محبت کرتا ہوں، اگر تم بھی مجھ سے محبت کرنے لگو تو میں تمہیں خوش
رکھنے کے لئے اپنی ساری طاقتیں صرف کر دوں گا، کیا تم مجھ سے محبت
کر سکتی ہو؟

ثروت۔ سلیم! میرا خیال ہے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔

سلیم۔ ثروت ـــــ! میری خوشی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، تم

مجھ سے شادی کرو گی؟ ایک دفعہ "ہاں" کہدو۔

ثروت۔ ہاں!

سلیم۔ آہ! میری پیاری ثروت!!

(سلیم ثروت کے ہاتھوں کو تھامے ہوئے
ہے جب چچی مکان سے باہر نکلتی ہے)

چچی۔ شوکت! یہ کیا معاملہ ہے؟ تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟

شوکت۔ چچی! سلیم مجھے بتا رہا تھا کہ ایک حسین لڑکی سے کیونکر باتیں کی جاتی ہیں!

چچی۔ عجیب اُلّو ہو تم بھی! اس کا مطلب ہے کہ تم نے ابھی تک ثروت سے بات شروع نہیں کی؟

شوکت۔ چچی! سلیم نے بہت دیر لگا دی،

سلیم۔ (آگے بڑھ کر) میری طرف سے اب کوئی دیر نہیں، چچی! میں اپنی ہونے والی بیوی سے آپ کا تعارف کراتا ہوں،

شوکت۔ تمہاری بیوی؟

سلیم۔ ہاں بھائی جان، میری اور ثروت کی زندگی نہایت مزے سے گزرے گی۔ ایسی باہوش لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی، معاف کرنا قسمت میں یونہی لکھا تھا۔

چچی ۔ یہ عجیب بات ہے، میرا تو خیال تھا کہ شوکت ——

شوکت ۔ چچی! میں تو ابھی غور ہی کر رہا تھا ——

چچی ۔ سلیم! ثروت کا کیا خیال ہے؟

سلیم ۔ وہ ہر طرح سے راضی ہے! گو میں اُس کے قابل تو نہیں لیکن —— آپ ثروت سے پوچھ سکتی ہیں ۔

ثروت ۔ چچی جان! اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں ——

چچی ۔ اعتراض؟ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے، میری مسرّت کی تو انتہا نہیں رہی، خدا یہ جوڑا ہمیشہ سلامت رکھے، کیوں سلیم! میں نے تم نہیں کہا نہیں تھا کہ تم کو ثروت ضرور پسند کرے گی، تم میں خوبیاں بھی تو بہت سی ہیں،

شوکت ۔ سلیم! تم نے آج کی صبح بلاوجہ ضائع کر دی ۔ مجھے بہت سا کام کرنا تھا ۔ کوٹ، ٹائی اور کیا کچھ —— پہننے میں تم نے مجھے بہت پریشان کیا اور اس واقعہ سے مجھے شادی سے تھوڑی سی رغبت بھی ہو گئی ہے، کیا فضول بات ہے!

چچی ۔ اب آئے تم راہ پہ، تم کسی اور جگہ کوشش کر دیکھو، نہیں، تم کیا کرو گے، میں ہی کوئی لڑکی تمہارے لئے دیکھوں گی،

شوکت ۔ خدا بچائے، ایک ہی تجربہ کافی ہے، میں آزاد ہی رہنا چاہتا

ہوں، اپنی کتابوں میں آزاد پھرنا چاہتا ہوں ——— اور سلیم! تم تو اب پھنس گئے ہو۔ تم سے وہ کتاب تو مکمل نہیں ہو سکتی، نیز میں ہی اس مسئلہ کا حل پیش کروں گا کہ چھوٹا بھائی کیوں "شہزادی" سے شادی کرتا ہے!!!

(انگریزی سے ترجمہ)

پردہ

حرماں نصیب

افراد

مصنّف۔ ایک ڈراما نویس اور اسکول ماسٹر جس کو لوگوں نے مصنف کہہ کر پکارنا شروع کر دیا تھا۔

نسرین۔ ایک تعلیم یافتہ لڑکی۔

حاجی بدھو۔ ایک سن رسیدہ بزرگ جن کو مصنف سے بہت ہمدردی تھی اور جو خاندان کے ایک معتبر فرد تھے۔

جمیل احمد
نسیم الدین } ایک مدرسے کے لڑکے جہاں مصنف ماسٹر تھا۔
محی الدین

ایک کمرہ جو کپڑے کی دیوار کے ذریعہ دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس دیوار پارچہ میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ جس پہ ایک بہت عمدہ پردہ پڑا ہے۔ ایک حصّہ میں دیوار سے لگا ہوا ایک پلنگ جس پہ بہت نفیس بستر اور ایک تکیہ جس کے غلاف پہ بہت عمدہ پھول پتیوں کے درمیان WELCOME بہت خوشخط لکھا ہوا ہے۔ پلنگ سے کچھ دور پہ ایک گول سی میز جس پہ کاغذ کے بنے ہوئے پھول نسوانی مجسمہ (MODEL) کے ایک ہاتھ کو زیب دے رہے ہیں۔ اس حصہ کی دیوار کے ہر حصّہ میں عورتوں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ جن میں سے خاص تصویریں شانتا آپٹے۔ راج کماری مس امرت۔ شیر گل (ہندوستان کی ایک مشہور مصوّر) اندوری داپنے ایک نیم عریاں حال میں! اور ایک رقاصہ پنجاب کی ہے پلنگ کے سرے پہ تکیہ سے بالکل ملی ہوئی ایک تصویر ہے۔ جس میں ایک دوشیزہ کچھ عجیب انداز سے سو رہی ہے۔ اس کے نیچے لکھا ہے "یہ خواب گراں کب تک"! ٹھیک اس کے اوپر کسی معصوم لڑکی کی ایک اور تصویر ہے جو اپنی خوبصورتی بھولے پن۔ نزاکت اور متانت میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ تکیہ کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے چوکھٹوں میں دو کم سنوں کے مرقعے ہیں۔ پلنگ کے قریب

ہی ایک میز ہے جس پر ایک شمع رکھی ہے۔ جس کے پاس کھلی ہوئی ایک کاپی اور ایک قلمدان بھی موجود ہے۔ اس حصّہ کی ہر چیز نہایت ہی صاف ستھری ہے۔ زمین پر سفید چاندنی بچھی ہوئی ہے۔ کمرے کے دوسرے حصّہ میں دیواروں پر عورتوں کی تصویروں کی بجائے ایسی تصاویر آویزاں ہیں جن کا تعلق مناظر سے ہے۔ فرش پر قالین بچھا ہے۔ اور چند کرسیاں ایک گول میز کے ارد گرد رکھی ہیں۔ میز پر ہاتھ کا کڑھا ہوا ایک ریشمی میز پوش اور اس کے اوپر سرخ رنگ کا ایک گلدستہ جس میں ایک بھی پھول نہیں۔ نہ نقلی نہ اصلی۔ داہنی طرف ایک دروازہ جو بند ہے اور اس پر سرخ پردہ پڑا ہے۔ دروازہ کے پاس ہی تھوڑی دور پر ایک جنگلہ جس کے قریب ایک پیانو رکھا ہے۔

پردہ اٹھتا ہے۔ مصنف اپنے پلنگ پر سو رہا ہے

تھوڑی دیر بعد وہ انگڑائی لیتا ہے۔ آنکھیں کھولتا ہے۔ تو اسی تصویر پر نظر پڑتی ہے جس پر لکھا تھا "یہ خواب گراں کب تک" مسکرا دیتا ہے۔ گھڑی پاس نہ ہونے کی وجہ سے وقت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ پھر وہ شمع روشن کرتا ہے اور لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ ابھی تین یا چار سطریں لکھ سکا تھا کہ کسی نے دستک

دی۔

مصنف۔ (قلم روک کر) کون؟

بدھو۔ (باہر سے) میں ہوں۔

مصنف۔ بدھو دادا؟

بدھو۔ ہاں! ہاں!! میں ہی ہوں۔

مصنف۔ اچھا۔

(پلنگ سے اُٹھتا ہے۔ کوٹ پہن کر گلوبند ہاتھ میں لیکر آگے بڑھتا ہے۔ دوسرے حصہ میں پہنچکر دروازہ کھولتا ہے۔ بدھو داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک سینی ہے جس پر گرم دودھ سے بھرا ہوا ایک قرابہ اور دو شیشے کی پیالیاں رکھی ہیں۔ قمیض کی جیب میں تازہ پھولوں کا ایک گلدستہ ہے)

بدھو۔ (اندر آکر) سات بجنے کو ہیں اور تم نے اب تک منہ بھی نہیں دھویا۔

(آگے بڑھکر سینی میز پر رکھدیتا ہے مصنف پیانو بجاتا ہے۔ بدھو اسکی طرف مخاطب ہوتا ہے۔ وہ شرما کر پیانو بند کر دیتا ہے اور آکر

(اس کے قریب کھڑا ہو جاتا ہے۔)

بدھو ۔ بھلے آدمی میری کوئی بات تو مان لی ہوتی۔ پردیس کا معاملہ ہے۔ اگر صحت کا یہی عالم رہا تو پھر کام کیسے چلے گا۔ خدانخواستہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو پھر کیا ہو گا؟

مصنف ۔ (لاپرواہی سے ایک موڑھے پر بیٹھ کر) ہو گا کیا؟

بدھو ۔ یہ بھی میری ہی زبان سے سُننا چاہتے ہو؟

مصنف ۔ تو پھر اور کس سے پوچھوں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں۔ کہ یہاں آپ سے بڑھ کر میرا کوئی بھی ہمدرد نہیں۔

بدھو ۔ تمہارے اسی بھولے پن نے تو تم کو میرا اپنا بنا دیا ہے نہ معلوم تم میں کون سا جادو ہے کہ سب تمہارے شائق ہیں۔ لیکن بیٹا زمانہ خراب ہے۔ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھنا چاہیئے اور پھر تمہاری اس عارضی نوکری کا اعتبار ہی کیا۔ آج ہے کل نہیں جس کو برسات کا ڈر ہوتا ہے وہ گھر کی دیکھ بھال پہلے ہی سے کیا کرتا ہے۔

مصنف ۔ لیکن بدھو دادا میرا تو گھر ہی نہیں ہیں کس چیز کی دیکھ بھال کر دوں؟

بدھو ۔ تم میری باتیں مذاق میں ٹالتے ہو بیٹا۔

مصنف ۔ نہیں۔ نہیں۔ میرا مطلب یہ نہ تھا۔ میں تو صرف ...... بھلا

میں ایسا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے آپ سے آجتک کوئی گستاخی کی ہے۔ لیکن میں جس گھر کی تلاش میں ہوں وہ شاید ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بدھو۔ شاید اب تک تعمیر ہی نہیں ہوا۔ کیوں؟

مصنف۔ ہاں اور شاید تعمیر بھی نہ ہو سکے (آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں)

بدھو۔ بیٹیا ایک ان ہونی بات پر کھینچا تانی کرنے سے کیا حاصل بڑے بوڑھوں کا قول ہے کہ دنیا نام ہے دکھ سہنے کا۔ رنج و غم اُٹھانے کا مصیبت برداشت کرنے کا۔ اور جس میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ تمام کلفتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر سکے وہ سدا غمگین اور نامراد رہے گا۔ اس ہر روز کی جنگ میں حصّہ لینے والے دل کو ہمیشہ جوان اور کڑا رکھنا چاہیئے اور پھر ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے؟ تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے جو تم سب سے ناامید ہو کر مُنہ موڑ بیٹھے؟

مصنف۔ ناامید؟

بدھو۔ ہمت ہار کر ناامید ہو جانا بزدلوں کا کام ہے۔ یاد رکھو یہ وہ چیز ہے جو کتّے کی موت مرنے پر مجبور کرتی ہے۔

مصنف۔ کتّے کی موت؟ یہ سب آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

بدھو۔ ان باتوں سے تمہیں اس خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتا ہوں بیٹا تاکہ تم دیکھ سکو کہ تم کہاں ہو؟ گھر بار چھوڑ کر عزیز و اقربا سے منہ موڑ کر

ایک نئی جگہ ایک بنجر زمین میں محبت کا بیج بو کر اس چھوٹے سے پودے کو سرسبز و شاداب دیکھنا چاہتے ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ تم اپنے ان آنسوؤں سے اس نونہال کو سینچ سکو گے؟ مگر تم نے بھول کر بھی نہ سوچا کہ اگر چند دنوں کے لئے ہرا بھی ہو گیا تو کیا حاصل؟ ہے تو بنجر ہی زمین اور پھر......

مصنف ۔ پھر ۔

بدھو ۔ آئے دن باد صرصر کے جھونکوں کا ڈر۔ تم کبھی کھوٹے اور کھرے میں تمیز نہ کر سکے ۔ میں نے تمہیں بارہا سمجھایا کہ تم اپنی صحت کا خیال رکھو۔ مگر تم ہو کہ سنتے ہی نہیں ۔ پڑھانے میں جان دے دی مگر انعام کیا ملا (ہنسکر) صرف ...... صحت اگر اچھی نہ رہی تو پھر کون تم کو پوچھے گا؟ اگر پلنگ پر پڑ گئے تو کیا وہ لوگ جن کے بچوں کو تم پڑھا رہے ہو تمہارے ساتھ کچھ رعایت کریں گے؟ کبھی نہیں ہرگز نہیں ۔ بس اسی روز ٹکا سا جواب مل جائے گا ۔ ارے میاں ابھی سے آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ دنیا کس ڈگر پر چل رہی ہے سب اپنی اپنی فکر میں مبتلا ہیں ۔ مگر تم ہو کہ دوسروں کے لئے جان قربان کئے دے رہے ہو ۔

مصنف ۔ لیکن میں نے انعام کی تمنا ہی کب کی ہے ۔ میں تو صرف محبت کا طالب تھا ۔ مجھے تو صرف دل میں تھوڑی سی جگہ چاہیئے تھی ۔ میں نے لوگوں سے صرف ذرا سی محبّت کی بھیک مانگی تھی مگر کسی نے بھی نہ دی ۔

کسی نے بھی! کیا میں واقعی اس قابل نہیں رہا کہ کوئی مجھے اپنا سمجھ سکے۔
دن پھر جانے سے انسان ذلیل نہیں ہو جاتا۔ دولت لٹ جاتی ہے مگر
شرافت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہے جبکہ میں بھی ایک
.... اور میرا بھی شمار ایک .... (آنسو نکل آتے ہیں)

بدھو۔ گذری ہوئی باتوں کو یاد کرکے دل چھوٹا کرنے سے کیا حاصل؟

مصنف۔ دل کی بھڑاس نکل جائے گی۔

بدھو۔ تو رو لو۔ خوب جی بھر کر رو لو۔ مگر میرے سامنے نہیں میرے چلے جانے
کے بعد۔

(مصنف اٹھ کر دوسرے کمرے میں داخل
ہوتا ہے اور غسل خانے میں جاتا ہے۔ منہ
دھونے کے بعد پھر واپس آتا ہے۔ اسی اثناء
میں بدھو تمام چیزوں کو درست کر دیتا ہے
جنگلہ کھول دیتا ہے تو سورج کی کرنیں
اندر داخل ہوتی ہیں)

بدھو۔ (تولیا دیتے ہوئے) درد سر کا کیا حال ہے؟

مصنف۔ کچھ کم ہے۔

بدھو۔ مگر ڈراما لکھنا بند نہ ہوا۔ ایسی صورت میں دماغ پہ زور دینے سے

کیا فائدہ؟

مصنف۔ آپ نہیں سمجھتے بدھو دادا۔

بدھو۔ شاید تم مجھ سے زیادہ جہاندیدہ ہو۔ ارے بیٹا دنیا کی نیرنگیاں دیکھتے دیکھتے یہ بال (سر کی طرف اشارہ کر کے) تک سفید ہو گئے۔ کیا تمہارے اس مضمون کو پڑھ کر لڑکیاں خوش ہونگی؟ کبھی نہیں۔ کیا اس سے سبق سیکھیں گی؟ ہرگز نہیں اور کیا ان کا غیروں کو خط لکھنا بند ہو جائیگا؟ بالکل نہیں۔

مصنف۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس کی مجھے پروا نہیں۔ میں تو صرف دنیا کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ.........

بدھو۔ کیا بتا دینا چاہتے ہو؟

مصنف۔ کہ تعلیم کے معنی یہ نہیں کہ.........

(باہر سے آواز آتی ہے ''کوئی ہے'')

مصنف۔ دیکھئے تو کون آواز دے رہا ہے؟

(بدھو باہر جاتا ہے اور مصنف دودھ پینا چاہتا ہے۔ کہ باہر سے آواز آتی ہے)

نسرین۔ کیا ماسٹر صاحب موجود ہیں؟

بدھو - جی ہاں -

نسرین - تو ذرا آپ انھیں خبر کر دیں کہ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں -

مصنف - (پیالی میز پر رکھ کر) ملنا چاہتی ہوں ؟

(یہ کہتا ہوا باہر آجاتا ہے)

نسرین - خوب - آپ خود بھی آگئے - مجھے آپ سے کچھ ضروری کام ہے -

مصنف - تو پھر اندر ہی چلئے - اطمینان سے گفتگو ہو گی -

نسرین - چلئے -

(دونوں اندر داخل ہوتے ہیں)

مصنف - (کرسی کی طرف اشارہ کر کے) تشریف رکھیئے -

(نسرین بیٹھ جاتی ہے اور اس کی نظر پیالی

پر پڑتی ہے)

نسرین - آپ نے اب تک چائے بھی نہیں پی - اتنی دیر کیوں کی ؟

مصنف - رات سے سر میں درد تھا (ھلسکہ) ذرا دیر تک سوتا رہا -

(بدھو کی طرف مخاطب ہو کر) بدھو دادا !

(بدھو مخاطب ہوتا ہے مگر کچھ بولتا نہیں)

مصنف - ذرا آپکے لئے چائے......... اور کچھ کیک بھی -

(بدھو چلا جاتا ہے)

نسرین ۔ آپنے ناحق تکلیف کی ۔ میں بھی اسی میں شریک ہو جاتی ۔

مصنف ۔ لیکن یہ تو صرف دودھ ہے اور وہ بھی ٹھنڈا ہو چکا ہے ۔

نسرین ۔ جاڑے کے ایام میں ٹھنڈا دودھ آپ کو نقصان نہیں دیتا ؟

مصنف ۔ چھوڑیئے ان باتوں کو اتنی دیر ہو گئی اور میں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ آخر آپنے کیسے تکلیف کی ہے ۔ واقعی میں ان دنوں بہت بد اخلاق ہو گیا ہوں ۔ اکثر لوگوں کو شکایت ہے کہ میں ان سے ....

نسرین ۔ لیکن یہ قصور آپ کا نہیں بلکہ .... آپ کی عدیم الفرصتی کا ہے ۔ ایک میں ہی نہیں بلکہ سارا شہر جانتا ہے کہ آپ کس قدر مصروف رہتے ہیں اور خاص کر ان دنوں جبکہ امتحان کا زمانہ قریب ہے میں نے سنا ہے کہ آپ کو اپنے عزیزوں سے ملنے تک کی فرصت نہیں ۔ ان لوگوں کو بھی آپسے شکایت ہے ، ۔ کیا یہ بات سچ ہے ؟

مصنف ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ میری خانگی زندگی سے بھی خوب واقف ہیں ۔

نسرین ۔ آپ تکلیف نہ کریں ۔ میں خود بنا لوں گی ۔

(بدھو سمجھ گیا کہ تنہائی کی ضرورت ہے ۔ گردن ہلاتا ہے اور چلا جاتا ہے ۔)

نسرین ۔ (اور قریب آ کر) آپ شاید مجھے نہیں جانتے ۔ لیکن میں آپسے

بخوبی واقف ہوں۔

مصنف۔ (لاپروائی سے) یہ میری خوش قسمتی ہے۔ مگر میں تو اپنے محسن کا نام تک نہیں جانتا۔

نسرین۔ ناچیز کو نسرین کہتے ہیں۔

مصنف۔ نسرین؟

نسرین۔ آپ گھبرا کیوں گئے؟

مصنف۔ تو کیا وہ خطوط آپ ہی کے تھے؟

نسرین۔ جی ہاں۔

مصنف۔ آخر آپ کو یہ کیا سوجھی؟ کیا مجھ ہی کو بیوقوف بنا کر آپ خوش ہو سکتی تھیں؟ جب کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ تو آپ نے مجھ کو تختۂ مشق بنانا چاہا۔ دنیا میں دولت مند لوگوں کی کمی نہ تھی جو آپ نے اس غریب الوطن۔ مفلس و نادار آدمی پر اپنا ....

نسرین۔ میں دولت نہیں بلکہ اس بیش بہا موتی کی طلبگار ہوں۔ میں اسے زیادہ سے زیادہ قیمت پر خریدنے اور حاصل کرنے میں کوئی کمی اُٹھا نہیں رکھونگی۔

مصنف۔ بلکہ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ آپ نے اس بیکار محض انسان کے بنانے میں اب تک کوئی بھی کمی اُٹھا نہیں رکھی۔ لیکن آپ کامیاب نہ ہو سکیں۔

کیا اسکی وجہ آپ کو معلوم ہے؟

نسرین۔ نہیں۔

مصنف۔ تو میں بتا دوں؟

نسرین۔ اگر آپ مناسب سمجھیں۔

مصنف۔ اس میں مناسب یا نامناسب کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی.........

نسرین۔ آپ رک کیوں گئے؟

مصنف۔ سوچتا ہوں کہ شاید.......

نسرین۔ شاید میں برا مانوں کیوں؟

مصنف۔ جی ہاں۔

نسرین۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ کیونکہ آپ جو کچھ کہیں گے وہ سر آنکھوں پر ہوگا۔ زبان تک آئی ہوئی بات کہہ ڈالنی ہی مناسب ہے۔

مصنف۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ ابھی آپ کمسن ہیں۔ کم عقل ہیں۔ نادان ہیں۔ اس لئے ابھی آپ کو تجربہ کی ضرورت ہے۔

نسرین۔ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ مگر آپ کی ان باتوں کا مفہوم کیا ہے۔ یہ میں بالکل نہیں سمجھ سکی۔

مصنف۔ ہو سکتا ہے۔

نسرین ۔ اس کے معنی ۔

مصنف ۔ یہی کہ میری باتیں آپ کی سمجھ سے باہر ہیں ۔ کیوں ؟ یہی بات ہے نا ۔

نسرین ۔ ہاں .... نہیں ....

مصنف ۔ مجھے ایسا کہنا ہی ہوگا ۔ کیونکہ صرف ایک آپ ہی نہیں بلکہ کسی صنف نازک سے محبت کرنا میرے لئے ایک بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن سی بات ہے ۔

نسرین ۔ لیکن ہر کلیہ میں استثنا بھی ہوا کرتا ہے ۔

مصنف ۔ آپ انگریزی بھی جانتی ہیں ؟

نسرین ۔ بد قسمتی سے ۔

مصنف ۔ شاید آپ یونیورسٹی میں ....

نسرین ۔ جی نہیں ....

مصنف ۔ تو پھر کنانسٹ ولسیٹ گرلس کالج میں ....

نسرین ۔ آپ کو اس کی فکر کیوں ہے ؟

مصنف ۔ بجا ارشاد ۔ لیکن کیا میں آپ سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں ؟ کیا اس انگریزی تعلیم کا یہی مقصد ہے کہ آپ جیسی پریاں بشرم حیا اور عزت کو بالکل بالائے طاق رکھ دیں ۔ رستوں میں غیروں سے آنکھیں

لٹانا۔ محفلوں میں بن سنور کر اپنے حسن کو رسوا کرنا۔ اگر اس سے بھی جی نہ بھرا تو ہمالٹنوں میں جا کر بے دام بکنا۔ کیا اسی کا نام شرافت ہے؟ کیا اسی کو تہذیب کہتے ہیں؟ کیا اسی کو ترقی کے نام سے پکارا جا رہا ہے؟

نسرین۔ میں آپ سے بحث کرنے تو آئی نہیں اور خاص کر اس موضوع پر۔

مصنف۔ اور تو اور عشقیہ خط لکھ لکھ کر۔ محبّت نامے بھیج بھیج کر اپنے بزرگوں کی عزت پر بٹہ لگانا۔ آپ لوگوں نے کس سے سیکھا؟...... کالج کیا ہوا عشق کی درسگاہ ہو گئی......... کیا اچھا ہوتا کہ آپ کے والدین آپ کے دلوں پر حکومت کرتے ہوتے۔ انھیں یوں بھٹکنے نہ دیتے۔ ...... اپنی نصیحتوں سے آپ لوگوں کو عصمت۔ آبرو۔ اور عزت کی قیمت بتاتے اور یہ بیش بہا موتی کوڑیوں کے مول لٹنے نہ دیتے۔

آپ نے خط لکھا۔ یہاں تک غنیمت تھا۔ مگر یوں دن دہاڑے ملنے آنا...... کیا معنی؟

یہی معنی ہیں کہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔ نفس پروری کا آلہ بنایا جائے؟

نسرین۔ آپ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ خود بھی تو آزاد ہیں لیکن میں بھی آپ کو کچھ بتا دینا چاہتی ہوں۔

مصنف۔ (للا بہ دائی سے) فرمائیے۔

نسرین۔ میرے اچھے مصنف ذرا کچھ دنیا کی بھی خبر رکھا کیجئے۔ دُنیا اب بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ اب ترقی کا دور ہے۔ آج سے کچھ دنوں پہلے وہ باتیں جن کا کہنا یا سننا بُرا سمجھا جاتا تھا۔ اب عام ہو رہی ہیں۔ وہ کام جن کا کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اب تہذیب (ETTQUETTE) میں داخل ہیں۔

مصنف۔ مثلاً.........

نسرین۔ غیروں کو خط لکھنا۔ ان سے ملنا۔ ان کے گھر جانا۔ آپ جس چیز کو شرافت، عصمت اور عزت کے نام سے پکارتے ہیں وہ کبھی کی نیست و نابود ہو چکی ہے۔ وہ اب چراغ لے کر ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے گی۔ آج کل وہی لوگ شریف اور ذی وقار سمجھے جاتے ہیں۔ جن کے پاس دولت ہے جن کے دروازوں پہ ہاتھی جھومتے ہیں یا جو بڑے بڑے عہدوں پہ ہیں۔ رہ گئی عصمت وہ بھی یا تو اب آرٹ کے پردے میں ذبح کی جا رہی ہے یا سر بازار اس کا خون بہایا جا رہا ہے۔ آپ جیسے مصوّروں نے معصوم لڑکیوں کو اپنا ماڈل بنا رکھا ہے۔

مصنف۔ لیکن یہ سب ہوا کیوں ؟

نسرین۔ آپ لوگوں کی بدولت۔

مصنف۔ ہم لوگوں کی بدولت؟ یا آپ لوگوں کی آزادی کی بدولت؟

نسرین۔ آزادی۔ ہم لوگوں کی آزادی آخر آپ کی آنکھوں میں خار کی طرح کیوں کھٹک رہی ہے۔ ہم لوگوں کو آزادی حاصل ہے۔ ہم جس سے چاہیں مل سکتے ہیں۔ جس کو چاہیں خط لکھ سکتے ہیں جس کے یہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔

مصنف۔ تو پھر بے چارے مصوّروں کا کیا قصور؟ اگر آپ لوگ راضی ہی نہ ہوں تو وہ غریب کیونکہ ماڈل بنا سکتے ہیں! کیونکہ ان کی تصویر کھینچ سکتے ہیں۔ معاف کیجیے گا کیونکہ مجھے پھر کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب آپ لوگوں کی آزادی کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔ جسے آپ لوگوں نے بڑی مشکلوں سے سیکھا ہے۔

نسرین۔ ہیں اگر یہ کہوں کہ آپ پڑھے لکھے ہوتے ہوئے بھی ابھی تک پرانے ہی خیال کے رہے۔ نئی روشنی سے بالکل......

مصنف۔ اس کا مطلب؟

نسرین۔ مطلب یہ کہ آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ اس آزادی کا سبق کون پڑھا رہا ہے؟ کالج یا...... والدین۔

مصنف۔ میری عقل کام نہیں کرتی کہ آیا آپ آپے میں ہیں یا....

نسرین۔ آپے سے باہر۔ جو بھی کہو سب ٹھیک ہے مگر اس وقت مجھے جی

کھول کر کہہ لینے دو۔

(مصنف کچھ کہنا چاہتا ہے مگر وہ اسے روک دیتی ہے۔)

نسرین۔ جادو نگاری بس تمہارے ہی رشحات قلم تک محدود ہے۔ ہجر و وصال کے صدمے! مسرّت آمیز لمحے! اور ان کی تصویر! وہ بھی تمہارے مصوّر قلم سے .... ایسی ..... نادر شے ہے جس کو ایک حساس دل ہی سمجھ سکتا ہے۔

مصنف۔ آپ کی اس تقریر کا مطلب .....

نسرین۔ شاید تم نہیں سمجھ سکے۔

مصنف۔ جی ہاں۔

نسرین۔ میں خود بتا دوں گی۔ بلکہ سمجھا دوں گی۔ تم مجھے "آپ" سے مخاطب نہ کرو۔ کیونکہ لفظ 'آپ' سے غیریت ٹپکتی ہے۔ اور میں .....

مصنف۔ (حیرت سے) آپ .....

نسرین۔ میں تو اب تمہاری ہو ہی چکی۔ پھر مجھ سے .... خود اپنے دل پر ہاتھ رکھو اور جواب دو۔ کہ کیا اس میں اب میرے لئے کوئی بھی جگہ نہیں۔ آخر اس خفگی سے کیا حاصل۔ میں دونوں ہاتھ پھیلائے تم سے ملنے کے لئے تیار ہوں اور تم مجھ سے بھاگتے ہو۔ میں تمہیں اپنانا چاہتی

ہوں اور تم مجھ سے افسردہ ہوتے ہو۔ میری آنکھیں تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں اور تم اُن سے بدگمان ہوتے ہو۔ کیوں؟ آخر یہ سب کیوں ہے میری رگ رگ تم سے مِل کر ایک روحانی مسرّت۔ ایک ابدی خوشی حاصل کرےگی۔ میرے دل پر تمہارا اختیارِ کل ہوگا اور میں تمہارے قدموں پر اپنی آنکھیں بچھاؤں گی۔ یہ سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ صرف تمہاری ایک 'ہاں' پر منحصر ہے۔ تو پھر تم "ہاں" کیوں نہیں کرتے؟ بولو۔ جواب دو۔ پھر وہی خاموشی۔ یہ خاموشی مجھے دیوانہ بنادے گی۔ خدا کے لئے اب چپ نہ رہو آج اپنا سب کچھ چھوڑ کر میں تمہیں۔۔۔۔۔۔۔ تمہیں حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلی ہوں (آنکھوں میں آنسو بھر کر) تم مجھے بے حیا۔ بے غیرت بے شرم۔ جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ اس لئے کہ تم کو کیا خبر کہ میرے سینے میں ایک آگ سی بھڑک رہی ہے۔ کاش اس کی ایک چنگاری بھی تمہارے اس پتھر جیسے دل میں ہوتی! میں جانتی ہوں کہ میں حد سے گذری جا رہی ہوں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ تم مجھے معاف کروگے۔ تم فیاض ہو، دریا دل ہو۔ تمہاری سخاوت کا۔۔۔۔۔۔۔۔ میں سچ کہتی ہوں کہ۔۔۔۔

۔۔۔۔ میں۔

مصنف۔ کہ آپ۔۔۔۔۔

نسرین۔ وہ گل ہوں خزاں نے جسے برباد کیا ہے

اُلجھے کسی دامن سے وہ خار نہیں ہوں

تم مجھ سے محبت کر سکو گے۔ پھر مجھے اپنے دل میں جگہ دے سکو گے! اور جس دن میں تم جیسے بیش بہا موتی کو حاصل کر لوں گی وہ دن شاید میری زندگی کا سب سے زیادہ مبارک دن ہوگا۔

(مصنف اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پہلی مرتبہ محبت سے دیکھتا ہے کیونکہ آخر وہ بھی تو گوشت و خون ہی سے بنا ہوا ہے۔ پتھر کا دل پانی پانی ہو گیا۔ اور کیوں نہ ہوتا؟ ایک عورت کو روتا ہوا دیکھ کر کون ایسا ہے جس کے دل پر اثر نہ ہو۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بدھو کھانستا ہوا داخل ہوتا ہے۔ مصنف اپنا ہاتھ ہٹا لیتا ہے اور نسرین بھی قدرے پیچھے ہٹ جاتی ہے)

مصنف۔ کیا ہے بدھو دادا؟

بدھو۔ (قریب آ کر) چند لڑکے تم سے ملنا چاہتے ہیں۔

مصنف۔ ان کا نام؟

بدھو۔ نام تو میں نے نہیں پوچھا۔

مصنف۔ تو پھر ذرا تکلیف کیجئے (بدھو چلا جاتا ہے)

نسرین۔ (گھبرا کر) کیا آپ........ ان لوگوں کو........ یہیں بلا لیں گے۔

مصنف۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ مجھے آپ کی آبرو کے ساتھ ساتھ اپنی عزت کا بھی خیال ہے۔ آپ اس کمرہ میں........ (دوسری طرف اشارہ کرتا ہے۔)

نسرین۔ (حیرت سے) کمرہ میں!

مصنف۔ (مسکرا کر) کمرہ تو کیا ہے لیکن فی الحال خواب گاہ کا کام دے رہا ہے۔ آپ اس میں جا کر آرام کریں۔ میں ذرا ان لوگوں سے......

نسرین۔ لیکن ذرا جلد پیچھا چھوڑائیے گا۔

مصنف۔ کوشش کرونگا۔

(نسرین اس میں داخل ہوتی ہے اور بدھو آ کر مصنف کے ہاتھ میں ایک کارڈ دیتا ہے)

مصنف۔ (کارڈ کو پڑھتا ہے) نسیم الدین۔ محی الدین۔ جمیل احمد۔

مصنف۔ (کچھ دیر سوچنے کے بعد) انہیں اندر بلا لیجئے۔

(بدھو چلا جاتا ہے)

لڑکے ایک ایک کر کے داخل ہوتے ہیں اور
سلام کرتے ہیں مصنف سب کو بیٹھنے کا اشارہ
کرتا ہے اور خود بھی بیٹھ جاتا ہے۔)
(ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کمرہ کے دو حصے
ہیں دوسرے حصّہ میں نسترین گھبرا گھبرا کر
بڑی حیرت سے ہر ایک تصویر کو دیکھتی ہے جب
اسکی نگاہ ماڈل پر پڑتی ہے تو اس کی پریشانی
بڑھتی ہے۔ پھر جو تکیہ اٹھاتی ہے اس کے
نیچے چھوٹا سا ڈبہ ملتا ہے۔ اس کو کھولتی
ہے تو اس میں ایک عورت کا سیاہ بال اور
چوڑی کے چند ٹکڑے ملتے ہیں۔ سوچ میں
پڑ کر پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے۔ نگاہ کبھی ماڈل
پر ہے اور کبھی ان ٹکڑوں پر۔ لیکن کان
لگائے ان لوگوں کی گفتگو کو سن رہی
ہے۔)

مصنف۔ کہو بھائی کیسے آئے؟
نسیم الدین۔ ایک سوال پوچھنا تھا۔

مصنف۔ شوق سے۔

نسیم الدین۔ یہ مشق کیسے ہوگی۔

مصنف۔ دیکھوں۔ (سب لڑکے اور مصنف سوال پڑھتے ہیں۔)

جمیل۔ یہ تو مجھے اچھی طرح آتی ہے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں۔

مصنف۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو معلوم ہو مگر یہ بیچارے تو نہیں جانتے۔

نسیم الدین۔ آپ بھی تو ایک کھلاڑی ہیں۔

مصنف۔ معلوم ہے۔

جمیل۔ (نسیم الدین سے) انہیں جو پوچھنا ہے۔ پوچھو نا۔

نسیم۔ (محی الدین سے) تم ہی کیوں نہیں پوچھتے۔

مصنف۔ ڈرو نہیں۔ تم میرے مہمان ہو۔ استاد اور شاگرد کا تعلق صرف اسکول تک۔ یہاں جو چاہو کہہ سکتے ہو۔

جمیل۔ پوچھنا یہ تھا کہ آپکے پاس جو خطوط آئے تھے۔ ان کے لکھنے والے کا کچھ پتہ بھی چلا۔

مصنف۔ پتہ؟ ارے وہ تو پہلے ہی سے معلوم تھا۔

محی الدین۔ کیا؟

مصنف۔ یہی کہ وہ کوئی صاحبہ نہیں بلکہ صاحب ہیں جن کو ایک نیا مذاق سوجھا ہے اور انہوں نے بیوقوف بنانے کی ایک نئی ترکیب سوچی ہے

خدا نے تو مردوں کا جامہ عطا کیا ہے لیکن عورت کا روپ اختیار کر کے ان لوگوں نے واقعی ایک نئی بات پیدا کی ہے۔

جمیل۔ کیا سچ؟

مصنف۔ مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔

نسیم الدین۔ اگر ایسا ہے تو بہت بری بات ہے۔

مصنف۔ مذاق کی بھی حد ہوتی ہے مگر اس میں ایک اور پہلو بھی ہے۔

جمیل۔ وہ کیا؟

مصنف۔ تم تو جانتے ہو کہ میں امیر نہیں۔ ایک معمولی سا آدمی ہوں جس کا گذر ٹیوشن کے چند روپیہ پر ہے اگر یہ بات کوئی سن لے کہ میرے پاس ایسے خط آتے ہیں تو بھلا کوئی شریف آدمی پھر اپنے بچوں کو میرے سپرد کیونکر کرے گا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ میری عزت پر کتنا بڑا حملہ ہے۔

جمیل۔ آپ کا خیال بالکل درست ہے۔

مصنف۔ جمیل تم کو تو معلوم ہی ہے کہ اگر خدانخواستہ آج خدا نے مجھے ایسا کیریکٹر نہ دیا ہوتا تو آج میں کہیں کا نہ رہتا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے وہ چیزیں عطا کی ہیں جو دنیا کی تمام چیزوں میں سب سے زیادہ بیش قیمت ہیں۔ اس نے میری آنکھوں میں شرم و حیا۔ دل میں غیرت۔ دماغ میں ہر کس و ناکس کا خیال عطا کیا ہے۔ میں جس کو بھی پڑھاتا ہوں اسے

اپنا بھائی سمجھ کر یا بہن بنا کر اگر یہ بات نہ ہوتی تو بھلا کوئی مجھے کیوں پوچھتا؟ اور پھر میرے کریکٹر پر حملہ کرنا کیا معنی؟

جمیل ۔ لیکن آپ اس کی فکر ہی کیوں کرتے ہیں۔ انسان بھی کسی کو ذلیل کر سکتا ہے؟

محی الدین ۔ لیکن ممکن ہے یہ کوئی لڑکی ہی ہو......

مصنف ۔ تو یہ اور بھی بُری بات ہے۔ تعلیم کے معنی یہ نہیں کہ جس کا مضمون پسند آئے بس اس پر فریفتہ ہو جائیں۔ جانتے ہو عورت کے لیے سب سے بڑی چیز اس کی حیا ہے اور ان خطوں سے صاف بے باکی ٹپکتی ہے۔

محی الدین ۔ مجھے آپ کی اس بات سے اختلاف تو نہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ضرور کہوں گا۔ کہ انسان اکثر دل سے مجبور ہوتا ہے۔

مصنف ۔ لیکن جو شخص دل پر حکومت نہ کر سکے وہ انسان نہیں بلکہ نفس کا بندہ ہے۔

جمیل ۔ میں دیکھتا ہوں کہ بحث طویل ہوتی جا رہی ہے اور ہم لوگ جس غرض سے آئے وہ پوری بھی نہ ہو سکے گی۔

مصنف ۔ اب کون سی بات باقی ہے۔

نسیم الدین ۔ آپ کا ڈراما سننا اور البم دیکھنا۔

مصنف ۔ (البم دے کر) البم تو یہ رہا لیکن ....

محی الدین ۔ پہلے اسے دیکھ تو لینے دیجئے پھر "لیکن" پر غور کیا جائے گا۔

(لڑکے دیکھتے ہیں)

نسیم الدین ۔ اور دوسرا ۔

مصنف ۔ میں اسے کم از کم آپ لوگوں کو دکھانے سے مجبور ہوں۔

جمیل ۔ کیوں ؟

مصنف ۔ اس لئے کہ جی نہیں چاہتا ۔

جمیل ۔ لیکن جی نہ چاہنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو گی ۔

مصنف ۔ آپ کے اسکول کے چند ماسٹر صاحبان غریب خانہ پہ آئے تھے انہوں نے بہت اصرار کیا تو میں نے .... دکھایا مگر بجائے اس کے کہ وہ میرے آرٹ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ۔ ان لوگوں نے اس کا مطلب کچھ اور ہی سمجھا ۔ میں اب تک اپنی پہلی ہی غلطی پر پچھتا رہا ہوں ۔ اب دوبارہ کسی اور کو دکھانے کی ہمت کیسے ہو سکتی ہے ۔

جمیل ۔ تو پھر ڈراما ہی سنا دیجئے ۔

مصنف ۔ کون سا ؟

جمیل ۔ مجبوری ۔ جس کا کچھ حصہ آپ نے جماعت میں سنایا تھا ۔

محی الدین ۔ ہم لوگوں کو بھی اس کے سننے کا بہت شوق ہے ۔

مصنف۔ میں جانتا ہوں لیکن وہ تو میرے پاس ہے ہی نہیں۔

(لڑکے سلام کرکے چلے جاتے ہیں اور
مصنف دھیرے دھیرے دوسرے حصہ میں
داخل ہوتا ہے)

مصنف۔ (نسرین کو دیکھ کر) آپ کو بہت دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ میں نے آپ کو بہت دیر تک بٹھائے رکھا۔

نسرین۔ یہ تو آپ لوگوں کا شیوہ ہے۔

(اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور وہ ڈبہ جس میں
چوڑی کے ٹکڑے اور بال تھے گر کر کھل جاتا
ہے۔ مصنف اسے اٹھانا چاہتا ہے مگر وہ خود
اُسے اُٹھا لیتی ہے)

نسرین۔ (اس کی طرف غور سے دیکھ کر) کیا آپ جیسے لوگ بھی جھوٹ بولتے ہیں؟

(مصنف بغیر جواب دیئے دوسرے کمرے میں
جا کر ایک کرسی پہ بیٹھ کر گلدستہ کے پھول
سے کھیلنے لگتا ہے۔ نسرین آگر اسکی بائیں
طرف کھڑی ہو جاتی ہے)

نسرین۔ ابھی آپنے ان لڑکوں سے کہا کہ خطوط کسی مرد کے تھے۔

مصنف۔ جی ہاں۔ اور میں اب بھی کہتا ہوں۔

نسرین۔ لیکن آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ سب میرے ہی لکھے ہوئے....

مصنف۔ لیکن میں کیسے یقین کر لوں۔ میرے پاس انگریزی کے بھی تو خط آئے تھے۔

نسرین۔ انگریزی کے خط؟

مصنف۔ جی ہاں۔ صرف ایک آپ ہی نہیں بلکہ.....

نسرین۔ بلکہ؟

مصنف۔ "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں" اس کے علاوہ آپکے پاس کون سا ثبوت ہے۔ کہ آپ عورت ہیں۔

نسرین۔ (مسکرا کر) آپ کی آنکھیں (آنچل گر جاتا ہے اور وہ اسے برابر کرتی ہے)

مصنف۔ معاف کیجئے گا۔ ان آنکھوں پر حکومت کرنے والے دل کا فیصلہ ہے کہ وہ عورت جو کہ عصمت کو اپنا زیور نہ سمجھے۔ جس کی آنکھوں سے حیا کا پردہ اُٹھ چکا ہو وہ عورت نہیں بلکہ اس نے عورت کے پاک نام کو غصب کر لیا ہے۔

نسرین۔ (اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے) عورت کا پاک نام غصب کر لیا ہے؟

مصنف ۔ جی ہاں ۔ اور شاید آپ میرا مطلب بھی سمجھ گئی ہوں گی ۔

نسرین ۔ میں نے تو اس تھوڑی دیر میں آپ کو خوب سمجھ لیا ہے ۔ لیکن کچھ آپ کو بھی سمجھا دینا چاہتی ہوں ۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی کچھ کہوں ۔

مصنف ۔ شوق سے ۔

نسرین ۔ وہ جو کہ صرف منہ سے پارسائی کا دم بھرتا ہے وہ کبھی فرشتہ نہیں بن سکتا ۔ انسان کا چہرہ اس کے پوشیدہ خیالات کا آئینہ ہوا کرتا ہے ۔

مصنف ۔ یہ تو مجھے معلوم ہے مگر اس سے آپ کا مقصد کیا ہے ۔ اگر آپ اسے بتا دیتیں تو بہتر ہوتا ۔

نسرین ۔ مجھے آپ سے صرف اتنا کہنا ہے کہ آپ کے کہنے اور کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ عورت کے نام سے آپ کوسوں دور بھاگتے ہیں مگر ان کی تصویریں رکھنا کیا معنی ؟ یہ ٹوٹی ہوئی چوڑیاں اور یہ بال ! ان سب سے کیا ظاہر ہوتا ہے ۔

مصنف ۔ اب میں سمجھا کہ ان تصویروں کو دیکھ کر آپ نے مجھ پہ شُبہ کیا اور اس بال اور ان چوڑی کے ٹکڑوں کو دیکھ کر آپ کا شبہ یقین سے بدل گیا ۔

نسرین ۔ (منہ پھیر کر) جی ہاں ۔ میں نے جسے بیش بہا موتی سمجھا تھا وہ ....

.... وہ ....

مصنف۔ (مسکرا کر) پرکھنے پر کنکر ثابت ہوا۔

(نسرین مڑ کر اس کی طرف غصّہ کی نگاہوں سے دیکھتی ہے)

مصنف۔ شاید یہ تصویریں آپ کو آپ کی اس نازیبا حرکت پر لعنت و ملامت کر رہی ہیں ....

نسرین۔ جی نہیں۔ بلکہ ایک گندم نما جو فروش کا حال بتا رہی تھیں۔ اور پھر یہ ٹوٹی ہوئی چوڑیاں اور بستر کے سرہانے! کم از کم انہیں پھینک تو دیا ہوتا۔

مصنف۔ میں آپ جیسا احسان فراموش نہیں۔

نسرین۔ تو سرہانے رکھ کر کسی کی عزت.......... وہ بھی تو آخر میرے ہی جیسی ....

مصنف۔ لیکن وہ آپ سے کہیں زیادہ پاک دامن۔ شریف اور حیادار......

نسرین۔ اس کا آپ تک آنا ہی اس کی پاک دامانی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

مصنف۔ بلکہ اس کا میرے خاندان میں پیدا ہونا ہی میرے لئے باعثِ فخر تھا۔

نسرین۔ تو کیا وہ آپ کی..........

مصنف۔ جی ہاں وہ میری ....

نسرین۔ تو پھر جھوٹ کیوں بولتے ہو کہ تم کسی سے محبت نہیں کرتے۔ خوابگاہ کا کونہ کونہ عورتوں کی تصویروں سے بھرا پڑا ہے۔ سامنے ماڈل ......

مصنف۔ اگر میں یہ کہوں کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی تو شاید آپ یقین نہ کریں مجھے اس کی بھی پروا نہ ہوتی۔ لیکن ماڈل اور ان ٹوٹی ہوئی چوڑیوں پہ شبہ کر کے آپ نے صرف ایک میری ہی عزت پہ نہیں بلکہ کسی اور کی عزت پہ بھی حملہ کیا ہے اس لئے اس کا جواب آپ کو سُننا ہوگا۔

نسرین۔ میں اب کچھ سُننا نہیں چاہتی۔ میں جانا چاہتی ہوں۔

(دروازہ کی طرف بڑھتی ہے مگر مصنف دروازہ پہ کھڑا ہو جاتا ہے۔)

مصنف۔ آپ اس وقت تک نہیں جا سکتیں جب تک کہ آپ حقیقت سے باخبر نہ ہو جائیں۔ یہ چوڑیاں میری اس بہن کی ہیں جو کہ مجھ سے سات سال بڑی تھی جس کی گود میں کھیلا ہوں اور جس نے میری تعلیم و تربیت میں ایک خاص دلچسپی لی تھی۔ جب قمر جیسی بہن نے مجھ جیسے بدنصیب انسان سے منہ موڑ کر اس دنیا کو خیرباد کہہ کر قبر کا گوشہ آباد کیا تو یہ ٹوٹی ہوئی چوڑیاں جو کہ اس کے بستر مرگ پہ تھیں میں نے اُٹھا لیں اور یہ اس کی آخری نشانی ہے۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) اُن پہ شبہ کر کے آپ نے مجھے انتہا

سے زیادہ صدمہ پہنچایا ہے۔

نسرین ۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ میں نادم ہوں۔ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتی ہوں۔ مجھ سے بھول ہوئی۔

مصنف ۔ یہ صرف نمائشی باتیں ہیں۔ اب رہا ماڈل۔ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں خود مصوّر ہوں۔ اور ماڈل کی تصویریں میں خود کھینچتا ہوں اور یہ آرٹ میرے اور کسی اور کے درمیان حائل ہے۔ اگر آپ ان کو دیکھ لیں تو شاید پھر آپ کے شک و شبہ کی کوئی حد ہی نہ رہے (دروازہ سے ہٹ کر) اب آپ جا سکتی ہیں۔

نسرین ۔ (اس کے قریب آ کر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر) پھر آپ کو عورتوں سے نفرت کیوں ہے؟

مصنف ۔ نفرت؟

نسرین ۔ آخر اس کی وجہ تو معلوم ہو۔

مصنف ۔ نفرت کیوں نہ ہو؟ صرف چند روپیہ کے لالچ میں وہ اپنا سب کچھ بیچنے پر تیار ہو جاتی ہیں کوئی بھی مصوّر ہو اس کے سامنے برہنہ بیٹھنا تصاویر کھینچوانا تو ان کے لئے ایک معمولی سی بات ہے۔ ان کو تو آپ نے کچھ نہ کہا مگر ایک شیشہ کا ماڈل دیکھ کر آپ مجھ سے بدظن ہو گئیں۔

نسرین ۔ اب مجھے یہ ماننا پڑیگا کہ تمہارا سمجھنا کوئی آسان کام نہیں۔

مصنف۔ مجھے تو عورت کے نام سے اُلفت ہے مگر اس کے جسم سے نہیں مجھے اسکی محبت سے غرض ہے اس کے......

کچھ دنوں پہلے میں نے مٹی کے پتلوں کو اپنا بنانا چاہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میں اپنی محبت۔ اپنی ہمدردی۔ اپنے اُنس سے ان کے دلوں میں گھر کر سکوں گا۔ مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ دروازہ سب کے لئے کھلا ہے۔ یہاں اچھے اور بُرے کی تمیز ہی نہیں۔ یہ میری غلط فہمی تھی۔ میری بھول تھی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آجکل محبت نام ہے آشنائی کا۔ ہمدردی نام ہے تصنع کا۔ اُنس نام ہے چکنی چپڑی باتوں کا اور میں ان سب سے بے بہرہ۔ میرے والدین نے مجھے اس کی تعلیم ہی نہیں دی۔ اور میرے اُستاد نے ان کا سبق ہی نہیں پڑھایا۔ شاید ان لوگوں کو خبر نہ تھی کہ ان کے بعد دنیا اپنا ایک نیا رنگ بدلے گی۔ اور اگر ان کو معلوم تھا تو شاید وہ یہ سب کچھ بتانا بھول گئے۔ میں نے جو کام آج تک نہیں کیا اسے عمر بھر نہ کروں گا۔ میں دنیا کی نظروں میں حقیر۔ ذلیل اور بیکار محض انسان سہی مگر اس موجودہ سوسائٹی کے روشن خیال نوجوانوں کی طرح میری آنکھوں پر مغربی تہذیب کی عینک نہیں لگی ہے کہ میں عورتوں کا سر بازار پھرنا ترقی۔ تہذیب یا تمدن میں داخل سمجھوں میں نے آپ سب کو سلام کیا اور اپنی دنیا الگ بسالی۔

نسرین ۔ لیکن آپ کی وہ دنیا ہے کہاں؟

مصنف ۔ وہی کمرہ جس میں آپنے اب تک آرام کیا۔

(کہتا ہوا پہلے حصہ میں داخل ہوتا ہے اور

نسرین اس کے ساتھ ہو لیتی ہے ۔)

مصنف ۔ (سب تصویروں کی طرف اشارہ کر کے) یہ سب میری رعایا اور میں ان کا بادشاہ ۔ میں انہیں جس کل چاہوں بٹھاؤں ۔ جیسے چاہوں رکھوں۔ (ماڈل کو ادھر اُدھر گھماتا ہے) کوئی نہ روکنے کو نہ ٹوکنے کو۔ میں نے ان کاغذوں کے تیلوں کو اپنا بنا رکھا ہے اور یہی میری دلبستگی کے لئے کافی ہیں ۔ ان کے علاوہ اب مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ۔ اب مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ کسی کے ہجر کے صدمے اٹھاؤں ۔ غم پہ غم یا رنج پہ رنج برداشت کر سکوں ۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے ۔

نسرین ۔ میرے صبر کی بھی تو ایک حد ہے ۔ اب تو مجھے اپنی اس دنیا میں رہنے کی اجازت دے دو ۔

مصنف ۔ آپ کے لئے اس میں جگہ نہیں کیونکہ یہ میرے ہی لئے کافی نہیں اس کے علاوہ مجھے پھر اُس دُنیا میں واپس بلانے کی کوشش نہ کیجیے جس میں روز وعدہ و پیمان ہوتے ہیں اور روز توڑ ڈالے جاتے ہیں ۔ میں اتنی دُور آگے بڑھ چکا ہوں کہ میرے کان تک اب کسی کی صدا پہنچ ہی

نہیں سکتی۔

نسرین۔ اس کی وجہ؟

مصنف۔ میری دنیا کا ہر کس و ناکس عالمِ سکوت میں رہتا ہے۔ ہماری گفتگو صرف نگاہوں سے ہوتی ہے جن کا صحیح مطلب سمجھنا آپ لوگوں کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ یہ خاموشیوں کی محفل ہے اس میں رہ کر دل کا راز زبان سے کہنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر کسی نے ایسی غلطی کی تو سب کے سب بول اُٹھتے ہیں۔ ؎

آنکھ ہی تبلا رہی تھی دردِ غم
پھر زباں سے کر دیا اظہار کیوں؟

اب اس میں قدم رکھنے کی کوشش نہ کیجئے۔ ایک ایسی چیز کو حاصل کرنے سے کیا فائدہ جس کو آپ سمجھ نہیں سکتیں؟ اور پھر آپ جیسے لوگ جن کا دل شک و شبہ سے خالی نہیں۔ ان کے لئے تو یہاں رہنا بہت ہی دشوار ہے۔ کیونکہ ان کے لئے قدم قدم پر رکاوٹیں موجود ہیں۔ ایک دلفریب دنیا کو چھوڑ کر اس گوشۂ تنہائی کو اختیار کرنے کے لئے حوصلہ مند دل کی ضرورت ہے اور اس میں آجانے کے بعد صبر و استقلال کی اشد ضرورت پڑتی ہے ...... مجھے امید ہے کہ آپ نے میری باتوں کا مطلب صحیح سمجھا ہوگا اور شاید اب آپ کا راستہ بھی صاف ہے۔

(دروازہ پر سے پردہ ہٹاتا ہے)

نسرین۔ جی ہاں میں سمجھ گئی کہ میں آپ کے لائق نہیں۔

مصنف۔ یا شاید میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔

نسرین۔ کچھ بھی ہو مگر مجھے تو حرماں نصیب ہی واپس جانا پڑا ہے (آنکھوں میں آنسو بھر کر) ؎

از درِ دوست چہ گویم بہ چہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

(یہ کہہ کر آگے بڑھتی ہے اور دوسرے دروازے تک پہنچتی ہے)

مصنف۔ کیا کہا؟

نسرین۔ میں پھر کہتی ہوں۔ ؎

از درِ دوست چہ گویم بہ چہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

(یہ کہہ کر چلی جاتی ہے۔ مصنف چپکا کھڑا رہتا ہے اور پردہ گرتا ہے)

(پردہ)

ہنستے ہنستے مر گیا

افراد

کستوری ۔ نریندر ۔ لیلا وتی ۔ ڈاکٹر ۔ موت

(نریندر سو رہا ہے اور کستوری مضحکہ خیز انداز سے اس کے چہرے سے مکھی اڑاتا ہے اور پھر تماشائیوں سے مخاطب ہوتا ہے۔)

کستوری ۔ ہش! دیکھو بھائی، ذرا خاموش ہو جاؤ ہاں! اپنی اپنی جگہ سے ہلو بھی نہیں، میں خوب جانتا ہوں کہ تماشائیوں کا مذاق کچھ اور ہی قسم کا ہے اور اس قسم حزن آمیز مطائبات ——— میں نے کیا کہا تھا؟ ہاں حزن آمیز مطائبات ——— اس کے معنی آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گے، میں

بھی تو نہیں جانتا۔ خیر! یہ بھی تو آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت نرہیدر سو رہا ہے، میں سب کچھ واضح کر دوں گا لیکن اتنی عنایت کیجئے کہ وہ بیدار نہ ہونے پائے اور جب لیلاوتی اندر آئے تو پاگلوں کی طرح شور نہ مچانا محض اپنے پڑوسیوں پر یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہ تمہاری اس سے جان پہچان ہے یا تم ایسے ذہین ہو کہ آرٹ کی حوصلہ افزائی کر سکتے ہو۔ میں مذاق نہیں کر رہا، نرہیدر بُری طرح بیمار ہے، اس میں شک نہیں کہ نرہیدر لیلاوتی کے لئے دیوانہ ہو رہا تھا گو نرہیدر اور لیلاوتی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لیلاوتی میری بیوی ہے خیر اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ نرہیدر کے آخری لمحے قریب ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ کل تک اس کا زندہ رہنا غیر ممکن ہے ایک نجومی نے بھی اس سے کہا تھا کہ جس دن تم زیادہ سو گئے اسی دن تم چلنے لگو گے، وقت بھی اس نے بتا دیا تھا۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت دیکھئے اب شام کے آٹھ بج رہے ہیں لیکن ابھی تک سونے میں مست ہے، میں تمہیں کچھ زیادہ بھی بتاؤں گا، مجھے تو سو فی صدی یقین ہے کہ نرہیدر کی جان اب نہیں بچ سکتی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک اچھا ایکٹر تمہیں ایک ڈرامے کے انجام کی ابتدا میں ہی خبر دے دے، ارے بھائی! کیا کہوں میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تماشائی اپنی کرسیوں پہ بیٹھتے ہی ڈرامے کے

انجام کا انتظار کرنا شروع کر دیتے ہیں یا یوں کہیئے کہ وہ صرف انجام دیکھنے کے لئے ہی پیسے خرچ کرتے ہیں، خیر! اب میں رونے سے باز نہیں رہ سکتا (روتے ہوئے) آہ! اندینڈرہ، کیا خبر تھی کہ ایسے ہو جائے گا! میں اُسے بہت پسند کرتا تھا، وہ میرا سب سے پہلا دوست تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے اس پہ رشک بھی آتا تھا؟ رشک کہو یا حسد! اگر میں کنشوری ہوں تو نربندرہ کی طرح کامیاب انسان نہیں ہوں، اپنے سادہ لباس کی طرح میں سادہ نہیں ہوں، ہاں! آپ کو یہ مغالطہ نہ رہے اور میں اس بات کا بھی آپ کو یقین دلا دوں کہ میں نے ڈاکٹر کا بھی انتظام کر دیا ہے یہ مجھے معلوم ہے کہ وہ ڈاکٹر کے بغیر بھی اچھی طرح دم توڑ سکے گا۔ لیکن ڈاکٹر کو بُلانا تہذیب میں داخل ہے اور میں مہذّب لوگوں میں شمار ہوتا ہوں، لیکن میرے ذہن کا رجحان حماقت کی طرف مائل ہے، اپنا بھانڈا کیا پھوڑوں! آگے چل کر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ بشرطیکہ آپ میری بکواس سُن کر ابھی سے باہر نہ بھاگ گئے، اگر نربندرہ کو ٹھیک آدھی رات کے وقت ہی مرنا ہے تو کیا اسی بات سے دوستی کا حق ادا نہیں ہو جائے گا کہ میں گھڑی کو دو گھنٹے پیچھے کر دوں؟ اور کچھ نہیں تو موت دو گھنٹے دیر سے اس کمرے میں داخل ہوگی۔

(ایک کرسی پہ اچھل کر کھڑا ہو جاتا ہے اور نربندرہ

کی چار پائی پر جھک کر گھڑی کو دو گھنٹے پیچھے کر دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکتا اور زمین پر گر جاتا ہے۔ کشوری اپنی کمر پر ہاتھ پھیرتا ہے، اسی اثنا میں نریندر بیدار ہو جاتا ہے، وہ ہنستا ہے اور کشوری کو اپنی طرف کھینچ کر اسے گلے سے لگا لیتا ہے)۔

کشوری۔ (گھبرا کر) میں نے تمہیں بیدار کر دیا؟

نریندر۔ ذرا پہلے جگا دیتے!

کشوری۔ کیوں؟

نریندر۔ میری زندگی کے لمحے گنتی کے ہیں۔

کشوری۔ بکتے ہو!

نریندر۔ میں ان لمحوں میں بیدار رہنا چاہتا ہوں۔

کشوری۔ تم زندہ رہو گے۔

نریندر۔ تم چاہتے ہو کہ میں ان لمحوں کو بھی سو کر گزار دوں؟

کشوری۔ میرا خیال تھا کہ ——،

نریندر۔ وقت کیا ہے؟

کشوری ۔ ابھی تو چھ ہی بجے ہیں !

نریندر ۔ صرف چھ ؟

کشوری ۔ ہاں ! اب تمہاری حالت کیسی ہے ؟

نریندر ۔ مر رہا ہوں ،

کشوری ۔ تم مجھے بہت خوفزدہ کر رہے ہو (روتا ہے)

نریندر ۔ میں کس لئے زندہ ہوں ؟ کشوری یہ گھڑی غلط تو نہیں ؟

کشوری ۔ ڈاکٹر کو بلانے گیا تھا ، تم آرام سے بیٹھے رہو ، میں ذرا تمہارا ٹمپریچر دیکھ لوں ،

نریندر ۔ ڈاکٹر ؟ (ہنستا ہے) کیا ہوگا ؟ ——— اگر وہ میرا علاج کر بھی دے ۔

کشوری ۔ ذرا اپنا بازو اُٹھانا ! بس اب ٹھیک ہے (تھرمامیٹر بغل میں لگا دیتا ہے) کوئی آرہا ہے (تھرمامیٹر کا پارہ اُبل کر باہر نکل آتا ہے)

نریندر ۔ یہ ٹمپریچر بالکل ٹھیک ہے ۔

(کشوری تھرمامیٹر پرے پھینک دیتا ہے
نریندر اُٹھ کر ناچنا شروع کر دیتا ہے)

نریندر ۔ آہا ! نریندر ابھی تک زندہ ہے !

کشوری ۔ تھرمامیٹر کا خاتمہ ہو گیا ۔

نریندر۔ اب کوئی گھڑی کا مہمان ہوں، لیکن (اپنی ستار اُٹھا کر) دیکھو! کتنے تار ٹوٹ گئے ہیں اس کے باوجود میں گانے سے باز نہ رہ سکوں گا۔ وہ میری محبوب نظم ——— سرنادؔ[1] ———،

(گاتا ہے، باہر قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے)

کشوری۔ سُنا تم نے؟ ڈاکٹر آ رہا ہے۔ ستار ایک طرف رکھ دو اور آرام سے لیٹ جاؤ، میں نے قدموں کی چاپ سے ہی پہچان لیا ہے کہ ڈاکٹر ہے ایک شخص کی جان بچانے کے لئے اس کے قدم کتنی تیزی سے اُٹھ رہے ہیں!

نریندر۔ اپنی فیس لینے کے لئے۔ (دروازے پر دستک کی آواز آتی ہے)

کشوری۔ اندر آئیے!

ڈاکٹر۔ (بڑی سی عینک تھوتھنی پر لٹکائے، گنجا سر نکالے، ٹیڑھی سی سُرخ ناک کو ہلاتا ہوا، اور ربڑ کی نالیاں جیب سے باہر نکالے اندر آتا ہے) آداب عرض نریندر صاحب! کیا ہو گیا تم کو؟

نریندر۔ یہ بتانا تمہارا کام ہے۔

ڈاکٹر۔ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ (کشوری کے کان میں) مریض کی کسی بات کی تردید

---

[1] سرناد۔ انگریزی میں اسے (SERENADE) کہتے ہیں وہ نظم جو عشاق رات کے وقت اپنے محبوب کی فرقت میں گاتے ہیں۔

نہیں کرنی چاہیئے (نریندر سے) ٹمپریچر لیا گیا تھا؟

نریندر۔ (سر ہلاتے ہوئے) کچھ نہ پوچھو!

ڈاکٹر۔ اب کیسے ہو؟

نریندر۔ حملہ ہوا تھا۔

ڈاکٹر۔ کھانسی کا؟

نریندر۔ ہنسنے کا۔

ڈاکٹر۔ تم کس پہ ہنستے ہو؟

نریندر۔ تم پر (قہقہہ لگاتا ہے)

ڈاکٹر۔ (کشوری سے) ان کا دوا پر اعتقاد نہیں؟

کشوری۔ نہیں! صرف آپ پر ہے۔

ڈاکٹر۔ عجیب قسم کا مریض ہے! ذرا نبض دکھائیے، بہت تیز ہے، زبان باہر نکالئے۔

نریندر۔ کس کی؟ آپ کی؟

ڈاکٹر۔ نہیں اپنی۔

نریندر۔ (زبان نکال کر) ہوں۔

ڈاکٹر۔ شکریہ۔

نریندر۔ (دوبارہ زبان دکھا کر) ہول!

ڈاکٹر۔ بس بس!!

نریندر ۔ (پھر زبان دکھا کر) ہوں!

ڈاکٹر ۔ میں نے دیکھ لی ہے!

نریندر ۔ اچھا! جیسے آپ کی مرضی،

ڈاکٹر ۔ میں تمہاری زبان سے کچھ سننا چاہتا ہوں۔

نریندر ۔ کس قسم کی باتیں؟

ڈاکٹر ۔ میں کہتا ہوں کہ میں صرف تمہاری باتیں سننا چاہتا ہوں۔

نریندر ۔ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ کس قسم کی باتیں؟

ڈاکٹر ۔ تم میری بات سمجھے نہیں۔

نریندر ۔ تمہاری بات؟ ہرگز نہیں سمجھ سکتا، میرے جیسے انسان تو تمہاری کھوپڑی میں تمہارا بھیجا دیکھ سکتے ہیں البتہ تم جیسے آدمی مجھ جیسے آدمیوں کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ۔ خفقانی تو نہیں ہو گیا؟ دو منٹ کی اور تکلیف دوں گا، میں اپنا سر تمہارے سینے پہ رکھوں گا دل کی حرکت معلوم کرنے کے لئے۔

نریندر ۔ تمہاری بیوی جل جائے گی!

ڈاکٹر ۔ اسے انتہائی بخار ہو رہا ہے شکر ہے میرا کان نہیں جل گیا لیکن تم جلدی اچھے ہو جاؤ گے (کشوری سے) کوئی امید نہیں (نریندر سے) ابھی تم بڑی عمر تک زندہ رہو گے۔ (کشوری سے) کوئی گھڑی کا مہمان

ہے۔ (نربیندر سے) اچھا کیا تم نے مجھے بلا بھیجا (کشوری سے) کفن ساز وں کو بلاتے تو اچھا ہوتا۔

نربیندر۔ کوئی پرہیز۔

ڈاکٹر۔ شام پڑتے ہی سو جایا کرو، جوش و خروش سے بکتے رہو، کوئی چیز مت پیو، کوئی تیز چیز نہ کھاؤ۔ مثلاً نمک، چربی، مصالحہ، کڑوی چیزیں بہت گرم یا بہت ٹھنڈی، دودھ، بہت میٹھی، خاموش پڑے رہو، اچھل اچھل کے باتیں نہ کیا کرو۔

نربیندر۔ بہت اچھا، لیکن۔ تم تو جیتے جی مجھے دوزخ میں پھینکنا چاہتے ہو۔

ڈاکٹر۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔

نربیندر۔ مجھے بیماری کیا ہے؟

ڈاکٹر۔ بڑھاپا۔

نربیندر۔ میں تو تمہارے بیٹوں کے برابر ہوں۔

ڈاکٹر۔ عجیب مریض ہے! الوداع (کشوری سے) فیس کون دے گا؟

(کشوری نربیندر کی طرف اشارہ کرتا ہے)

ڈاکٹر۔ (دوبارہ نربیندر سے) الوداع۔

نربیندر۔ الوداع (ڈاکٹر تھوڑی دور چل کر دروازے کے قریب رک جاتا

ہے، ڈاکٹر صاحب! کچھ بھول گئے؟

ڈاکٹر۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھول گئے ہیں۔

نربندر۔ میں کچھ بھی نہیں بھولا، مجھے آپ کی ہدایات خوب یاد ہیں۔

ڈاکٹر۔ اس بارے میں نہیں۔

نربندر۔ پھر؟

ڈاکٹر۔ بات یہ ہے کہ آپ فیس دینا بھول گئے ہیں۔

نربندر۔ ہیں؟ ہرگز نہیں بھول سکتا۔

ڈاکٹر۔ اچھا! ——— تو الوداع!

نربندر۔ الوداع! ڈاکٹر صاحب! الوداع۔

ڈاکٹر۔ آپ پھر بھول گئے؟

نربندر۔ میں ایسی باتوں کو بھولا نہیں کرتا، جب میں تندرست ہوا تو آپ کی فیس ادا کر دی جائے گی۔

ڈاکٹر۔ میں قابلِ علاج بیماریوں کا تو علاج کر سکتا ہوں لیکن ———

نربندر۔ اگر آپ کے علاج سے مجھے کچھ افاقہ ہو گیا تو کوڑی کوڑی چکا دوں گا۔ لیکن کسے معلوم آپ جھوٹ ہی کہہ رہے ہوں؟

ڈاکٹر۔ تو میں صاف صاف کہہ دوں کہ آپ کل تک زندہ نہیں رہ سکتے!

نربندر۔ (بستر سے اچھل کر) کیا کہا؟ تو میں یونہی فیس کی رقم ضائع کر دوں؟

ڈاکٹر۔ لیکن تمہارے مرنے کے بعد مجھے رقم کون دے گا؟

نریندر۔ رقم کیسی؟ اگر میں آج رات مرگیا تو تمہارا فن بالکل ناکارہ ثابت ہوگا اور اگر زندہ رہا تو تمہاری جہالت کا ثبوت ہمارے سامنے ہوگا۔

ڈاکٹر۔ میں یہاں فلسفہ چھانٹنے نہیں آیا۔

نریندر۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کس لئے یہاں آتے ہیں؟

ڈاکٹر۔ اشاروں میں باتیں نہ کیجئے!

نریندر۔ تم اسے اشارے کہتے ہو؟ (بٹوا اپنے سرہانے کے نیچے سے نکالتے ہوئے) تم اس غرض سے یہاں آئے تھے نا؟

(دروازے کے قریب جاکر ڈاکٹر کو روپے دکھاتا ہے۔)

ڈاکٹر۔ شکریہ۔

(نریندر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیتا ہے، ڈاکٹر کھسیانہ ہوجاتا ہے، دوبارہ روپے سامنے کرکے پھر ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور قہقہہ لگاتا ہے، تین چار دفعہ ایسا کرنے کے بعد روپے ڈاکٹر کو دے دیتا ہے)

نریندر۔ ڈاکٹر! میری طبیعت میں مزاح بہت ہے۔

ڈاکٹر۔ میں نے آج تک ایسا مریض نہیں دیکھا جو بستر مرگ پر ہو اور اس طرح قہقہے لگا رہا ہو۔

نریندر۔ میں نے خوش و خرم زندگی بسر کی ہے تو اب مرتے وقت رونی صورت کیوں بناؤں اور تمہیں معلوم نہیں کہ عقلمند انسان موت سے خندہ پیشانی سے ملتا ہے۔

ڈاکٹر۔ آپ پہیلیوں میں باتیں کرتے ہیں۔

نریندر۔ تمہارے لئے یہ پہیلیاں ہی ہوں گی (قہقہہ) اگر اجازت ہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے جیسے بڈھے کھوسٹ کس طرح مرتے ہیں!

ڈاکٹر۔ کس طرح!

نریندر۔ (اچھل کر بستر میں لیٹ جاتا ہے اور کانپنا شروع کر دیتا ہے اور دردناک آواز میں کہتا ہے) اف! آہ! یہ کیا ہو گیا! میں تو ابھی جوان ہوں میں اپنے ارادوں میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوا۔ مجھے دنیا میں ابھی بہت سے کام کرنے ہیں! ہائے! میرا منہ کھڑکی کی طرف کر دو میں نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے! دوڑو! بھاگو! ابھی تک تو میں آدھا کام بھی ختم نہیں کر سکا مجھے تو موت بھولی ہوئی تھی۔ زندگی کی رنگینیوں سے مجھے لطف اندوز ہونے دو۔ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں، میری امیدیں ادھوری رہ گئی ہیں۔ اف! آہ! ہائے!

(نریندر اپنے آپ کو جھٹکتا ہے اور اکڑ کر
جاتا ہے، ڈاکٹر رونے لگتا ہے لیکن نریندر
اچھل کر بیٹھ جاتا ہے اور قہقہہ لگاتا ہے)

نریندر۔ نریندر اس طرح نہیں مرے گا۔ یہ تم جیسے اسّی سالہ انسانوں کی
موت کی نقل ہے۔

ڈاکٹر۔ آہ! میں کیا کروں؟

نریندر۔ مشورہ کے لئے فیس لوں گا۔

ڈاکٹر۔ کتنی

نریندر۔ جتنی تمہاری ہے!

ڈاکٹر۔ (جو فیس اس نے لی تھی واپس دے کر) اچھا!

نریندر۔ (اپنے الفاظ پر زور دے کر) جاؤ اور زندہ رہو۔

ڈاکٹر۔ اس کا کیا مطلب؟

نریندر۔ اگر تم نہیں سمجھ سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لاعلاج ہو۔ میں
تم سے کہہ رہا ہوں کہ جاؤ اور زندہ رہو اور اس شخص کی طرح زندہ رہو جو
ایک لمحے میں موت کا شکار ہو سکتا ہو۔

ڈاکٹر۔ (مشکوک انداز میں سر ہلا کر) ہوں! کوشش کروں گا (آنسو پونچھ کر) الوداع
مسٹر نریندر!

نریندر۔ الوداع! مسٹر ڈاکٹر! ڈاکٹر باہر نکل جاتا ہے۔ کشوری! کیسی رہی!

کشوری۔ بچپن ہے اور کیا!

نریندر۔ یہ بوڑھا بندر سمجھتا تھا کہ مجھے موت کا احساس نہیں۔ مجھے خوب علم ہے کہ موت سر پر کھڑی ناچ رہی ہے کیا وقت ہے؟ آٹھ؟ گھڑی کھڑی ہو گئی تھی کیا؟

کشوری۔ تم ذرا گھبرا گئے ہو!

نریندر۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

کشوری۔ اس کا مطلب؟

نریندر۔ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ ذرا میز پہ کھانا لگا دو۔ تین آدمیوں کے لئے۔

کشوری۔ تیسرا کون ہے؟

نریندر۔ موت۔

کشوری۔ کیا موت ہمارے ساتھ بیٹھے گی؟

نریندر۔ تم تو گھبرا گئے!

کشوری۔ مجھے میرے حال پہ رہنے دو، تمہارے ساتھ نہیں کھاؤں گا۔

نریندر۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ موت کا لقمہ بننے کے لئے میں کافی ہوں لیکن تم تین ہی کرسیاں رکھو۔

(باہر سے لیلا وتی کے گانے کی آواز آتی ہے)

کشوری ۔ یہ تو لیلا وتی کی آواز ہے !

نریندر ۔ اب تیسری کرسی خالی نہ رہے گی ۔

کشوری ۔ آہ ! دھوکے باز ! میرے سامنے میری بیوی کی ہتک ؟

نریندر ۔ چلّاتے کیوں ہو ! ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا ۔

کشوری ۔ اور مجھے یہ فریب دیتے ہو کہ تم مجھ سے محبّت کرتے ہو ؟

نریندر ۔ میں دونوں میاں بیوی سے محبت کرتا ہوں ، تم اس لئے حسد کرتے ہو کہ میں صرف تم سے محبّت کروں ۔

کشوری ۔ تم خوب جانتے ہو کہ میں کس لئے حسد کرتا ہوں !

نریندر ۔ ذرا ہوش سے کام لو ۔ اگر تم مجھ سے اور لیلا وتی دونوں سے محبت کرتے ہو تو تمہیں ہم دونوں کی خاطر خوش ہونا چاہیے ۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم دونوں تم سے محبّت کرتے ہیں تمہیں رنج کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ تیسری کرسی بھی لگا دو ۔

کشوری ۔ میں ایسا احمق نہیں ہوں ، مہذّب انسان ایسا نہیں کیا کرتے ، میں تم سے انتقام لوں گا ۔

نریندر ۔ کس طرح ؟

کشوری ۔ موت سے ۔

نریندر۔ موت تو قریب ہی ہے۔ زندگی کے چند لمحے باقی رہ گئے ہیں اب مان بھی جاؤ، اگناؤ تیسری کرسی!

کشوری۔ ہوں! لیکن ——،

نریندر۔ چھوڑو، وقت بہت قیمتی ہے۔

(لیلاوتی کے گانے کی آواز نزدیک آرہی ہے)

نریندر۔ میں لیلاوتی کو اندر لاتا ہوں تم لیمپ کو ٹھیک کرو۔

کشوری۔ (ماتھے پر ہاتھ مار کر) میں لیمپ کو ٹھیک کروں؟ کیوں نہ گھڑی کی خبر لوں؟ میں انتقام تو ضرور لوں گا، اب مناسب یہی ہے کہ گھڑی کو دو گھنٹے آگے کر دوں (وقت بدل دیتا ہے) میں نے انتقام لے لیا (دور سے) لیلاوتی! ادھر آجاؤ۔

نریندر۔ (دروازے میں) لیلاوتی! تم گھبراؤ نہیں۔ میں نے اس کو راضی کر لیا ہے۔

لیلاوتی۔ کیا کہا؟ راضی کر لیا ہے؟ کیوں! تم اپنی بیوی کی یہی قدر کرتے ہو۔ نگوڑے، پاجی، تم نے مجھے بازاری عورت سمجھا ہے (کشوری کو پیٹتی ہے)

کشوری۔ لیکن میری بات تو سنو۔ دو منٹ صبر تو کرو۔ ہیں ہیں!! یہ کیا کر رہی ہو؟

لیلاوتی۔ تمہاری بات سنوں؟ تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔

کشوری۔ لیلاوتی! ذرا اپنا ہاتھ تو روکو۔ میں نے کہا ——،

لیلاوتی۔ پاجی! گدھا!!

کشوری۔ مجھے بات تو کرنے نہیں دیتی۔

لیلاوتی۔ (اسے برابر پیٹتے ہوئے) تمہارا عذر سننے کے قابل نہیں۔ تمہارے جیسے نکھٹو کے پلّے پڑ گئی، عمر کا بہترین حصّہ تمہارے لئے ضائع کر دیا اور تم میری عزت کی پرواہ تک نہیں کرتے؟

(لگاتار پیٹے جاتی ہے)

کشوری۔ نریندر! یار تم ہی بچاؤ، تم تو مجھے جانتے ہی ہو، میرا کیا قصور ہے؟

نریندر۔ نا بابا! یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے میں کیوں پرائے پھٹے میں ٹانگ اڑاؤں، کہیں میری بھی اس وقت حجامت ہو جائے؟

لیلاوتی۔ اب اُسی شخص سے سفارش بھی کراتے ہو؟ (مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھاتی ہے۔)

نریندر۔ لیلاوتی! جانے دو، کوئی صلح کی صورت نکالو۔

لیلاوتی۔ لیکن اس نے میری عصمت پر حملہ کیا ہے۔

کشوری۔ اور اس نے خاوند کے حقوق کو نہیں پہچانا۔

نریندر۔ چھوڑو۔ کیا معمولی سی بات تھی جس کے لئے تم نے اتنا فضیحتا کر دیا۔

لیلاوتی ۔ لیکن اسے سزا ملنی چاہیئے ۔

نریندر ۔ کیا ۔

لیلاوتی ۔ تم اس کے سامنے میرا منہ چومو ۔

نریندر ۔ اچھا! تمہاری مرضی ۔ لیکن کشوری ناراض ہو جائے گا ۔ (لیلاوتی کا بوسہ لے کر) اور ہیں تو کسی کو ناراض کرنا ہی نہیں چاہتا (پھر بوسہ لے کر) اور آپ لوگ مہمان ہیں (پھر بوسہ لے کر) تمہیں تو میں رنجیدہ کرنا ہی نہیں چاہتا ۔

کشوری ۔ (ایک طرف) جو تمہاری مرضی آئے کرو ۔ میں نے بدلہ لے لیا ہے ۔

لیلاوتی ۔ نریندر! ایک دفعہ اور بوسہ لو (نریندر بوسہ لیتا ہے) میرا دل چاہتا ہے کہ ہم ناچیں ۔

نریندر ۔ مجھے تو کوئی انکار نہیں لیکن میرا بھائی کشوری تو ناراض نہ ہو گا ۔

کشوری ۔ میں تو بہت خوش ہوں ۔

لیلاوتی ۔ نہیں! یہ ستار بجائے گا (ستار اس کے ہاتھ میں دے دیتی ہے)

(دونوں ناچتے ہیں ۔ کشوری ستار بجاتا ہے
اچانک نریندر گر پڑتا ہے ۔ اس کا رنگ
زرد ہو چکا ہے ۔ دل کی دھڑکن دور تک
سنائی دیتی ہے)

کشوری۔ (تماشائیوں سے مخاطب ہو کر) آہا! نریندر کا آخری وقت آ پہنچا۔ اب وہ کوئی دم کا مہمان ہے۔ اے وہ خاوندو! جن کی بیویاں خطرے میں ہیں میرے ساتھ مل کر خوشی مناؤ۔

لیلاوتی۔ نریندر! تمہیں کیا ہوا ہے؟ پہلے تو تمہاری حالت ایسی کبھی نہ ہوئی تھی۔

نریندر۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

کشوری۔ (پھر تماشائیوں سے مخاطب ہو کر) مجھے تم بے غیرت اور ذلیل آدمی خیال کرو گے لیکن کیا کروں۔ نریندر میرا سچا دوست ہے۔ اس کی موت اس کے سر پہ ناچ رہی ہے اور ان آخری لمحوں میں میں اس سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ دراصل اسی بدکار عورت کا سارا قصور ہے۔

نریندر۔ (لڑکھڑاتا ہوا اٹھتا ہے) کیا تم لوگ گھبرا گئے؟ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آؤ مل کر کھانا کھائیں۔

(وہ اکٹھے مل کر کھانے پر بیٹھ جاتے ہیں)

لیلاوتی۔ تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو!

نریندر۔ تم تشویش نہ کرو۔ جب ہمارے سامنے شراب کی بوتل رکھی ہو تو ہمیں کسی اندیشے کو نزدیک نہیں لانا چاہیئے۔ کشوری! تم نہ شراب پیتے ہو اور نہ تم نے کچھ کھایا ہے۔ کیا بات ہے؟

لیلاوتی ۔ بے مروّت ہماری مسرّتوں کو نہیں دیکھ سکتا۔

کشوری ۔ (روتے ہوئے) اری پاجی عورت! اس بات کا علم نہیں کہ نریندر کی موت کا وقت قریب ہے۔

لیلاوتی ۔ کیا کہا؟ موت کا کیا وقت؟ ارے بدبخت! کیا تم نے اس کے گلاس میں زہر نہیں ملادیا۔

کشوری ۔ آہ! نریندر! تمہارا وقت پورا ہو چکا۔

لیلاوتی ۔ نریندر! یہ کیا بک رہا ہے؟ بات کیا ہے؟

نریندر ۔ کشوری بھائی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اب وقت آ پہنچا ہے کہ تمہیں اس بات کا علم ہو جائے کہ میری موت قریب ہے۔

لیلاوتی ۔ نریندر! پیارے نریندر!!

نریندر ۔ لیلاوتی! رونے سے کیا فائدہ؟ مرتے وقت میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوگی، میں تو اس طرح مرنا چاہتا ہوں جیسے کہ ایک شخص دن بھر کی تکان سے چور ہو کر میٹھی نیند سو جانا چاہتا ہو، میں اپنے تمام گیت گا چکا ہوں، میں اپنی مسرّتوں کی انتہا کر چکا ہوں، میں اتنا ہنسا ہوں کہ عمر بھر اتنا نہیں ہنسا، جو کچھ میرے اختیار میں تھا موت کے استقبال کے لئے وہ سب کچھ کر چکا ہوں، آج اور صرف آج میں اپنے تمام غموں کو بھول چکا ہوں، تم رو رہی ہو؟ آج میں تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنا

چاہتا ہوں۔ دیکھنی نہیں ہو میری موت دوسروں کی طرح نہیں! میں نے اپنی زندگی میں کوئی آرزو غیر مکمل نہیں رہنے دی۔ میں مطمئن اور مسرور و شادماں دل سے رخصت ہو رہا ہوں، میں موت سے خوفزدہ نہیں ہوں اور کمزور انسانوں کی طرح میری آنکھوں میں لالچ کی چمک اور لب پہ دعائیں نہیں ہیں، نریندر کسی اور قسم کا انسان ہے، وہ مسرت اور اطمینان سے مرنا جانتا ہے، میں نے عمر بھر آج تک کسی کو ناراض نہیں کیا، بدصورت خاوند رکھنے والی عورتوں کا کبھی دل نہیں توڑا، غصّے میں بھرے ہوئے انسانوں کے لئے میں نے گیت گائے، جو کچھ میرے پاس تھا وہ میں نے لٹا دیا، میں نے اپنی زندگی میں ہی سب کچھ کر لیا ہے اور اب موت کے لئے کیا رہ گیا ہے، خالی، تھکی ہوئی، بے کیف اور نکمی سی روح! اب ایک اور بوسہ اور قہقہے!

لیلاوتی۔ لیکن تمہیں موت سے ڈر نہیں آتا؟

نریندر۔ موت سے پیدائش زیادہ خوفناک ہے!

لیلاوتی۔ مرنے کے بعد انسان کا کچھ بھی نہیں رہتا۔

نریندر۔ جب کچھ بھی نہیں رہتا تو پھر موت کا کیا ڈر؟

لیلاوتی۔ لیکن میں تو موت سے بہت ڈرتی ہوں۔

نریندر۔ تمہاری خواہشات اور آرزوؤں کا ساغر ابھی تک خالی نہیں ہوا

(لیلاوتی اور کشوری دونوں روتے ہیں)

نریندر۔ دیکھو! میں اس قسم کی موت ہرگز نہیں چاہتا۔ قہقہہ لگاؤ۔ میرے پیارے دوست کشوری! تم ستار بجاؤ اور لیلاوتی تم رقص کرو۔

کشوری۔ چراغ گل ہو رہا ہے۔

نریندر۔ اور گھر میں تیل بھی نہیں ہے۔

لیلاوتی۔ لیکن چراغ تو جل رہا ہے۔

نریندر۔ ہاں! اب یہ جل کر راکھ ہی ہو جائے گا (ستار بجاتا ہے اور تار ٹوٹ جاتا ہے)

لیلاوتی۔ نریندر! تار تو ٹوٹ گیا۔

نریندر۔ لیکن میرا گیت بھی ختم ہو چکا۔ (دستک کی آواز) کون؟ (موت داخل ہوتی ہے) اوہو۔ آپ آگئیں؟ بہت بے تابی سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ ماتھے پر بل ڈالے ہوئے ہو۔ نریندر کے مکان پر کوئی چیز غمناک نہیں رہ سکتی۔ یہاں ہر ایک مصیبت پر قہقہہ لگایا جاتا ہے۔ آپ تشریف رکھیئے، وقت مقررہ کے ابھی کچھ لمحے باقی ہیں! ہاں! مجھے ایک گیت اور گا لینے دو، لیلاوتی کے ساتھ رقص بھی ضروری ہوگا۔ بس آخری رقص اور آخری گیت ——— میں بالکل تھک چکا ہوں لیکن آپ کو بھی تو راضی کرنا تھا تاکہ آپ کو بھی تو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا استقبال

کرنے والے ابھی تک اس دنیا میں موجود ہیں۔

دنیا چھپا ہوا اگر پڑتا ہے۔ ادھر چراغ گل ہو جاتا ہے۔ لیلاوتی نرنیدر کی لاش سے لپٹ جاتی ہے، موت اس کو جدا کر دیتی ہے۔ لیلاوتی بلند آواز سے روتی ہے)

کشوری۔ میں بھی عجیب جنجال میں پھنس گیا ہوں۔ اس کم بخت ڈراما نویس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ نرنیدر کو رو دوں یا لیلاوتی کو۔ میں نہیں سمجھتا کہ ڈراما نگار کے دماغ میں یہ کیا سما گیا تھا کہ موت کو بھی ہنسی میں ٹال دیا۔ مجھے تو آپ بالکل پاجی تصور کریں گے لیکن دراصل میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوں۔ جب لنکا کا بادشاہ راون مرنے لگا تھا تو بڑے بڑے پنڈتوں نے اس سے کہا کہ اب بھی اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر لو۔ اس نے اردگرد دیکھا اور پھر قہقہہ لگایا۔ پھر خاموش ہو گیا۔ جب وہ آخری سانس لینے لگا تو اس نے کہا "اب پردہ چھوڑ دو مسخرے پن کا یہ کھیل ختم ہوا" اس کے بعد وہ مر گیا —— میں نہیں سمجھتا کہ اس ڈراما نویس نے اپنے خیالات مجھ جیسے حلیم الطبع انسان کے منہ میں کیوں ڈال دیئے۔ لیکن میں مشہور و معروف اداکار ہوں اور آداب اداکاری بھی خوب سمجھتا ہوں۔ اس لئے ڈراما نویس کی اطاعت میرا فرض ہے

اب سوائے اس کے میں اور کیا کہوں کہ پردہ چھوڑ دو۔ مسخرے پن کا کھیل ختم ہوا۔ خواتین و حضرات! میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں، کہ ڈراما نویس آپ کے شور و غل سے کبھی متاثر نہ ہوگا کیونکہ اس ڈرامے پر اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس دنیا میں کسی چیز کو بھی متانت سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ رنج و غم صرف من گھڑت چیزیں ہیں۔ باقی جو کچھ ہے وہ اس کی گردن پر۔ ہمارا کیا ہے؟ ہم تو بیوقوف انسان کی طرح سنی ہوئی بات آپ کے سامنے دُہرا چلے ہیں۔"

(باہر نکل جاتا ہے)

پردہ (ایک روسی ڈراما سے)

رُوپ لال چند

(دو باب کا ایک مختصر ڈرامہ)

تقدیم: - یہ مختصر "ڈرامہ" امریکہ کے مایۂ ناز ادیب واشنگٹن ارون کے مشہور و معروف افسانہ "رپ وین ونکل" سے ماخوذ ہے اس کہانی کو یورپ میں اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ آج کل وہاں ہر ایک کاہل شخص کو "رپ وین ونکل" کے نام سے موسوم کرتے ہیں ——— جہاں تک ہمارے ڈرامہ کا تعلق ہے۔ ہم نے تمام واقعات و حالات کو مشرقی اور بالخصوص ہندوستانی جامہ پہنا دیا ہے۔ نام و مقام ہندوستانی معاشرت کے اعتبار سے قریباً قریباً بالکل بدل دیئے گئے ہیں۔ صرف اتنا خیال رکھا

گیا ہے کہ وہ اصل اسماء سے کچھ نہ کچھ مشابہت ضرور رکھتے ہوں)

افرادِ ڈرامہ

پنڈت روپ لال چند (ہیرو)

پنڈتانی۔ پنڈت روپ لال چند کی دھرم پتنی۔

لالہ درگا داس پنڈت روپ لال چند کا دوست

سیٹھ کروڑی مل پنڈت روپ لال چند کے گاؤں کا ساہوکار

کملا دیوی پنڈت روپ لال چند کی لڑکی۔

موتی پنڈت روپ لال چند کا کتا۔ چند اشخاص شیروانی اور چغہ میں ملبوس۔ نیز چند آدمی انگریزی وضع کا لباس پہنے ہوئے اور چند چھوٹے چھوٹے بچے۔

باب اوّل ــــــ پہلا منظر

(صبح ہو چکی ہے، سورج کی کرنیں گاؤں کی گلی میں اجالا کر رہی ہیں اس گلی کے عین سامنے پرانی قسم کا ایک سادہ سا مکان ہے۔

جس کا دروازہ گلی میں کھلتا ہے۔ باہر سے ایک سادہ لوح آدمی اس کھلے دروازے سے مکان میں داخل ہوتا ہے۔ اس شخص کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ ہاتھ کمر کے پیچھے ہیں اور قدیم زمانہ کا مضحکہ خیز لباس زیب تن ہے۔ ایک میلی کچیلی دھوتی پہن رکھی ہے۔ بدن پر ایک چھوٹی سی قمیص ہے۔ سر پہ ململ کی ٹوپی اور پاؤں میں دیسی جوتا، عمر چالیس کے لگ بھگ ہے، یہ شخص پنڈت روپ لال چند ہے۔ اس کے پیچھے اس کا کتا "موتی" اسی مکان میں داخل ہوتا ہے۔ یہ مکان پنڈت روپ لال چند ہی کا ہے۔ کوئی منٹ بھر کے قلیل وقفہ کے بعد ہی روپ لال ایک پرانی وضع کی سادھوؤں والی کلہاڑی ہاتھ میں اٹھائے اسی دروازے سے ہانپتا۔ کانپتا باہر آجاتا ہے۔ اس کے پیچھے اس کی بیوی رنبڈہ تائی بھی چیختی چلاتی اسی دروازے سے مکان کے باہر آتی ہے۔ اور ان کے پیچھے دو چھوٹے چھوٹے بچے روتے بسورتے دروازے تک آتے ہیں۔ پنڈتانی سرخ رنگ کا لہنگا اور اوڑھنی پہنے ہوئے ہے گلے میں مالا ہے اور ماتھے پہ بندی لگی ہوئی ہے پاؤں میں چپل ہیں اور وہ ادھیڑ عمر کی عورت معلوم ہوتی ہے۔ بظاہر غصہ کے عالم میں اس کی شکل ہیبت ناک معلوم ہوتی ہے ایک ہاتھ کو اوپر اٹھاتی ہوئی وہ یوں گویا

ہوتی ہے۔)

پنڈت تائی۔ موئے الیشور تجھے غارت کرے۔ آج سویرے سویرے گھر سے باہر بھیجا تھا کہ کچھ کما دھما کے لا۔ اور ان بچوں (دونوں بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کا پیٹ پال! مگر مجھ بدبختی کی ایسی قسمت کہاں تھی کہ کوئی دن ایسا چڑھتا جو تو نکھٹو ہاتھ ہلاتا۔ اور محنت مزدوری کرکے چار پیسے گھر لاتا۔ گھر میں سے ہر روز کھانے کو کہاں سے آئے۔ پر تیرے دماغ میں جانے بھس بھرا ہے۔ کہ میری کوئی بات بھی تیری سمجھ میں نہیں آتی۔ آج تک تیری کمائی کا میں نے ایک لہنگا بھی نہیں بنایا۔ تجھے قسم ہے جو تو کبھی بھولے سے بچوں کے لئے ایک دھیلا تک بھی کما کے لایا ہو۔ آخر میں صبح و شام دونوں وقت تیرے کھانے کے لئے کہاں سے لاؤں۔ تجھے ذرا خیال نہیں آتا؟

روپ لال چند۔ (کچھ جھجکتے ہوئے اور سر کو اوپر اُٹھاتے ہوئے) مگر پنڈتانی۔ دیکھو تو ....

پنڈت تانی۔ (بات کاٹتے ہوئے) میں کیا دیکھوں، خاک! مجھے کیا دکھاتا ہے دکھا اپنے متروں۔ دوستوں کو۔ جن کے پاس دن اور رات کا تمام وقت گذارتا ہے اور جن کی سرائے میں بیٹھ کر گپیں ہانکتا ہے۔ اب جان کو رو ان ہمسایوں کی جن کے کام کرنے میں تمہیں ذرا دریغ نہیں۔ پر تیری

مزدوری کی وہ تمہیں ایک پھوٹی کوڑی تک بھی تو نہیں دینے ـــــــ
کچھ اور سنو گے میری زبان سے! تو سُنتے جاؤ۔ تیری وجہ سے میرے کرم
بھی پھوٹ گئے۔ ہے نرنکار۔ کیا دنیا جہان میں میرا تیجا بننے کے لئے صرف
یہی ایک مرد وارہ گیا تھا۔ ہائے میرے نصیب!

روپ لال چند۔ (کندھے ہلاتے ہوئے اور آنکھیں اوپر اُٹھاتے ہوئے)
تگو پنڈتانی ....

پنڈتانی۔ (پھر روپ لال کی بات ٹوکتے ہوئے) اگر تگو کے لگتے۔ تُو نے
مجھے تباہ کر دیا۔ میرا خانہ خراب کر دیا۔ پرماتما تیرا بھی ناس کرے۔ تو
مر جائے تو مجھے آرام نصیب ہو۔ نہ نو من تیل ہو نہ رادھا ناچے۔ نہ تُو
ہوگا۔ نہ مجھے تیرا فکر ہوگا۔ ایشور میری سُن لے اور کل کا دن ایسا چڑھے
کہ اس کے بعد مجھے تیری شکل دیکھنی نصیب نہ ہو۔ دنیا میں سب کے لئے
موت ہے یا تو آج رات میں مر جاؤں یا اس کا دم نکل جائے۔

(اب روپ لال چند ایک ایک قدم بڑھا
کر آہستہ آہستہ آگے کی طرف سرکنا شروع
کر دیتا ہے۔ پاؤں کی حرکت کے ساتھ
ساتھ سر بھی ہل رہا ہے اور لب بھی متحرک
ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بول رہا

ہے۔ لیکن دراصل بول کچھ بھی نہیں پاتا ہے
——— اب مکان کے دروازہ سے
کتّا "موتی" بھی باہر آتا ہے۔ اور اس کے
ساتھ وہ بھی سرکنا شروع کر دیتا ہے۔
یہ کیفیّت دیکھ کر بنڈّ تانی کا غصّہ اور بھی
بڑھ جاتا ہے۔)

اب جا کہاں رہا ہے مجھ سے اپنی کرتوتیں تو سُن جا۔ اگر تجھ میں ذرا بھی غیرت ہے تو اس گھر کا رُخ مت کرنا۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ تو شام کو عین کھانے کے وقت بن بلائے آموجود ہوگا۔ ہائے پرماتما تجھے برباد کرے۔ تو نے مجھے کتنا دُکھ دے رکھا ہے۔

(یہ کہہ کر وہ گھر میں داخل ہو کر کواڑ بند
کر لیتی ہے۔ روپ لال چند ابھی دُور نہیں
گیا ہے۔ اور نظروں کے سامنے ہی ہے
کہ اتنے میں روپ لال کے دوست بولتے
ہوئے سُنائی دیتے ہیں اور جھٹ دو
اشخاص روپ لال چند کے گرد آ کھڑے
ہوتے ہیں۔ ایک کے چہرے پر تبسم نمودار

ہے۔ یہ لالہ درگا داس ہے۔ دوسرا آدمی
روپ لال کی کھسیانی شکل دیکھتے ہی کھلکھلا
کر ہنس پڑتا ہے۔ یہ سیٹھ کروڑی مل
ہے اور بظاہر سنجیدہ اور متموّل شخص معلوم
ہوتا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں سگرٹ
ہے جس کا وہ عجیب انداز سے کبھی کبھی
یوں کش لگاتا ہے۔ جیسے حقّہ پی رہا ہو
تینوں اشخاص چند قدم چل کر پھر اسی
دروازے کے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں
اور سیٹھ کروڑی مل گفتگو شروع کرتا
ہے۔)

سیٹھ کروڑی مل۔ ارے بھئی روپ لال۔ آج تم اس قدر اداس کیوں ہو کیا بات ہے جو تمہارا چہرہ اترا ہوا ہے؟

لالہ درگا داس۔ (جو کچھ باذاق اور پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے) سیٹھ کروڑی مل جی سوائے اس کے اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ پنڈتانی نے بیچارے روپ لال کے ساتھ ستھری کی ہو گی اور گھر سے باہر نکال دیا ہو گا۔ جبھی تو آج ان کے مکان

کا دروازہ بھی بند ہے۔

روپ لال چند۔ (اپنے کندھے ہلاتے ہوئے کہتا ہے) ہاں لالہ درگا داس جی۔ آپ سچ کہتے ہیں۔ پنڈ تانی نے بھلا کس دن میرے ساتھ ستھری نہیں کی۔ سویرے شام۔ مجھے اس کی ڈانٹ اور پھٹکار سننے کے سوا اور کام ہی کیا ہے۔ جبھی تو میں لیسا اوقات سیٹھ جی کی سرائے میں آپ دوستوں متروں کے پاس بیٹھا رہا کرتا ہوں آخر کیا کروں۔ پنڈ تانی کی عادت ہی کچھ ایسی ہے۔ آپ کہیئے کدھر سے آرہے ہیں!

لالہ درگا داس۔ دیکھا سیٹھ جی۔ یہ روپ لال تو نرا "زن مرید" ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ ہم سے پنڈ تانی کی شکائتیں کر چکا ہے مگر واہ رے بھولے بھالے روپ لال۔ تم ان سب باتوں کو یہ کہہ کر ٹال رہے ہو کہ پنڈ تانی کی عادت ہی کچھ ایسی ہے۔

مانا کہ تم میں لاکھ عیب ہیں۔ مگر جورو آخر جورو ہوتی ہے۔ اسے اپنے پتی کو اس قدر آڑے ہاتھوں نہ لینا چاہیئے۔

سیٹھ کھوڑی مل۔ خیر پنڈت جی۔ چلو ہماری سرائے میں دو گھڑی بیٹھ لو۔ طبیعت بہل جائے گی۔

لالہ درگا داس۔ اور ہاں روپ لال شام کو وہاں سے پہاڑی پر سیر کے لئے بھی جائیں گے۔

روپ لال چند۔ (قدرے خوشی ظاہر کرتے ہوئے) اچھا! اگر ہم کب تک واپس لوٹ سکیں گے۔ پنڈت نانی پھر کہیں مجھے گھر آنے ہی نہ دے؟

سیٹھ کروڑی مل۔ واہ روپ لال بھئی تم تو سچ مچ جورو کے غلام ہو۔ اچنبھے کی بات ہے کہ تم نے ساری عمر کس طرح ایک استری کا غلام بن کر گزار دی ہے۔ (یہ کہہ کر وہ پھر اسی طرح سگرٹ کا کش لگانے لگتا ہے)

لالہ درگا داس۔ اور ہاں سیٹھ جی۔ اب دیکھئے نہ روپ لال کو گھر آنے کی فکر ہے (پھر روپ لال کو مخاطب کرتے ہوئے) ارے بھئی چھوڑو تم تو واقعی زن مرید ہو۔ بے فکری سے اپنے دن گزارا کرو۔ پنڈتانی خود ہی گھر بار کی دیکھ بھال کرتی رہے گی۔ تمہیں اس کا فکر گھن کی طرح کیوں کھائے جا رہا ہے! (سیٹھ کروڑی مل بڑے زور سے سگرٹ کا کش لگاتے ہیں۔ ناک اور منہ سے دھواں نکل کر اُڑتا ہے۔ روپ لال نیچی گردن کئے کھڑا ہے۔ اور باقی دونوں صاحبان اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہیں۔ لالہ درگا داس سلسلۂ کلام جاری رکھتا ہے۔) ارے بھائی روپ لال کچھ کہو تو سہی۔ نہ منہ سے بولتے ہو۔ نہ سر سے کہتے ہو۔ بولو۔ ہمارے ساتھ چلو گے یا پنڈتانی کے خوف سے تمہارا خون خشک ہوا جا رہا ہے! (وہ ابھی اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ سامنے سے روپ لال چند

کے مکان کا دروازہ کھلتا ہے اور پنڈت تانی کا چہرہ نظر آتا ہے جو حسب معمول چڑھا ہوا ہے اور غصّہ کے مارے تمتما رہا ہے۔ پنڈت تانی آؤ دیکھتی ہے نہ تاؤ برسنا شروع کر دیتی ہے۔)

پنڈت تانی۔ ارے موئے تو ابھی تک کھڑا میری شکائتیں کر رہا ہے۔ یہ تیرے جو بہت سجن متر ہیں۔ ان کو اپنے ساتھ بھاڑ میں لے جا۔ ان کم بختوں کا پرماتما بھلا کرے جو میرے پتی کو اس طرح بگاڑ رہے ہیں۔

(پنڈت تانی کا اتنا کہنا سنتے ہی سب آدمی سہم جاتے ہیں۔ روپ لال چند تو کانوں پہ ہاتھ رکھ کر گر دن نیچی کئے ایک طرف روانہ ہو جاتا ہے اور اس کے پیچھے لالہ درگا داس اور سیٹھ کروڑی مل بھی چل پڑتے ہیں۔ روپ لال کا کتّا "موتی" بھی ان کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ پنڈت تانی ماتھے پہ بل ڈالتی اور ہونٹ چباتی پھر کواڑ بند کر لیتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا منظر

(اسی روز شام کے وقت)

(شام کا وقت ہے۔ چاروں طرف گھاس ہے اِرد گرد چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ بیچ میں ایک وادی ہے۔ جس میں چار اشخاص

عجیب و غریب لباس پہنے بیٹھے ہیں۔ ایک نے شیروانی پہن رکھی ہے۔ دوسرا چغہ میں ملبوس ہے۔ اس کے پہلو میں ایک بڑا سا چاقو ہے۔ باقی دو صرف قمیصیں پہنے ہوئے ہیں۔ چار دں اشخاص بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں اور کبھی کبھی تاش کے پتّوں کی آواز سنائی دیتی ہے ——

روپ لال چند انتہائی اطمینان سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا سب سے اونچی پہاڑی پر چڑھتا نظر آتا ہے اس کے داہنے ہاتھ میں وہی پرانی وضع کی کلہاڑی ہے، اور اس کا کتا موتی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ روپ لال کلہاڑی کو کبھی پہاڑی پر اور کبھی درخت پر مارتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دن بھر کا تھکا ماندہ ہے۔ کچھ قدم اِدھر اُدھر چل پھر کر آخر تھک ہار کر وہ ایک سبز گھاس والے ٹیلے پر بیٹھ جاتا ہے۔

سورج غروب ہو رہا ہے۔ روشنی کم ہو رہی ہے۔ اور تاریکی اس کی جگہ لے رہی ہے۔ روپ لال ٹکٹکی باندھے سامنے دیکھ رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے خیال آتا ہے کہ گھر جانے میں اسے بہت دیر ہو جائے گی۔ چنانچہ آہ بھر کر وہ سر کو جنبش دیتا ہے۔ اور یہ کہتے ہوئے اُٹھ جاتا ہے۔)

روپ لال چند۔ آہ! اب اگر میں گھر جاؤں تو پنڈتانی پھر میری جان کھائیگی۔

کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ کہاں نہ جاؤں! (وہ اُٹھ کر ابھی دو ہی قدم جاتا ہے کہ ایک آواز اس کا نام پکارتے ہوئے سُنائی دیتی ہے۔ وادی میں بیٹھے ہوئے اشخاص میں سے ایک شخص اسے پکار رہا ہے۔ آواز فضا میں گونج کر رہ جاتی ہے۔ "روپ لال چند۔ روپ لال چند!"

پنڈت روپ لال چند۔ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ مگر اُسے کوئی شخص شاید دکھائی نہیں دیتا۔ لمحہ بھر کے وقفہ کے بعد پھر اسے وہی آواز دو مرتبہ سنائی دیتی ہے" روپ لال چند!!" روپ لال چند!!!" اب وادی سے چغہ اور چاقو والا شخص (جو یہ نام پکار رہا تھا) اُٹھ کر پہاڑی پر چڑھتا ہے اور روپ لال کے قریب آکر اس سے یوں گویا ہوتا ہے)

چغہ اور چاقو والا شخص۔ پنڈت جی آیئے آیئے۔ میں آپ کو دھنیا باد کہتا ہوں ——— آیئے (ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے) آپ ہمارے غریب خانے پر تشریف لایئے! (روپ لال اس کی کمر میں چاقو بندھا ہوا دیکھ کر اس قدر خوفزدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی قوتِ گفتار سلب ہو جاتی ہے بیچارہ حیران کھڑا چپ چاپ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ آخرکار اس اجنبی شخص کے ساتھ وادی میں اُتر آتا ہے۔ جہاں باقی تینوں آدمی کھیل چھوڑ کر اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ روپ لال چند اپنے اجنبی ساتھی کے ہمراہ ان آدمیوں کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اور وہی چغہ والا آدمی اپنے

باقی تینوں سانجھیوں سے اس کا تعارف یوں کرتا ہے) دیکھئے یہ پنڈت

روپ لال چند جی ہیں، یہ بہت اچھے اور نیک آدمی ہیں!

شیروانی والا شخص - اوہے کیا کہنے - واہ وا پنڈت جی مہاراج کیسے آنا

ہوا؟ آپکے مزاج تو اچھے ہیں نا! ہم آپ کی کیا سیوا کریں؟

(روپ لال چند اب بہت گھبرا جاتا ہے

بالآخر حوصلہ سے کام لے کر جھکتے ہوئے

یوں کہتا ہے)

روپ لال چند - کرپا ہے آپ کی! مجھے پیاس بہت لگ رہی ہے - اگر تھوڑا

جل پلا دو تو بہت مہربانی ہو -

(شیروانی والا شخص اپنے پاس سے ایک

بڑی سی بوتل اور گلاس اٹھاتا ہے اور

بوتل گلاس میں انڈیلتا ہے جس سے رنگدار

شراب گلاس میں گرتی ہے - گلاس بھر

چکنے پر شیروانی والا آدمی پنڈت کو گلاس

پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔)

شیروانی والا شخص - لیجئے پنڈت جی مہاراج - جل پیجئے -

روپ لال چند - لائیے مہاراج! (ہاتھوں میں گلاس تھام کر منہ سے لگانے

ہوئے وہ شراب پی جاتا ہے۔ اور پی چکنے کے بعد کہتا ہے) اجی اس کا ذائقہ تو شراب جیسا ہے ——— اچھا خیر کچھ اور دیجئے۔ ابھی مجھے بہت پیاس محسوس ہو رہی ہے! (شیروانی والا شخص بوتل سے اور شراب گلاس میں انڈیلتا ہے۔ روپ لال اسے بھی پی جاتا ہے۔ مگر شاید ابھی اس کی پیاس نہیں بجھی اور وہ کہتا ہے) کیا آپ مجھے تھوڑا سا اور یہ جل نہ دے دیں گے۔ مجھے بہت پیاس لگ رہی ہے!

شیروانی والا شخص۔ کیوں نہیں پنڈت جی، اور لیجئے! (چنانچہ وہ ایک اور گلاس بھر کر روپ لال کے حوالے کرتا ہے جسے پی کر وہ بظاہر بہت خوش ہوتا ہے۔ اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکراتا ہے۔

اب چاروں اشخاص تاش کھیلنے میں مصروف ہو جاتے ہیں ——— روپ لال بے چارے پر شراب بہت جلد اثر کرتی ہے اور وہ بیٹھا بیٹھا پیچھے کو لڑھک جاتا ہے۔ اور خواب خرگوش میں مدہوش ہو کر سو جاتا ہے۔ باقی چاروں اشخاص اب باری باری اٹھتے ہیں۔ اور اسے آوازیں دے کر ایک طرف کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ مگر روپ لال گہری نیند میں محو ہے)

(پردہ گرتا ہے)

باب دوم

(گزشتہ واقعہ کے بیس برس بعد)

(پردہ اُٹھتا ہے، صبح کا وقت ہے۔ ایک خوشنما شہر کا بازار ہے۔ جس میں خوب چہل پہل ہے۔ یہ وہی شہر ہے جو کسی زمانہ میں آج سے بیس برس قبل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ زمانہ کی رفتار کے ساتھ اس مقام کی ہر ایک چیز بدل گئی ہے۔ گلیوں کی جگہ اب خوبصورت بازار ہیں اور اس گاؤں کی بجائے ایک بڑا شہر ہے۔ عوام الناس کے لباس اور رہنے سہنے۔ حتیٰ کہ بولنے چالنے کے طریقے بھی تبدیل ہو چکے ہیں۔ سامنے تین اشخاص انگریزی پوشاک (سوٹ) پہنے کھڑے ہیں۔ ایک کے سر پر "ہیٹ" ہے اور دو ننگے سر ہیں۔ اب وہاں پرانی سرائے کی جگہ ایک شاندار ہوٹل ہے۔ جس کے دروازے پر اس کا نام "رائل ہوٹل" لکھا ہوا ہے۔ ایک آدمی کے ہاتھ میں انگریزی اخبار ہے۔ دوسرے کے ہاتھ میں کچھ اشتہارات ہیں۔ ہیٹ والے کے ہاتھ میں چھڑی ہے۔

ابھی انہوں نے کوئی بات شروع نہیں کی کہ اتنے میں بائیں جانب سے ایک عجیب غریب قسم کا آدمی آجاتا ہے اس کے

پیچھے چھوٹے چھوٹے چار پانچ بچے آوازے کس رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں "ڈاڑھی والے بڑے میاں!"

(اس شخص کی ڈاڑھی قریباً ایک فٹ بڑھی ہوئی ہے۔ دھوتی اور قمیص بے حد میلی اور پھٹی پرانی ہے۔ دائیں ہاتھ سے کندھے پر ایک زنگ آلودہ اور مکروہ شکل کی چھوٹی سی کلہاڑی تھامے ہوئے ہے۔ یہ تینوں اشخاص اسے سر سے لے کر پاؤں تک نہایت غور و خوض اور تعجب سے دیکھتے ہیں۔ اشتہار والا شخص اس کے قریب آ کر ایک اشتہار اس کے ہاتھ میں دیتا ہے اور پوچھتا ہے۔)

اشتہار والا آدمی۔ بڑے میاں تم کس کو ووٹ دو گے؟

(اتنے میں اخبار والا شخص آگے بڑھتا ہے اور اس سے آ کر پوچھتا ہے۔)

اخبار والا آدمی۔ کیوں بڑے میاں تم کانگرسی ہو کہ مہاسبھائی؟

(لمبی ڈاڑھی والے بڑے میاں چپ چاپ حیران کھڑے ہیں۔ کبھی ایک شخص کی طرف دیکھتے کبھی دوسرے کی جانب اور کبھی تیسرے کی سمت! اصل میں یہ روپ لال چند ہے

جو بیس برس کی طویل نیند کے بعد بیدار ہو

کر اب آیا ہے۔

اتنے میں ہیٹ والا شخص آگے بڑھتا ہے

اور سخت لہجہ میں کہتا ہے)

ہیٹ والا شخص۔ بڑے میاں تم کون ہو۔ جو اس قسم کی عجیب و غریب شکل بنا کر یہاں آئے ہو؟ میرے خیال میں تم بہروپیئے ہو یا خفیہ پولیس کے جاسوس! لیکن تمہارا اس سے مطلب کیا ہے کہ ایک فٹ لمبی ڈاڑھی لگا کر چلے آئے ہو (روپ لال چند ہاتھ اٹھا کر ٹھوڑی چھوتا ہے۔ جہاں واقعی ایک فٹ لمبی داڑھی بڑھی ہوئی ہے) میں سمجھتا ہوں تم بھی انقلاب پسندوں کی طرح فساد اور شورش مچانے کے لئے یہ فریب کر رہے ہو۔

روپ لال چند۔ (جو اب تک خاموش تھا سخت گھبراہٹ کے عالم میں رک رک کر جواب دیتا ہے) اجی مہاراج اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔ مگر لالہ درگا داس کہاں ہیں؟

ہیٹ والا آدمی:۔ (روپ لال کی بات ٹوکتے ہوئے) لالہ درگا داس جی کہاں ہیں؟

(سب خاموش ہیں۔ لمحہ بھر کے وقفہ کے

بعد اشتہاروں والا آدمی جواب دیتا ہے)

اشتہاروالا آدمی - اوہو۔ لالہ درگا داس! وہ تو اٹھارہ سال ہوئے فوج میں بھرتی ہو کر لڑائی میں چلا گیا تھا۔ سنا تھا کہ لڑائی میں قتل ہو گیا تھا۔

روپ لال چند - (حیران ہو کر) ار۔ ر۔ ر۔ رے قتل ہو گیا! اچھا تو سیٹھ کروڑی مل جی کہاں ہیں ؟

اشتہاروالا آدمی - وہ بھی مدت ہوئی مر چکا ہے۔ اب تو اس کا گھر بار بھی سب نیلام ہو چکا ہے۔

(روپ لال چند یہ سنکر ششدر رہ جاتا ہے
اور بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی منہ میں
ڈال کر سوچنے لگتا ہے۔ ایک منٹ سوچنے کے
بعد بہت رنج و غم سے آہ بھر کر کہتا ہے)

روپ لال چند - آہ! کوئی مر گیا۔ کوئی لڑائی میں قتل ہو گیا، ہرے رام! تو کیا تم میں سے پنڈت روپ لال چند کو کوئی بھی نہیں جانتا ؟

(ہیٹ والا اور اشتہاروں والا۔ دونوں آدمی
یہ نام دہراتے ہیں: "پنڈت روپ لال چند؟"
پھر سب حیران کھڑے ایک دوسرے کا منہ

تکنے لگتے ہیں۔ بچّے ایک ایک کر کے وہاں
سے روانہ ہوتے ہیں۔ آخر کار خاموشی کے بعد
"ہیٹ والا" شخص بولتا ہے۔)

ہیٹ والا شخص۔ مگر بڑے میاں تمہارا کیا نام ہے؟!

روپ لال چند۔ میں روپ لال نہیں ہوں۔ صرف کل رات میں روپ لال تھا۔ کل شام میں پہاڑی پہ ذرا دیر کے لئے سو ضرور گیا تھا۔ مگر پرماتمانے میری یہ کلہاڑی بھی بدل دی ہے (کلہاڑی کندھے سے اتارتے ہوئے) اور دنیا بھی بدل گئی ہے۔ اور میں بھی بدل گیا ہوں۔ اس لئے میں کچھ نہیں بتا سکتا کہ میں کون ہوں کیا ہوں۔ کہاں ہوں!

ہیٹ والا شخص۔ ارے بھئی تمہیں خدا ہی سمجھے (یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے ——— اتنے میں سامنے سے گلابی ساڑھی والی ایک عورت دکھائی دیتی ہے۔ جو اس عجیب وغریب انسان کو دیکھنے آتی ہے۔ اسکی گود میں ایک چھوٹا سا خوبصورت بچّہ ہے۔ جو بوڑھے روپ لال چند کی لمبی داڑھی اور پرانی کلہاڑی دیکھ کر رونے لگتا ہے۔ اسکی ماں (یعنی ساڑھی والی عورت) اسے تھپک کر چپ کراتی ہے اور کہتی ہے)

ساڑھی والی عورت۔ بیٹا روپ چند چپ ہو جاؤ۔ یہ لمبی داڑھی والے بڑے میاں تمہیں کچھ نہیں کہنے کے!

(اس عورت کی زبان سے بچّہ کا یہ نام سُنکر
بوڑھا روپ لال چونک پڑتا ہے اور اُس
سے دریافت کرتا ہے۔)

روپ لال چند۔ اے دیوی تمہارا کیا نام ہے؟

عورت۔ میرا نام کملا ہے!

روپ لال چند۔ اور تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟

عورت۔ آہ! میرے پتا جی۔ ان کا نام پنڈت روپ لال چند جی تھا۔ جن کے نام پر ہم نے اپنے بچہ کا نام رکھا ہے۔ مگر میرے پتا جی تو بیس سال سے پردیس گئے ہوئے ہیں۔ اور آج تک واپس نہیں لوٹے اور نہ ان کی بابت کسی سے کچھ سُنا ہے شاید انہوں نے خودکشی کر لی ہو یا کہیں مارے گئے ہوں!

(بوڑھا روپ لال عورت کی طرف آنکھیں نکالکر
کر دیکھتا ہے پھر جلدی سے پوچھتا ہے)

روپ لال چند۔ مگر سچ سچ بتاؤ کہ تمہاری ماں کہاں ہے؟

عورت۔ اوہ ماتا جی؟ وہ چار سال ہوئے مر گئی تھیں۔

روپ لال چند۔ (اطمینان سے سانس لیتے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خوشی سے اسکی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ عورت کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے۔ بچّہ

کو اپنی گود میں لے لیتا ہے) بیٹی۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ لیکن اب میں بالکل بدل گیا ہوں۔ کیا پنڈت روپ لال کو کوئی بھی نہیں جانتا!

عورت۔ (تعجب اور خوشی سے دانت نکالتے ہوئے) پتا جی! پر آپ کہاں تھے؟ پورے بیس سال آپ کہاں رہے؟

روپ لال چند۔ کہیں نہیں بیٹی۔ میں پہاڑی پر سو گیا تھا۔ مگر ہیں کیا بیس برس گذر گئے۔ اور میں اتنی دیر سوتا رہا تو شاید کسی نے جادو کر دیا تھا میں بھی حیران تھا کہ میں صرف رات بھر کے لئے سویا ہوں اور ساری دنیا بدل گئی ہے۔ پرشکر ہے کہ پنڈتانی تو مر گئی ہے!

(پردہ گرتا ہے)

ایمان فروش

افراد

جوہن ———— سرائے کا مالک۔ سرکار پرست

مورگن ———— ایک مجسٹریٹ۔ جوہن کا دوست

سوسن ———— ایک سن رسیدہ عورت

مُنادی والا ———— ایک نوجوان

منظر

آئرلینڈ کے کسی قصبہ میں ایک اوسط درجے کی سرائے کا کمرہ جو بالائی منزل پر واقع ہے۔ دیواریں گرد آلودہ ہیں۔ اور کئی جگہوں سے پلستر اکھڑا ہوا ہے۔ سامنے ایک بڑی کھڑکی ہے۔ جو نیچے

بازار میں کھلتی ہے ۔ جب کھڑکی کے پٹ کھلے ہوں ۔ تو نیچے بازار میں کھڑے ہو کر کمرہ کے اندر بخوبی نظر پڑتی ہے ۔ کمرہ کا سامان نہایت مختصر اور پرانا ہے ۔ عین وسط میں کھڑکی کے بالمقابل ایک بڑی میز ہے ۔ جس کے قریب بیٹھنے کے لئے ایک چھوٹا سا بنچ پڑا ہے ایک طرف دیوار کے ساتھ ایک بڑی الماری رکھی ہے ۔ دائیں طرف اندر آنے کے لئے دروازہ ہے ۔ جس کے باہر نیچے اترنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جو دکھائی نہیں دیتیں ۔ جب پردہ اٹھتا ہے ۔ کمرہ میں مورگن اور جوہن کھڑے ہیں ۔ مورگن کی عمر ۳۰ سال کے لگ بھگ ہے ۔ اور شکل وصورت سے درشت مزاج اور سخت گیر معلوم ہوتا ہے ۔ جوہن ۴۰ سال کا دبلا پتلا آدمی ہے ۔ دونوں میں ایک تنازعہ ہو رہا ہے ۔)

وقت :۔ بعد دوپہر

مورگن ۔ بہرکیف میں آج کا کھانا نہیں کھاؤنگا ۔

جوہن ۔ اور تم کونسی چیز پسند کرو گے ؟

مورگن ۔ چاول اور شوربہ ۔

جوہن ۔ اس وقت میرے پاس بھنی ہوئی مچھلی کے سوا کچھ موجود نہیں ہے ۔

مورگن ۔ بہت اچھا ۔ جو کچھ تیار ہے لے آؤ ۔

(بنچ پہ بیٹھ جاتا ہے۔ اور جیب سے تاش نکال
کر میز پہ رکھ دیتا ہے۔ جوہن ایک طشتری
میں کھانا لاتا ہے۔ جب مورگن کھانا ختم
کر لیتا ہے تو باہر گھنٹی کی آواز سنائی دیتی
ہے اور پھر منادی والے کی صدا آتی
ہے۔)

منادی والا۔ پانچ سو پونڈ انعام! پانچ سو پونڈ نقد اس شخص کو دیئے جائینگے
جو فوجی سارجنٹ ولسن کے قاتل کا نام پتہ بتائیگا۔ یا ایسی اطلاع بہم پہنچائیگا
جس سے قاتل کا سُراغ مل سکے۔

مورگن۔ حکومت کی طرف سے پانچ سو پونڈ کا گراں قدر انعام مقرر ہو چکا ہے۔ مگر
اسے حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ سمجھ میں نہیں آتا۔

جوہن۔ کاش! اتنی بڑی رقم ہمارے ہاتھ آجائے۔

(باہر سیڑھیوں پہ قدموں کی چاپ سُنائی
دیتی ہے۔ منادی والا گھنٹی بجاتا ہُوا کمرے
میں داخل ہوتا ہے۔ اس نے سرخ رنگ کا
ایک فوجی کوٹ پہن رکھا ہے۔)

منادی والا۔ پانچ سو پونڈ انعام ——— اس شخص کو گرفتار کرانے

کے لئے ـــــــ جس نے سارجنٹ ولسن کو قتل کیا ہے۔

مورگن۔ بیوقوف ـــــــ تو اندر کس لئے آگیا۔ تیری جگہ تو باہر بازار میں ہے۔

منادی والا۔ میں حضور کے لئے ایک تحفہ لایا ہوں۔

(جیب سے ایک بھنی ہوئی مچھلی نکالتا ہے جو کاغذ میں لپٹی ہوئی ہے۔)

مورگن۔ اسے یہاں رکھ دو۔

(منادی والا مچھلی میز پر رکھ دیتا ہے)

تمہیں کس نے بھیجا ہے؟

منادی والا۔ نیچے بازار میں ایک شخص کھڑا ہے جس نے یہ مچھلی نذر خدمت کرنے کے لئے مجھے حضور کے پاس بھیجا ہے۔

مورگن۔ کیا وہ لوگوں کے سامنے میرے پاس آنے سے ڈرتا ہے۔

منادی والا۔ ہاں حضور! جب لوگوں کو علم ہو کہ آپ کمرہ میں تشریف رکھتے ہیں تو کوئی شخص بھی اوپر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وہ ڈرتا ہے۔ کہ لوگ اس سے بدظن نہ ہو جائیں۔

(باہر نکل جاتا ہے)

مورگن۔ قصبہ میں اتنے لوگ آباد ہیں۔ مگر سرکاری افسر کے قاتل کا پتہ بتانے پر

کوئی بھی آمادہ نہیں میرے خیال میں اگر پانچ گنا زیادہ انعام بھی مشتہر کر دیا جائے۔ تو بھی کوئی اس کی جرأت نہیں کرے گا۔

جوہن۔ بے شک یہ درست ہے۔ ان میں سے ایک بھی قاتل کا نام و نشان نہیں بتائے گا۔ یہ ان کا ایمان ہے۔ کہ ایک دوسرے کے خلاف لب کشائی نہ کریں۔

مورگن۔ تب تو اس کا یہ مطلب ہوا۔ کہ کوئی بھی انعام کا حقدار نہیں ہوگا۔ خدا کرے کسی طرح میں اتنی بڑی رقم حاصل کر سکوں۔

جوہن۔ (یکدم کسی جذبہ سے متاثر ہو کر) دوست مورگن! مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔ جس کے ذریعہ ہم یہ انعام حاصل کر سکتے ہیں۔

مورگن۔ وہ کیا ہے۔ بھلا میں بھی تو سنوں؟

جوہن۔ تم جانتے ہو۔ کہ نیچے بازار میں بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اور سب کی توجہ اس کمرہ کی طرف ہے۔ فرض کرو۔ کہ ان میں سے ایک کو ہم کسی طرح یہاں بلا لیں۔ اور تم اس کے ساتھ گفتگو کرو۔ اس طرح کہ باہر والے لوگ کھڑکی میں سے تمہاری نقل و حرکت اچھی طرح دیکھ سکیں۔ لیکن تمہارے مخاطب کو اس بات کا علم نہ ہو۔ کہ اس کی حرکات باہر سے دیکھی جا رہی ہیں۔ تو اس حالت میں کیا باہر کے لوگ یہ خیال نہ کریں گے۔ کہ وہ شخص نمہیں ولسن کے قاتل کا پتہ بتا رہا ہے اور پھر جب اس شخص کو یہ معلوم ہوگا

کہ لوگوں نے اسے تمہارے ساتھ باتیں کرتے دیکھا ہے۔ اور وہ اسے گھور رہے ہیں۔ تو کیا وہ اپنی جان کو خطرے میں محسوس نہ کریگا۔ اور پھر—

مورگن۔ پھر کیا؟

جوہن۔ پھر وہ ہمیں سب کچھ بتا دے گا۔ کیونکہ ہم اسے پناہ دینے کا وعدہ کرینگے اور لوگوں سے جان بچانے کے لئے وہ ہر ممکن راز ہم پر فاش کر دے گا۔ اس کھڑکی کے راستے ہم لوگوں کو کمرہ کا جائزہ لینے کا بخوبی موقع دے سکتے ہیں۔

مورگن۔ حیرت ہے کہ یہ ترکیب تمہارے دماغ میں کیونکر آئی۔

جوہن۔ کل میں اسی طرح میز کے قریب کھڑا تھا۔ اور کھڑکی کے پٹ کھلے تھے۔ اچانک قصبے کا ایک نوجوان کسی کاروباری معاملہ میں مشورہ لینے کے لئے میرے پاس آیا۔ تھوڑی دیر ہم باتیں کرتے رہے۔ یکایک میرے مخاطب کے چہرے پر موت کی سی سفیدی چھا گئی۔ اور اس نے خوفزدہ ہو کر کھڑکی کے راستے باہر دیکھتے ہوئے کہا "وہ سب ہماری تاک میں ہیں"! لوگوں کا ہجوم کل بھی اسی طرح نیچے کھڑا تھا۔ جیسے وہ آج سامنے لوہار کی دوکان پر جمع ہیں۔ اور سب کی نگاہیں ہماری طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں نے فوراً معلوم کر لیا۔ کہ وہ کس خیال میں تھے۔

مورگن۔ کیا وہ یہ سمجھتے تھے۔ کہ تمہارا مخاطب اپنی قوم سے غدّاری کر رہا ہے

اور تمہیں سارجنٹ ولسن کے فائل کا پتہ بتا رہا ہے؟

جوہن۔ یقیناً ایسا ہی تھا۔ وہ نوجوان کہنے لگا۔ کہ قسم بخدا اگر اس وقت میں مورگن سے مصروفِ گفتگو ہوتا۔ تو سچ مچ لوگ مجھے ایمان فروش اور غدّار قوم سمجھ کر میرے مارنے کے درپے ہو جاتے۔

مورگن۔ بے شک یہ نہایت عمدہ ترکیب ہے۔ اس کمرہ کی کھڑکی اتنی بڑی ہے۔ کہ اگر کوئی ہم سے ملنے کے لئے یہاں آئے۔ تو نیچے لوگوں کا ہجوم اسے باآسانی دیکھ سکتا ہے۔

جوہن۔ کاش! اس وقت کوئی آدمی تم سے خفیہ طور پر باتیں کرنے کے لئے یہاں چلا آئے۔ باہر سے ہر شخص کی نظر تم دونوں پر جم جائے گی۔ اور لوگ فوراً کچھ مبگوٹیاں شروع کر دینگے۔ کہ جو شخص تمہارے ساتھ مصروفِ گفتگو ہے وہ سارجنٹ ولسن کے قاتلوں کے نام بتا رہا ہے۔

مورگن۔ اور تم جانتے ہو۔ کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

جوہن۔ بس یہ سمجھ لو۔ کہ تمام لوگ درندوں کی طرح وحشی بن جائیں گے۔ ہر شخص ہی تصوّر کریگا۔ کہ اس کے ساتھ غدّاری کی جا رہی ہے اور جب وہ شخص واپس لوگوں میں جائے گا۔ تو اس کی جان کا اللہ ہی محافظ ہے۔

مورگن۔ اسے حفاظت کے لئے سپاہی درکار ہونگے اور اس کے لئے وہ یقیناً ہماری امداد طلب کریگا۔

جوہن ۔ اور ہم اسے صرف اسی شرط پر پناہ دیں گے۔ کہ وہ ہمیں قاتلوں کے نام بتلائے ۔

مورگن ۔ بہت خوب ! دوست جوہن تمہاری ترکیب واقعی لاجواب ہے ۔

جوہن ۔ اگر میں ڈبلن میں ہوتا ۔ تو اس خدمت کے صلہ میں سرکاری ملازمت حاصل کرتا ۔

مورگن ۔ بے شک ! اچھا یہ بتاؤ ۔ کہ اگر تمہاری ترکیب کامیاب ثابت ہو ۔ تو انعام میں سے تمہارا حصہ کیا ہوگا ؟

جوہن ۔ پانچ سو پونڈ کا نصف حصہ ۔

مورگن ۔ میں تمہیں ایک ایجنٹ جتنا کمیشن دونگا ۔

جوہن ۔ یہ میرے لئے کافی نہیں ہوگا ۔ کیونکہ ترکیب تو میں نے ہی بتائی ہے ۔

مورگن ۔ لیکن تم خود اس کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے ۔ اس کے لئے مجھ جیسے آدمی کی ضرورت ہے ——— ایسا آدمی جو مورگن کی سی شہرت و عزت رکھتا ہو ۔ میں تمہارے ساتھ تاش کی ایک بازی کھیلونگا ۔ اگر تم جیت گئے ۔ تو بے شک آدھے انعام کے مستحق ہو گے ۔

(دونوں تاش کھیلتے ہیں ۔ جوہن ہار جاتا ہے ۔)

جوہن ۔ تم ہمیشہ جیت میں رہتے ہو ۔

مورگن ۔ (تاش سنبھال کر جیب میں رکھ لیتا ہے ۔) اچھا ۔ اب تھوڑی سی شراب لاؤ ۔

(جوہن الماری سے ایک بوتل اور گلاس لا کر میز پہ رکھ دیتا ہے ۔ مورگن شراب کا ایک گلاس بھر کر پی جاتا ہے ۔)

جوہن ۔ انعام میں سے مجھے کیا ملے گا ۔

مورگن ۔ جو میں نے کہا تھا ۔ یعنی ایک ایجنٹ جتنا کمیشن ۔

جوہن ۔ اور وہ کمیشن کیا ہو گا ۔

مورگن ۔ پچاس پونڈ ۔

جوہن ۔ پچاس پونڈ کافی نہیں ، میری ترکیب زیادہ قیمتی ہے ۔

مورگن ۔ لیکن تمام تکالیف تو مجھی کو برداشت کرنی پڑیں گی ۔

جوہن ۔ بہت بہتر ۔ تم میری ترکیب پچاس پونڈ میں خرید سکتے ہو ۔ مگر اس کمرے کو بلا اُجرت استعمال کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ۔

مورگن ۔ دوست جوہن ! کیا تم مجھے بیوقوف تصوّر کرتے ہو ؟

جوہن ۔ اور کیا تم مجھے مفت میں اُلّو بنانا چاہتے ہو ۔ یہ لوگ میرے خیر خواہ تھوڑے ہی ہیں ۔ مجھے تو اِن سے ہر روز کا کام ہے اس حرکت سے جو بدنامی و رسوائی میری ہو گی ۔ اس سے میرے کاروبار پہ بہت بُرا اثر پڑیگا ۔ اور

یہ لوگ میرا سودا خریدنا قطعی بند کر دیں گے۔

مورگن۔ کم فہم آدمی کیا تم یہ نہیں جانتے کہ میں اپنے سپاہی تیرے ہاں بھیجد یا کروں گا۔

جوہن۔ بہت بہتر۔ اب تمہیں ہر طرح سے اجازت ہے۔ مگر ـــــ ہماری تمام باتیں فضول ہیں۔ کیونکہ تمہاری موجودگی میں کسی کا یہاں آنا نہایت دشوار ہے۔

مورگن۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں جانتا ہوں۔ کہ میری قسمت بہت زبردست ہے۔

(دروازے پر کوئی دستک دیتا ہے جوہن دوڑ کر دروازہ کھولتا ہے۔ ایک ساٹھ سالہ عورت کمرے میں داخل ہوتی ہے اس کے پاؤں برہنہ اور وہ جسم پر سیاہ لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ وہ قدرتے مضطرب ہے۔ مگر اس کی وضع قطع سے تمکنت ہویدا ہے۔)

جوہن۔ تم کون ہو۔ اور یہاں کس لئے آئی ہو۔

سوسن۔ مجھے سوسن مغنیہ کہتے ہیں۔ اور میں حضور مجسٹریٹ صاحب بہادر

سے ملنا چاہتی ہوں۔

مورگن۔ بڑھیا۔ اِدھر آ۔ بتا کیا چاہتی ہے۔

(ہاتھ سے قریب آنے کا اشارہ کرتا ہے
سوسن میز کے پاس آکر مؤدبانہ کھڑی ہو
جاتی ہے۔)

سوسن۔ حضورِ عالی۔ ایک غریب عورت پر رحم فرمائیے۔ آج صبح جب حضور کچہری تشریف لے جارہے تھے۔ تو میں کچھ عرض کرنے کے لئے حضور کے گھوڑے کے پیچھے دوڑتی آئی تھی۔ اور حضور نے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ میں دوپہر کے بعد سرائے میں آپ سے ملوں۔

(جوہن شراب کا ایک گلاس بھر کر نوش
کرتا ہے۔ اور پھر کمرہ سے باہر نکل جاتا
ہے۔ مورگن اُٹھ کر کھڑکی کے پٹ
کھول دیتا ہے۔ ایک منٹ کھڑکی میں
کھڑا رہتا ہے۔ تاکہ لوگوں کا ہجوم اس کو
اچھی طرح دیکھ سکے۔ پھر بنچ پر آ بیٹھتا ہے
سوسن میز کے قریب کھڑی ہے۔ نیچے سے
لوگوں کو دونوں دکھائی دے رہے ہیں مورگن

اب زیادہ محتاط نظر آتا ہے ۔)

مورگن ۔ بہت خوب ! مجھے تو اس وعدہ کا خیال ہی نہ تھا ۔ اچھا ! اب تو شوق سے اپنا مدعا بیان کر ۔

سوسن ۔ حضور ! میرا بیٹا قید میں ہے ۔ اگر حضور اس کے لئے سفارش نہ کرینگے تو وہ کل صبح گولی سے اڑا دیا جائے گا ۔ میں التجا کرتی ہوں ۔ کہ اس کی جان بخشی فرمائی جائے ۔

مورگن ۔ اس نے کونسا جرم کیا ہے ۔

سوسن ۔ حضور چند ماہ ہوئے ۔ اس نے فوج میں اپنا نام درج کرایا تھا ۔ لیکن جلد ہی وہ ملازمت چھوڑ کر بھاگ گیا ۔ اگر حضور میرے بیٹے کے لئے کرنیل صاحب بہادر کو سفارشی چٹھی لکھیں ۔ تو میں تادم زیست سرکار کی سلامتی کی دعا کرتی رہوں گی ۔

مورگن ۔ کیا تو اپنے بیٹے کے لئے کوئی ایسا ضامن پیش کر سکتی ہے ۔ جو مجھے یہ یقین دلائے ۔ کہ وہ دوبارہ فوج سے فرار نہیں ہو گا ۔

سوسن ۔ (خوش ہو کر) ہاں حضور ۔ باہر ایسے آدمی موجود ہیں ۔

(کھڑکی میں کھڑے ہو کر باہر جھانکتی ہے)

دیکھئے سرکار ۔ وہ باہر لوہار کی دکان پر بہت سے لوگ جمع ہیں ۔ اور ان میں سے ہر ایک میرے بیٹے کی ضمانت دینے کو تیار ہے ۔

مورگن۔ خوب! مجھے چند اشخاص کے نام بتائیے۔

سوسن۔ بہت اچھا حضور! سنئے۔ البرٹ سیمون۔ ولیم۔ وکٹر (پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے) یقیناً اس سے حضور مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔

مورگن۔ تو مطلق خوف نہ کر۔ ایک دفعہ پھر مجھے ضامنوں کے نام بتا دے تاکہ میں انہیں کاغذ پر لکھ کر کرنیل کو سفارشی چٹھی کے ساتھ بھیج دوں۔

سوسن۔ (دوبارہ باہر جھانکتے ہوئے نام لیتی ہے) البرٹ۔ سیمون۔ ولیم۔ وکٹر ——— دیکھئے حضور ایک عورت گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھک گئی ہے اس کا نام مارتھا ہے۔ اور وہ میرے بیٹے کی سلامتی کی دعا کر رہی ہے۔

مورگن۔ بس جانے دے! میں نے سب نام لکھ لئے ہیں۔ اور اب میں تجھ سے کچھ اور دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

سوسن۔ (واپس میز کے قریب آجاتی ہے) کیا ارشاد ہے حضور!

مورگن۔ تجھے یقین ہے۔ کہ جو لوگ نیچے کھڑے ہیں۔ وہ تیرے بیٹے کی نیک چلنی کی ضمانت دیں گے۔

سوسن۔ بے شک حضور! اگر ان کی درخواست جناب نے منظور فرمائی تو اس بات پر فخر کریں گے۔

مورگن۔ (کھڑکی کے قریب جا کر) مگر وہ تو نہایت مشتبہ نظروں سے تجھے

گھور رہے ہیں۔ وہ عورت مارتھا دعا دینے کی بجائے گالیاں دے رہی ہے۔

سوسن۔ ان لوگوں سے خدا سمجھے۔ جو حضور کو گالیاں دیں۔

مورگن۔ بیوقوف! کیا تو یہ سمجھتی ہے۔ کہ وہ مجھے گالیاں دے رہے ہیں۔ نہیں تو غلطی پر ہے۔ وہ تجھے بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔

سوسن۔ مجھے؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

مورگن۔ (واپس بنچ پر آ کر بیٹھ جاتا ہے) بیوقوف سن! باہر سے ہر ایک شخص نے تجھے میرے ساتھ دلیرانہ گفتگو کرتے دیکھ لیا ہے۔ اس لئے وہ سمجھتے ہیں ——— اور ایسا سمجھنا ان کے لئے نہایت آسان ہے ——— کہ تو نے مجھے ان لوگوں کے نام بتائے ہیں جو سارجنٹ ولسن کے قتل میں شریک تھے۔

سوسن۔ او خدا! او خدا!!

(دوڑ کر کھڑکی کے قریب جاتی ہے۔ تا کہ جو لوگ باہر کھڑے ہیں۔ انہیں دیوانہ وار پکار سکے۔ لیکن انہیں دیکھتے ہی اس کے لبوں پر مہرِ سکوت لگ جاتی ہے۔ اور وہ خوفزدہ ہو کر بے دلی سے وہیں بیٹھ جاتی ہے

یکدم دروازہ کھلتا ہے۔ اور جوہن ہاتھ میں
بید کی ایک مضبوط چھڑی لئے اندر داخل
ہوتا ہے۔ شراب کے نشے سے وہ بد مست
ہو رہا ہے۔)

مورگن۔ جوہن! تم یہاں کس لئے آئے ہو؟

جوہن۔ تم بے ایمانی سے مجھے لوٹنا چاہتے ہو۔ تمہارا دل پتھر کی طرح سخت ہے۔ اور ناانصافی تمہارے سینے میں کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

(چھڑی سے حملہ کرنا چاہتا ہے)

(مورگن جلدی سے کوٹ کے نیچے سے ایک
خنجر نکالتا ہے اور جوہن کے مقابلہ کے لئے
خنجر تان کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جوہن خنجر دیکھ کر
رک جاتا ہے۔)

جوہن۔ نصف حصہ میرا ہے ——— سنتے ہو؟ میں ہرگز تمہارے قریب میں نہیں آؤنگا۔ اور اپنا حصہ لے کے ہٹونگا۔

(غصہ میں کمرہ سے باہر نکل جاتا ہے۔ اور اپنے
پیچھے دروازہ زور سے بند کر لیتا ہے۔
مورگن واپس میز کے قریب آتا ہے۔ اور

خنجر میز پر رکھتے ہوئے بنچ پر بیٹھ جاتا ہے۔
پھر یکدم اُٹھ کر دروازہ تک جاتا ہے۔ اور
وہیں کھڑا ہو کر کسی سوچ میں پڑ جاتا ہے۔
سوسن ابھی تک کھڑکی میں دبکی بیٹھی ہے۔
اسے اس واقعہ کا مطلق علم نہیں ہوا۔)

سوسن - (ہوش بجا کر کے اپنی جگہ سے اُٹھتی ہے) تعجب ہے۔ کہ یہ لوگ مجھے لعنت ملامت کر رہے ہیں۔ (مورگن کے قریب آجاتی ہے) حضور! میری حالت پر رحم کیجئے۔ یہ لوگ مجھے ایمان فروش سمجھ کر قتل کر دیں گے۔ مجھے ان کے دستِ ظلم سے نجات دلائیے۔

مورگن - میں تیری حفاظت کے لئے سپاہیوں کا ایک دستہ مقرر کر دوں گا۔ اور تیرے بیٹے کو بھی قید سے آزاد کرا دونگا۔ پھر تم دونوں کو ملک کے کسی دوسرے حصّے میں بھجوا دوں گا۔ جہاں تم بے خوف و خطر آرام کی زندگی بسر کر سکو۔

سوسن - خدا حضور کا اقبال بلند کرے ——— مگر ——— لوگ یہی خیال کرینگے۔ کہ میں نے ان کے ساتھ غدّاری کی ہے۔

مورگن - اس بدنامی سے بچنا ناممکن ہے۔ لوگوں کی نظروں میں اب تو ہمیشہ کے لئے ذلیل ہو چکی ہے۔ انہیں یقین ہو گیا ہے۔ کہ تو نے ان کے ساتھ

غداری کی ہے۔ جو بدظنی ان کے دلوں میں پھیل چکی ہے۔ اب اس کا دُور ہونا دشوار ہے۔ میرے خیال میں اب تجھے اس مثل پر عمل کرنا چاہیئے۔

"بد اچھا بد نام بُرا"

سوسن۔ اس سے حضور کا مطلب؟

مورگن۔ یہی کہ تو سچ مچ ان اشخاص کے نام بتا دے۔ جنہوں نے سارجنٹ ولسن کو قتل کیا تھا۔

سوسن۔ (حیران ہو کر) اس بارے میں تو ایک لفظ بھی میرے مُنہ سے نہیں نکلا۔

مورگن۔ بیوقوف! جو لوگ نیچے کھڑے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر ایک قاتل کا نام تیرے منہ سے نکل چکا ہے۔

سوسن۔ آہ! میں وہ نام ہرگز نہیں بتا سکتی۔

مورگن۔ وہ لوگ یقین کرتے ہیں۔ کہ تو نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اور وہ تجھ پر ایمان فروشی کا الزام لگا رہے ہیں۔ تو ایک مرتبہ ان کے پاس جا کر دیکھ لے کہ تیرا کیا حشر ہوتا ہے۔ پتھروں کی بارش اور پاؤں کی ٹھوکروں سے تیرے جسم کو پامال کر دیا جائیگا۔ بہتر ہے۔ کہ جس جرم کے پاداش میں تجھے یہ سزا ملنے والی ہے۔ تو میرے سامنے اس کا اظہار کر دے۔

ہاں! اب جلدی بتا کہ قاتل کون تھا؟

سوسن - ہرگز نہیں خواہ کیسی ہی مصیبت نازل ہو۔ میں اپنی قوم سے ایسی
بیوفائی ہرگز نہیں کر سکتی -

مورگن - میں نے تجھے کہہ دیا ہے۔ کہ ہر ممکن طریقے سے تیری مدد کی جائیگی۔
اور تجھے صحیح وسلامت ایسی جگہ پہنچا دیا جائے۔ جہاں تو دشمنوں سے
محفوظ ہے - اگر اب بھی تو قاتلوں کا پتہ نہیں بتلائے گی۔ تو میں اسی کھڑکی
کے راستے تجھے بازار میں لوگوں کے پاس پھینک دونگا۔ جو آناً فاناً تیری
ہستی کو مٹا دیں گے -

(مورگن غصہ میں چند قدم آگے بڑھتا ہے۔
سوسن اسی رفتار سے پیچھے ہٹتی ہے۔ یہاں
تک کہ میز کے قریب آ کر رُک جاتی ہے
اور دونوں ہاتھ سہارے کے لئے میز پر رکھ
دیتی ہے۔ اسکی پشت میز کی جانب ہے۔)

سوسن - (غصہ میں) جو تمہارے دل میں آئے کرو۔ میں ان کے نام ہرگز ظاہر
نہیں کروں گی۔ افسوس! میں کتنی بے وقوف تھی۔ جو ایک ظالم کو اپنا خیر
خواہ سمجھتی رہی۔ کاش کہ میں یہاں ہرگز نہ آتی۔ شاید اسی چال کے لئے تم
نے مجھے یہاں بلایا تھا۔ کہ لوگ مجھے تم سے باتیں کرتے دیکھ کر ایمان فروش اور
غدّارِ قوم سمجھنے لگیں -

(میز پر سہارا لیتے ہوئے اس کے ہاتھ خنجر
سے مس کرتے ہیں۔ باہر کچھ شور سنائی دیتا
ہے۔ مورگن کھڑکی میں جا کر کھڑا ہوتا ہے
سوسن خنجر کو مضبوطی سے پکڑ لیتی ہے۔ جیسے
کوئی گوہر نایاب اس کے ہاتھ لگا ہو۔)

سوسن۔ (نہایت عاجزی سے) آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟

مورگن۔ (منہ پھیر کر) جن لوگوں کے تو نے نام لئے ہیں۔ انہیں قتل کے الزام میں گرفتار کیا جائیگا۔ اور اسکی تمام ذمہ داری تیرے سر پر عائد ہوگی۔ پھر کوئی طاقت بھی تجھے مصیبت سے نہیں بچا سکے گی۔ اگر تو مجھے اصلی قاتل کے نام بتا دے۔ تو میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ ہر ممکن طریقے سے تیری حفاظت کی جائے گی۔ بس! اب زیادہ دیر نہ کر! جلدی بتا دے کہ قاتل کون ہے؟ کیا وہ مارتھا کا لڑکا تھا۔ یا چارلس کا بھائی یا البرٹ کا باپ؟

(سوسن خاموش رہتی ہے۔ باہر کچھ شور
سُنائی دیتا ہے۔)

مورگن۔ باہر عجیب شور برپا ہے معلوم نہیں لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔

(کھڑکی سے باہر جھانکتا ہے۔)

سوسن۔ قتل! قتل! قتل! یہی الفاظ ہیں۔ جو لوگ بار بار پکار رہے ہیں۔ اور

لوہار کی دکان سے بھی ہتھوڑے کی ضربات "مارو۔ مارو" کا نعرہ بلند کر رہی ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ جو کوئی اپنی قوم سے غداری کریگا۔ اسے ایسی ہی شدید ضربات سے کچل دیا جائے گا۔

"مارو! مارو!! مارو!!!" نہیں ہرگز نہیں۔ یہ الفاظ میرے لئے نہیں ہو سکتے۔

(خنجر تانے ہوئے آہستہ سے مورگن کے قریب جاتی ہے۔ جس کا منہ باہر کی جانب اور پشت کمرہ کی طرف ہے۔ جونہی وہ منہ پھیرنے لگتا ہے سوسن زور سے خنجر اسکی گردن میں بھونک دیتی ہے۔ مورگن زخمی ہو کر گر پڑتا ہے۔)

سوسن۔ (نہایت اطمینان سے) یہی ہے۔ وہ سرکش انسان جو مجھے دھوکا دینا چاہتا تھا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ میں نے قاتلوں کے نام ظاہر نہیں کئے۔ اور بے گناہ لوگوں کو موت کے منہ سے بچا لیا ہے۔ اب اگر میرا بیٹا گولی سے اڑا دیا جائے۔ تو کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ وہ بہادرانہ موت مریگا۔ اور مجھے خوشی ہوگی کہ ہمارے خاندان میں سے کسی نے ایمان فروشی کا دھبّہ ماتھے پر نہیں لگایا۔

(یکدم دروازہ کھلتا ہے اور منادی والا اندر داخل ہوتا ہے۔)

منادی والا۔ لعنت ہو خدا کی تجھ پر اور تیری نسل پر!

سوسن ۔ میں نے لوگوں کو موت کے منہ سے بچا لیا ہے۔

منادی والا۔ جو شخص خود مصیبت میں مبتلا تھا۔ اس نے دوسروں کو مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ اپنی چھاتی کو گولی سے بچانے کے لئے تیرے بیٹے نے ان اشخاص کے نام حکومت کو بتا دیئے ہیں جنہوں نے ظالم دسن کو تہہ تیغ کیا تھا۔

تیرا بیٹا ــــــــ غدّار اور ایمان فروش نکلا!

سوسن ۔ او خدا! کتنی وحشت انگیز خبر!!

(بے ہوش ہو کر گر پڑتی ہے)

پردہ

(ماخوذ از پیڈریک کولم)

معمارِ تصوّر

افراد

سعیدہ .... مغنیہ و رقاصہ

واجد .... مغنی و مسخرا

بوڑھا

(کمرہ تاریک اور خاموش ہے۔ دیواریں کہنہ اور فرسودہ ہیں۔ ٹوٹی چھوٹی کھڑکی کی درزوں سے چاند کی روشنی چھن چھن کر آرہی ہے آتشدان میں آگ کی ننھی ننھی لپٹیں اُٹھ رہی ہیں۔ کمرے کا دروازہ سنسان گلی میں کھلتا ہے۔ آتش دان کے بالمقابل الماری میں برتن پڑے ہیں۔ جو شعلوں کے عکس سے چمک اُٹھتے ہیں۔ ایک

پرانی چوکی سردی سے ڈر کر آگ کے پاس دبکی ہوئی ہے۔ کمرے کے وسط میں ایک میز ہے۔ جس پر سرخ میز پوش پڑا ہے۔ اِدھر اُدھر کرسیاں رکھی ہیں۔ چولھے پر ایک کیتلی پیچ و تاب کھا رہی ہے۔ اور آتش دان کے اوپر ایک لمپ اپنی دھیمی روشنی کمرے میں بکھیر رہا ہے۔ ایک ہاتھ دروازہ کو دھکا دیتا ہے۔ اور پرانی چولیں دخل در معقولات پر جز بز ہو کر چیخ اٹھتی ہیں۔ سعیدہ سردی سے ٹھٹھرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھتی ہے۔ اور اپنے آپ کو گرم کرنے کے لیے آگ کے پاس بیٹھ جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُٹھتی ہے۔ لیمپ کی بتی کو اُکساتی ہے۔ اور میز پر دو اشخاص کے لئے چائے کا سامان رکھ دیتی ہے۔ ایک بار وہ کھڑکی کی طرف جاتی ہے۔ اور پھٹے ہوئے پردے کو ایک طرف کھینچ کر باہر جھانکتی ہے۔ مگر مایوسی سے واپس لوٹ کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتی ہے۔ چائے دانی میں ایک۔ دو۔ تین چمچے چائے کے ڈالتی ہے۔ باہر سے کوئی شے اُس کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ وہ غور سے سنتی ہے۔ اور اُس کا چہرہ چمک اٹھتا ہے۔ گانے کی آواز آتی ہے۔)

—

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم غیر ہمیں اُٹھائے کیوں

(آواز قریب تر آجاتی ہے۔ اور واجد
داخل ہوتا ہے۔)

واجد۔ (ٹوپی اتارتے ہوئے) اُف کتنی سردی ہے۔ میرے پاؤں منجمد ہو
رہے ہیں۔

سعیدہ۔ لیجئے۔ یہ آپ کے سلیپر ہیں۔ میں نے آگ کے پاس رکھ کر
گرم کر دیئے ہیں۔

(واجد آگ کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ بوٹ اُتارتا
ہے۔ اور گاتا ہے۔)

جب وہ جمالِ دل فروز صورتِ مہرِ نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں؟
دشنۂ غمزہ جاں ستاں، ناوک ناز بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رُخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں؟

واجد۔ چائے تیار ہے!

سعیدہ۔ ذرا سی دیر ہے ابھی لیجئے۔

واجد۔ آج بنا تو میں کتنی سردی تھی۔ میں اچھا گا نہ سکا۔ مجھ سے سردی

میں گایا نہیں جاتا۔

سعیدہ۔ خوب آپ بھی ککنٹی کی طرح ہیں۔ یہ بھی سردی میں خاموش رہتی ہے۔ اور آگ کے قریب آتے ہی اپنا راگ الاپنا شروع کر دیتی ہے۔

واجد۔ میرے خیال میں یہ اپنے راگ پر خود موہت ہے۔

سعیدہ۔ لیجئے اب یہ پرندوں کی طرح چہچہا رہی ہے۔ (چائے دانی میں کھولتا ہؤا پانی ڈالتی ہے) آئیے۔

واجد۔ (آگ کو تکتے ہوئے) مجھے حیرت ہے۔ یہ حسن ہے۔ مجسم ہے۔ مگر بے روح۔

سعیدہ۔ (میز پر بسکٹ رکھتے ہوئے) آگ کا خیال چھوڑیئے۔ دیکھئے چائے کتنی لذیذ ہے۔

واجد۔ میں سوچ رہا تھا۔

سعیدہ۔ آؤ چائے پی لو۔ جب آپ آگ کے قریب بیٹھتے ہیں۔ تو دھواں کے ساتھ آپکے خیالات بھی اُبھرتے ہیں۔

واجد۔ (کھوئی ہوئی نظروں سے تکتے ہوئے) تمام دنیا ایک آتشدان ہے۔ ہم سب جلنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

سعیدہ۔ (بات کاٹتے ہوئے) یہ بسکٹ دیکھو کتنے حسین اور دلکش ہیں۔ اور یہ دودھ ———— مسکرا رہا ہے۔

واجد ۔ تم ہمیشہ مسرور رہتی ہو ۔

سعیدہ ۔ میں غم والم بھول جانے کی کوشش کرتی ہوں ۔

واجد ۔ اُف ۔

(واجد میز کی طرف آتا ہے ۔ اور رک رک کر
چائے پیتا ہے ۔)

سعیدہ ۔ چائے تو ٹھیک ہے نا!

واجد ۔ قدرے ۔

سعیدہ ۔ قدرے ؟ ——— لو اور چائے لو ۔

واجد ۔ نہیں کافی ہے ——— خواہ مخواہ دق نہ کرو ۔

سعیدہ ۔ آج آپ اُداس کیوں ہیں ۔

واجد ۔ کیا تم نے وہ لڑکی دیکھی تھی ؟

سعیدہ ۔ کونسی ۔

واجد ۔ احمریں رُخسار ۔ گلے میں مالا ———

سعیدہ ۔ میں نے اُسے نہیں دیکھا ۔

واجد ۔ میں نے اُسے دیکھا ہے ۔ اور اُس نے مجھے دیکھا ہے ۔ میں جب تک گاتا رہا اُس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی رہیں ۔ اور وہ بار بار گرمجوشی سے داد دیتی تھی ۔ مجھے حیرت ہے ۔ کہ بعض عورتوں کو حُسنِ صورت کے ساتھ

حسنِ سیرت بھی مل جاتا ہے۔

سعیدہ۔ وہ بناوٹ تھی۔

واجد۔ ہرگز نہیں تم کیسے کہہ سکتی ہو۔ تم نے اُسے دیکھا تک نہیں۔

سعیدہ۔ ممکن ہے۔ میں نے اُسے دیکھا ہو۔

واجد۔ سعیدہ اِدھر دیکھو۔ حاسد بننے سے کوئی فائدہ نہیں۔ جب سے ہم نے تیا نہیں اشتراکِ عمل کیا ہے۔ ہم کاروباری معاملہ سے ایک قدم آگے نہیں بڑھے۔ میں جس سے چاہوں شادی کر لوں۔ اور اگر کوئی تمہارا چاہنے والا بھی پیدا ہو جائے۔ تو تمہیں کامل اختیار حاصل ہے۔

سعیدہ۔ میں حاسد نہیں ہوں۔ کیسی بنے ہو رگی ہے۔

سعیدہ۔ کھیل کے بعد تم نے اُس لڑکی کو دیکھا؟

واجد۔ نہیں وہ ہجوم میں گُم ہو چکی تھی۔ میں چائے پی چکا ہوں۔ اب اُسے تلاش کرنے جاؤں گا۔ ؎

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا
تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

سعیدہ۔ یہاں آگ کے پاس کیوں نہیں ٹھہرتے۔ مجھے جرابیں رفو کرنے میں مدد دو۔

واجد۔ میں دھوکا میں آنے والا نہیں۔ زندگی کا مطلب رفو کرنے سے

زیادہ بلند ہے۔

سعیدہ۔ ہرگز نہیں۔ دنیا مٹانے اور تعمیر کرنے میں مصروف ہے۔ پہلے ہم جرابوں میں سوراخ کرتے ہیں۔ اور پھر رفو کرتے ہیں۔ عقلمند وہی ہے۔ جو زندگی کی دوڑ بھاگ میں الگ نہ ہو۔

واجد۔ مجھے حضرتِ اکبر الہ آبادی کے چند اشعار یاد آ گئے۔

سعیدہ۔ تو پھر کہہ ڈالو۔

واجد۔ میں اُن اشعار کو فراموش کر چکا تھا۔ مگر تمہاری گفتگو نے یاد دلا دیئے (کھڑا ہو کر جوش سے کہتا ہے۔) ؎

مفتوں ہو گئے ہم اس بے بقا چمن کے
آنکھوں میں خاک ڈالی مٹی نے پھول بن کے
ہستی کو اپنی سمجھیں بنیاد اپنی دیکھیں
اُٹھتے ہیں جو بگولے برباد ہونگے تنکے

سعیدہ۔ کیا یہ اشعار تم تیاتر میں گاؤ گے۔

واجد۔ تمہیں کیا خبر۔ فنونِ لطیفہ میں دلچسپی لینے والا انسان ہمیشہ حساس ہوتا ہے (باہر جاتا ہے۔)

سعیدہ۔ واجد یہاں ٹھہرو۔ باہر بڑی سردی ہے۔

واجد۔ تم مجھے اپنا بکواس سُننے پر مجبور کر رہی ہو۔

تم نے ابھی کہا تھا۔ کہ میں ہمیشہ مسرور رہتی ہوں۔ خواہ مخواہ
دق نہ کرو۔

سعیدہ۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ مگر بازار کا فرش برف کی طرح سرد ہے۔ اور
تمہارا جوتا پھٹا ہوا ہے۔

واجد۔ میں نے تمہیں کہہ دیا ہے۔ کہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔ میں اُس لڑکی کو
ڈھونڈنے جاؤں گا۔ وہ میرے تصورات کی جیتی جاگتی مورت ہے۔

سعیدہ۔ تم ناممکن چیزوں کے پیچھے پڑے ہو۔

واجد۔ یہ کمزوری سب میں موجود ہے۔

سعیدہ۔ نہیں میں نے کبھی اَن دیکھی چیزوں کا خواب نہیں دیکھا۔

واجد۔ عورتیں قوتِ تصوّر سے عاری ہیں۔ تمہارا فرقہ ماؤں کی طرح حساس
ہے۔ اور جب مادرانہ جذبات اُبھرتے ہیں۔ تو تم کہہ دیتی ہو۔ کہ ہم محبّت
کرتی ہیں۔ کتنی بے ہودگی ہے۔ میں ایک ایسی عورت کو چاہتا ہوں جسے
کسی صنم کدہ میں بت کی جگہ نصب کرکے دیکھتا رہوں۔ اور محبت
کروں۔

سعیدہ۔ (دبیمے سروں میں)

زمین پر برف زمستان ہے تا بڑا نوآہ
لبِ نسیم پہ ہیں نالہ ہائے دلجو آہ

واجد۔ تم میرے جذبات سمجھنے سے عاری ہو اچھا میں جاتا ہوں۔

(دروازہ سے باہر نکل جاتا ہے اور گاتا جاتا

ہے۔)

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں!

بیٹھے ہیں رہگزر پہ ہم غیر ہمیں اُٹھائے کیوں؟

(سعیدہ چپ چاپ سنتی رہتی ہے آخر کار

واجد کی آواز دور رات کی خاموشی میں گم

ہو جاتی ہے۔ سعیدہ اُٹھ کر آگ کے پاس

آ بیٹھتی ہے اور بے خودی میں گاتی ہے)

نو بہاریں لے کے ساون کی گھٹائیں آگئیں   نشے میں بھیگی ہوئی ٹھنڈی ہوائیں آگئیں

سبزہ و گل میں جوانی کی ادائیں آگئیں

ایک اک ذرہ ہے ممنونِ اداہائے بہار   ہر کلی میں جلوہ‌ سر ہے حسنِ لیلائے بہار

یہ شجر سر سبز یہ انبوہِ گلہائے بہار

دو پرندے لے رہے ہیں لطفِ محبت کے مزے   وصل سے سرشار منظر کی لطافت کے مزے

یعنی حاصل ہیں اُنہیں عشق و محبت کے مزے

لیکن اک غمگین حسینہ محشر نظارہ ہے — اُس کا دل تنہائی کے صدمہ سے پارہ پارہ ہے
چشمِ میگوں اشک ہائے درد کا گہوارہ ہے

دیکھتی ہے اس سمے کو دیدۂ حسرت سے وہ — کس قدر مغموم ہے محبوب کی فرقت سے وہ
کتنی غمگیں ہے کسی کی دوری و فرقت سے وہ

سوچتی ہے یہ پرندے کس قدر مسرور ہیں — نشہ ہائے عیش سے سرشار ہیں مخمور ہیں
باہمی اُلفت کے جذبِ شوق سے معمور ہیں

لیکن اک میں ہوں کہ اُنکے ہجر میں بیتاب ہوں — دن کو بے آرام ہوں اور رات کو بیخواب ہوں
عشق کی بے تابیوں سے پیکرِ سیماب ہوں

(ادیب الملک حضرت اختر شیرانی)

(اُسکی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور وہ
دونوں ہاتھوں سے چہرہ کو چھپا لیتی ہے
ایک ہاتھ دروازہ پر دستک دیتا ہے۔
سعیدہ مڑ کر دیکھتی ہے۔)

سعیدہ۔ اندر آجاؤ۔

(دروازہ کھل جاتا ہے۔ سعیدہ دہلیز پہ چاندنی
میں ایک بوڑھے کو دیکھتی ہے۔ اُس کا کوٹ
سبز رنگ کا ہے۔ بٹن چاندی کے ہیں اور

جوتے کی ایڑیاں سُرخ ہیں۔ وہ ایک لفظ
کہے بغیر اندر گھس آتا ہے اور دروازہ خود بخود
بند ہو جاتا ہے۔)

سعیدہ۔ (بوڑھے کو غور سے دیکھ کر) مجھے افسوس ہے کہ آپ کو دیر تک سردی میں ٹھہرنا پڑا۔

بوڑھا۔ کوئی بات نہیں۔ تمہارا دروازہ آسانی سے کھل گیا تھا۔

سعیدہ۔ تمہیں بھوک لگی ہو گی۔

بوڑھا۔ شکریہ میں بہت کم کھاتا ہوں۔

سعیدہ۔ (چوکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) بیٹھ جائیے خانہ بے تکلف ہے۔

بوڑھا۔ (آگ کی طرف چلتے ہوئے) میرے لئے ہر مقام خانۂ بے تکلف ہے۔ کیا میں ذرا اپنے پاؤں گرم کر لوں؟

سعیدہ۔ ضرور۔

بوڑھا۔ (آگ تاپتے ہوئے) آگ تاپنا بڑا پُر لُطف شغل ہے۔ سعیدہ تمہاری آنکھوں میں آنسو بھرے ہیں؟

سعیدہ۔ آپ کا خیال درست ہے۔

بوڑھا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ تم واحد سے محبت کرتی ہو مگر وہ تمہاری

پرواہ نہیں کرتا۔

سعیدہ۔ میں عام طور پر نہیں روتی مگر آج رات وہ بے حد غمگین تھا اور میں اُسے خوش نہ کر سکی۔

بوڑھا۔ غمگین۔

سعیدہ۔ وہ کچھ کھویا ہوا سا تھا۔ موسم بے حد سرد ہے۔ کساد بازاری کی وجہ سے آمدنی کم ہو گئی ہے۔ واجد ہماری شہرت کے لئے ایک مقامی روزنامہ میں ایک مقالہ لکھنا چاہتا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ اگر ایڈیٹر کو یار و احباب اور اہل و عیال کے لئے فری پاس دیئے جائیں تو وہ ضرور شائع کرے گا۔

بوڑھا۔ کیا واجد تمہارے آنسوؤں کے برابر قیمتی ہے؟

سعیدہ۔ ہاں:

بوڑھا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آنسو کھونے کے لئے نہیں ہیں۔ دل کو نمدار رکھنے کے لئے ہمیں آنسوؤں کی ایک خاص مقدار دی گئی ہے۔ جب وہ ختم ہو جائیں گے تو نئے حاصل کرنا دشوار ہے اور دل خشک ہو جاتا ہے۔

سعیدہ۔ واجد خوب تر رفیق ہے میں اُسے تم سے بہتر جانتی ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ ہمیشہ غیر مطمئن رہتا ہے مگر چونکہ وہ کسی سے عشق نہیں رکھتا اس

لئے معذور ہے ۔ آپ جانتے ہیں کہ عشق انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے ۔

بوڑھا۔ ٹھیک ہے مگر تم میں عشق نے کیا انقلاب پیدا کیا ہے ۔

سعیدہ ۔ میں واجد کے سلیپر گرم رکھتی ہوں اُس کے لئے چائے بناتی ہوں اور اُسے آرام پہنچاتے ہوئے مجھے روحانی خوشی ہوتی ہے اگر مجھے اُس سے محبت نہ ہوتی تو میں یہ بوجھ برداشت نہ کرتی ۔

بوڑھا ۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ حقیقی محبت یہی ہے ؟

سعیدہ ۔ یقین ہے ۔

بوڑھا ۔ کیا تم نے کبھی واجد کی آنکھوں میں محبت کی جھلک دیکھی ہے ۔

سعیدہ ۔ (رک رک کر) ہاں ——— ہاں ——— دراصل ——— وہ ——— وہ ——— واجد ہے ۔

بوڑھا ۔ (مسکرا کر) وہ ——— واجد ہے وہی پرانا خیال ۔

سعیدہ ۔ بے شک وہ تصورات کا بندہ ہے مگر اُس کی روح اجلے کپڑے کی طرح بے داغ ہے تم نے اُس کی مسکراہٹ دیکھی ہے ؟ کتنی پیاری ہے ——— کاش وہ دوسروں کو بھلا کر صرف میرے لئے مسکراتا ۔

بوڑھا ۔ ہیں ؟ کیا وہ دوسروں کے لئے بھی مسکراتا ہے ۔

سعیدہ ۔ شاید کل کی بات ہے کہ تیاتر میں ایک حسین عورت نے اُس کی

توجہ کو جذب کر لیا۔ آج ایک سُرخ رخساروں والی لڑکی تھی اب وہ اُس کی تلاش میں گیا ہے یہ اُن کا قصور نہیں۔ ہر ایک بے اختیار اُس کی طرف کھنچے آتا ہے (غرور سے گردن بلند کر کے) مجھے یقین ہے کہ دنیا کی ہر ایک شے واجد سے محبت کرتی ہے۔

بوڑھا۔ فرض کرو اُن حسین عورتوں میں سے ایک واجد سے شادی کر لے۔

سعیدہ۔ (مسکرا کر) یہ ناممکن ہے کوئی حسین عورت ایک غریب گویے سے شادی نہیں کر سکتی۔ اگر وہ شادی کرنا چاہے تو ——— میرا خیال ہے ——— مگر میں تم سے ایسی گفتگو کیوں کر رہی ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا تعارف بہت پرانا ہے۔

(بوڑھا چوکی سے اُٹھ کر سعیدہ کی طرف جاتا ہے۔)

بوڑھا۔ (آہستہ سے) تم مجھے دیر سے جانتی ہو۔

(اُس کے لہجے میں ایسی ملائمت اور محبت ہے کہ سعیدہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اُسکی طرف دیکھتی ہے۔ کچھ عرصہ تک وہ ایک سحر کار انسان کی طرح مسکراتا رہتا ہے اور پھر آہستہ سے آتشدان کی طرف جاتا

ہے۔)

سعیدہ۔ (بوڑھے کی جیب سے ایک کمند نکال کر) یہ کیا ہے؟

بوڑھا۔ (مسکرا کر) میں بھول گیا میں نہیں چاہتا تھا کہ تم اُسے دیکھو۔

(بوڑھا کمند لے کر جیب میں ڈال لیتا ہے

دُور سے واجد کے گانے کی آواز آتی

ہے۔)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے

میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے

گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسد

پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

بوڑھا۔ (آواز کے قریب تر آنے پر آہستہ سے) یہ کون ہے؟

سعیدہ۔ واجد۔

(ایک قوی ہاتھ دروازہ کو دھکا دیتا ہے

اور واجد داخل ہوتا ہے۔)

واجد۔ افسوس میری جستجو ناکام رہی (بوڑھے کو دیکھ کر) تم کون ہو؟

بوڑھا۔ تمہارے لئے میں اجنبی ہوں مگر سعیدہ مجھے پہچانتی ہے۔

واجد۔ ایک بجھی ہوئی چنگاری۔

بوڑھا۔ میں ایک بجھی ہوئی چنگاری ہوں ٹھیک ہے مگر میں نے دیر تک اس دنیا کو گرم رکھا ہے۔ میں دیر سے گھوم رہا ہوں۔ اب بوڑھا ہو گیا ہوں تمہارے خیال کے مطابق میں کب سے اس دنیا میں گھوم رہا ہوں۔

واجد۔ (ہوا کو ہاتھوں سے ماپتے ہوئے) اتنا عرصہ

بوڑھا۔ میرا خیال ہے کہ تم ایک اچھے مسخرے ہو۔

سعیدہ۔ واجد کج خلق نہ بنو۔

(بوڑھا واجد سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہے۔)

بوڑھا۔ سعیدہ تم نے کھانے کا انتظام کر لیا۔

سعیدہ۔ خوب یاد آیا۔ آج گھر میں آٹا نہیں۔ میں دوڑ کر بازار سے لے آؤں۔ مجھے امید ہے کہ تم اُس وقت تک یہیں رہو گے۔

بوڑھا۔ اچھا میں کوشش کرونگا۔

(سعیدہ باہر چلی جاتی ہے بوڑھا مسکرا کر واجد کی طرف دیکھتا ہے)

بوڑھا۔ یار واجد معلوم ہوتا ہے کہ کاروبار ٹھنڈا ہے۔

واجد۔ اگر ٹھٹھرنا اور قہقہے لگانا ہی کاروبار ہے تو کامیاب ہے۔ مگر روپیہ نہیں ملتا۔ آج میں نے ایک مفید کام کیا ہے۔ ایک روزنامہ کے ایڈیٹر سے ملاقات کر کے ایک مقالہ شائع کرنے کا بندوبست کیا ہے (گاتا ہے)

کس کو دیکھا ہے یہ ہوا کیا ہے؟
دل دھڑکتا ہے ماجرا کیا ہے؟
اُس کے عہدِ شباب میں جینا
جینے والو تمہیں ہوا کیا ہے؟

بوڑھا۔ واجد اگر دنیا کی تمام دولت تمہارے قدموں پر ڈھیر کر دی جائے تو تم کیا کرو گے۔

واجد۔ لاؤ دنیا کی تمام دولت مجھے دے دو۔ میں عوام کو تعلیم یافتہ بنا دوں۔

بوڑھا۔ تم دولت، شہرت اور اسی قسم کی بے معنی چیزوں کے پیچھے بھاگتے ہو اور اُن سے بہتر چیز کا خیال نہیں کرتے۔

واجد۔ (بے خودی کے عالم میں گاتا ہے۔)

حدیثِ الم یوں بیاں ہو گئی ہے
مری چشمِ تر خوں فشاں ہو گئی ہے
بھلا ہو تیرا اشکِ سوزاں بھلا ہو

کسی کی نگاہ راز داں ہو گئی ہے

یہ ایک غزل ہے۔ راستہ میں آتے ہوئے دو اشعار ذہن میں آئے

آج اسے مکمل کرونگا۔

بوڑھا۔ تم ایسے گیت کیوں نہیں لکھتے جو ختم نہ ہوں جو بہتے دریا کی طرح ہمیشہ

رواں رہیں۔

واجد۔ ایسا خیال کرنا بے ہودگی ہے۔

بوڑھا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے کام کی ایک جھلک دیکھوں۔

واجد۔ بڑی خوشی ہے۔ آپ کونسا درجہ پسند کریں گے۔ درجۂ خاص میں

کوچ رکھے ہیں اور شرحِ ٹکٹ ایک روپیہ ہے۔ دوسرے درجہ میں کرسیاں

ہیں اور شرحِ ٹکٹ آٹھ آنے ہے۔ فرش پہ بیٹھنے کا معاوضہ صرف چار

آنے ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ درجۂ خاص میں بیٹھیں گے۔ آپ کے ہمراہ

کتنے آدمی ہوں گے۔

بوڑھا۔ واجد تم مجھے نہیں جانتے۔

واجد۔ معمولی بات ہے۔ میں آپ کی نظرِ توجہ کا مشکور ہوں۔

بوڑھا۔ واجد میں معمارِ تصورات ہوں۔

واجد۔ (حیرت سے) کیا فرمایا؟

بوڑھا۔ میں اُن تصورات کا بنانے والا ہوں جو اس دنیا کی حسین فضا میں تیرتے

رہتے ہیں۔

واجد۔ میرا خیال ہے آپ تھوڑی دیر آرام کریں آپ کے حواس ٹھکانے

نہیں ہیں۔

بوڑھا۔ واجد تمہارا اغلاط کار دل میری طرف توجہ نہیں دیتا۔ میں خوابوں کا بنانے

والا ہوں۔ وہ ننھی منی چیزیں جو دھیرے دھیرے دلوں پر اپنا عکس

ڈالتی ہیں۔

واجد۔ مجھے یقین نہیں آتا۔

بوڑھا۔ تم نے کبھی سوچا ہے کہ جب پھول مرجھا جاتے ہیں تو اُن کی رنگت

کہاں جاتی ہے یا پت جھڑ میں تتلیاں کہاں روپوش ہو جاتی ہیں۔——

میرے کارخانہ میں خزاں کا گذر نہیں۔

واجد۔ مجھے یہ خیال کبھی نہیں سوجھا۔

بوڑھا۔ دنیا کی حسین چیزیں اپنی قدر و قیمت کھو کر میرے کارخانہ میں چلی آتی

ہیں۔ میں وہاں وہ شہرۂ آفاق خواب تیار کرتا ہوں جسے محبت

کہتے ہیں۔

واجد۔ اچھا اب میں سمجھا۔

بوڑھا۔ اب تمہیں یقین آیا۔

واجد۔ میں متلون مزاج ہوں۔ میں نے محبت کے خواب دیکھے ہیں مگر

ادھورے۔

بوڑھا۔ تم نقلی چیزوں کے پیچھے پڑے ہو۔ اصلی چیز تلاش کرو۔

واجد۔ اس کے آثار کیا ہیں؟

بوڑھا۔ جب پہلے پہل محبت کا دیوتا اپنے تیر کی انی ہمارے منہ میں چبھوتا ہے تو دل میں میٹھا میٹھا درد اٹھتا۔ پھر انسان ستاروں کی طرف پرواز کرنا چاہتا ہے آسمان پر بیٹھنا اور ستاروں کے ساتھ مل کر گانا پسند کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں ایسے خوابوں میں چاندنی کا جزوِ غالب شامل کرتا ہوں۔

واجد۔ آپ کی گفتگو بہت دلچسپ ہے۔

بوڑھا۔ ہر رات جب بارہ بجے کا گھڑیال بجتا ہے تو کیلنڈر سے ایک دن الگ ہو کر میرے کارخانہ میں آجاتا ہے میں اسے اپنی سنہری چھڑی سے چھوتا ہوں اور کہتا ہوں "جاؤ دنیا میں یادداشت بن کر رہو"

واجد۔ میں زندگی بھر خواب دیکھتا رہا مگر ان میں کوئی لطف نہیں۔

بوڑھا۔ غیر معمولی مٹھاس کو دور کرنے کے لئے اس میں تھوڑی سی تلخی ڈال دو۔ میں اس حقیقت سے آشنا ہوں اس لئے صبح کی شبنم لے کر سینوں میں جذب کر دیتا ہوں اور وہ آنسو بن کر ٹپکتی رہتی ہے۔

واجد۔ مجھے بھی ایک خواب عطا فرمایئے۔

بوڑھا۔ میں نے ایک بار تمہارے لئے ایک خواب بنایا اور اُسے ایک بچی کی روح میں جذب کر دیا۔ اس واقعہ کو بیس سال گزر چکے ہیں اب وہ بچی ایک پرشباب عورت ہے اُس کی زلفیں سنہری اور آنکھیں نیلگوں ہیں۔ لیجئے اُسکی تفصیل میرے پاس موجود ہے۔

(اُسے کاغذ کا ایک پرزہ دیتا ہے)

واجد۔ شکریہ۔ کیا اُس کے رخسار سُرخ ہیں اور گلے میں مالا ہے؟

بوڑھا۔ نہیں۔

واجد۔ وہ کوئی اور ہوگی۔ میں اُسے کہاں ڈھونڈوں۔

بوڑھا۔ یہ تمہارا اپنا کام ہے۔

واجد۔ میں ابھی جاتا ہوں (اُٹھتا ہے)

بوڑھا۔ ٹھہرو عجلت کی ضرورت نہیں۔

واجد۔ میں اُسے جلد حاصل کرنا چاہتا ہوں ایسا نہ ہو کہ کوئی اور چھین لے۔

بوڑھا۔ میری نصیحت مانو اور اُسے اپنے آس پاس تلاش کرو۔

واجد۔ کیا میں اُسے حاصل کر لوں گا۔

بوڑھا۔ میں غیب نہیں جانتا۔

واجد۔ مجھے فخر ہے کہ ——————،

بوڑھا۔ یہ خیال خطرناک ہے۔ تمہاری نگاہیں ستاروں پر جمی ہیں اور ننھے

منّے جگنو تمہارے قدموں کے نیچے کچلے جا رہے ہیں۔

(سعیدہ آتی ہے)

سعیدہ۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ ابھی تک یہیں ہیں۔

بوڑھا۔ اب میں جا رہا ہوں۔

سعیدہ۔ (اُس کا راستہ روکنے کے لئے دروازے کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے) ابھی نہ جاؤ۔

واجد۔ (مسکراتے ہوئے) سعیدہ تمہارے سامنے تصورات کا بنانے والا ہے جو زندگی کے سمندر میں چنچل مچھلی کی طرح تیرتا رہتا ہے۔ یہ دیکھو اُس کے ایک شاہکار کی تفصیل میرے پاس موجود ہے (کاغذ دکھاتا ہے) صرف جستجو باقی ہے۔

بوڑھا۔ اچھا خدا حافظ۔

(بوڑھا غائب ہو جاتا ہے۔)

سعیدہ۔ (کھڑکی سے باہر جھانک کر) لیجئے وہ چلا بھی گیا۔

واجد۔ آخر کار میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اب میں دھوم دھام سے بیاہ رچاؤں گا اور کمخواب کی اچکن پہنوں گا۔

سعیدہ۔ میں تمہیں خوش دیکھ کر خوش ہوں۔

واجد۔ لاؤ لگے ہاتھوں میں وہ مقالہ لکھ لوں۔

(قلم دوات لے کر میز کے ایک طرف بیٹھ جاتا

ہے اور لکھتا ہے۔)

"کچھ عرصہ سے اس شہر میں ایک تھیٹریکل کمپنی آئی ہوئی ہے جو اپنے دلچسپ گیتوں اور کامک کھیلوں کی وجہ سے شہرہ آفاق ہے۔ واجد کے میٹھے میٹھے نغمے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔ سعیدہ کا رقص بے حد دلکش ہے سعیدہ بیس برس کی ایک پرشباب حسینہ ہے جس کی زلفیں ....

سعیدہ۔ سنہری۔

واجد۔ خوب ——— اور آنکھیں۔

سعیدہ۔ نیلگوں۔

واجد۔ سنہری زلفیں اور نیلگوں آنکھیں ——— بے ہودہ

سعیدہ۔ بے ہودہ کیا ہے؟

واجد۔ میرے خیالات۔

سعیدہ۔ مگر تمہیں یہی لکھنا ہوگا۔

واجد۔ تمہاری آواز کتنی شیریں ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ——— سب بے ہودہ۔

(جیب سے بوڑھے کی تحریر نکال کر پڑھتا

ہے۔)

سعیدہ۔ کیا ہے؟ واجد مجھے نہیں بتاؤ گے۔

واجد۔ سعیدہ ذرا ادھر روشنی میں آجاؤ۔

سعیدہ۔ کیا بات ہے؟

واجد۔ (اُس کی طرف دیکھتا ہے اور پڑھتا ہے) آنکھیں جو مجھے محبت کا پیغام دیتی ہیں۔ بازو جو میری تمنا رکھتے ہیں۔ سعیدہ اُف کیا ہو گیا۔ میں اس سے پہلے تمہارے حسن سے ناواقف تھا۔ تم آج بالکل نئی دکھائی دیتی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے پر اپنے خط و خال اتار پھینکے ہیں اور پھولوں نے مل جل کر تمہیں سنوارا ہے۔

سعیدہ۔ واجد تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

واجد۔ میرے دل میں درد اُٹھ رہا ہے۔ میں پرواز کرنا چاہتا ہوں کیا تم بھی ستاروں کی محفل میں چاند کے ساتھ مل کر گانا پسند کرتی ہو۔

سعیدہ۔ مجھے مدت سے چاند کی ہم نوائی کا فخر حاصل ہے۔

(واجد سعیدہ کو گلے سے لگا لیتا ہے اور گاتا ہے۔)

ہو گئی اک بات ناصح دل کے آجانے کی بات
کہنے سننے کا ہے کچھ موقع نہ سمجھانے کی بات

ہے مری عرضِ تمنا اُن کے شرمانے کی بات
اور شرمانا ہے اُن کا میرے مٹ جانے کی بات

آپ ہی قاصد بنوں خط لے کے جاؤں کیا کہوں
اُن کے آگے نامہ بر سے بر نہیں آنے کی بات

(ریاس ٹونکی)

اسپریا کی ایک دوپہر

افراد

کاتون ... ... ایک نوجوان

کونسا ... ... اس کی محبوبہ

گاموف ... ... ایک خوش مذاق بوڑھا

بونیک ... ... ایک ادھیڑ عمر عورت

تاگین ... ... ایک شوخ طبع لڑکا

منظر

(بالاخانے کی آخری منزل۔ نیچے کی جانب

ایک مختصر سا میدانی حصہ جسے نیلگوں آسمان
نے زیادہ نمایاں طور پر روشن کر رکھا ہے
جوں ہی پردہ اُٹھتا ہے۔ مزدوروں کے
گانے کی دلخراش آوازیں سنائی دیتی
ہیں ــــــــــــ !!)

آوازیں ۔ خوب ہمت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ! محنت ہی کامیابی کا راز ہے!

منزل قریب ہے۔ شام ہونے والی ہے!!
خوب ہمت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ

ایک نوجوان لڑکی کی آواز ۔ کاتون! اوپر چڑھ آؤ۔ اور دوپہر کی روشنی میں میدان کا نظارہ دیکھو!!

(نوجوان لڑکی بالاخانے کی بائیں جانب
داخل ہوتی ہے وہ بے انتہا حسین ہے اور
سادہ کپڑوں میں ملبوس ہے!!)

کاتون ۔ (اپنا خوبصورت سر آگے کو لاکر) میں چونکہ بہت ہی تھکا ہوا ہوں۔ اس لئے کچھ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا!!

لڑکی ۔ جہاں تم اتنے قریب آگئے ہو۔ تھوڑا سا اور بڑھ آؤ۔

کانون ۔ بالاخانے کی فضا معطر ہو گی ؟
لڑکی ۔ یہاں تو سخت گرمی ہے ۔ بارش کے قطرے تو یقیناً نیک شگون ثابت ہوں گے ۔
کانون ۔ (سٹیج پر آہستہ سے بڑھ آتا ہے ۔ یہ بھی خوب رہا اور خوب ہے ۔ مگر لڑکی کی طرح اتنا حاضر جواب اور نیز فہم نہیں !!) بارش کے قطرے نیک شگون کبھی نہیں ہوا کرتے !!
لڑکی ۔ (نوجوان کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ کر) تمہاری شکل و صورت واقعی سپاہیانہ ہے ۔
کانون ۔ سپاہی ہونے کا صرف ایک ہی فائدہ ہے کہ لوگ ایسے شخص کو ہر ایک نفسیاتی کمزوری سے مبرا سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ دنیا بھر کی کمزوریاں اس میں پوشیدہ ہوتی ہیں ۔ (نیچے کی جانب نگاہ ڈال کر) وہ بھی اسی طرح مصروف ہیں !!
کونتسا ۔ آخر یہ سب کچھ ہے کس لئے ؟
کانون ۔ یہی تو کچھ پتہ نہیں چلتا ۔ ہر خاص و عام کی زبان پر اسی بات کا چرچا ہے ۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں ۔ بہر حال یہ اچھی طرح سے ثابت ہو گیا ہے کہ دنیا میں احمق لوگوں کی کمی نہیں ۔ اور اس کا ہم سب کو بھی احساس ہے !!

کونسا۔ مگر ان دیوانوں کی حماقت تو حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ خدا جانے یہ کتنی مدت سے
اس عجیب و غریب عمارت کے بنانے میں مشغول ہیں۔

کانون۔ ختم ہونے پر اس عمارت کی ہیئت یقیناً ہیبت ناک نظر آئے گی۔

کونسا۔ مگر سنا تو یہی جاتا ہے کہ یہ عمارت شکل میں کشتی نما ہوگی۔

کانون۔ کیا وہ اسے اس خشک زمین پر تیرائیں گے؟

کونسا۔ شاید ان لوگوں نے اسے کسی جھیل کی سطح پر لے جانے کا ارادہ کر رکھا
ہوا ہو!!

کانون۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ اس زمینی چیز کو پانی کی سطح پر تیرا سکیں گے
نہیں یہ بات نہیں کونسا۔ اس کے بنوانے والے ہمارا دیوانہ مالک۔ اس
کی ضعیف بیوی اور سب کے سب بیٹے محض احمق ہیں۔ یہاں تک کہ ہم بھی
اسی زمرے میں شامل ہیں۔ خیر کچھ بھی ہو ہمیں وقت گزارنے کے لئے ایک
مزے دار موضوع تو مل گیا ہے۔ تمام شہر کے اندر اس کا ذکر بہت
ہی عام ہو رہا ہے!!

کونسا۔ کانون میری بھی یہی دلی آرزو ہے کہ تمہیں اپنا دل خوش کرنے کے لئے
ہمیشہ ایسے موقعے ملتے رہیں۔ لیکن آہ! تم اس طرح بیکار باتوں میں وقت
صرف کرنے کی بجائے زندگی کا اصلی لطف کیوں نہیں اٹھاتے؟ مجھے اس بات
کا خیال رہتا ہے کہ تم ایک نہ ایک دن مجھ سے ضرور تنگ آجاؤ گے میرے

پاس تمہارا دل بہلانے کے لئے باتیں نہ رہیں گی۔ ہماری محبت بھی پھر خاموش ہو جائے گی۔ . . . . ایک بُت کی طرح بالکل بے جان۔ آہ! بالکل بے حرکت ہو جائے گی۔ تم مجھ سے نفرت کرنے لگ جاؤ گے۔ جب تم یہ دیکھو گے کہ میں تمہاری طبیعت کے لئے غیر دلچسپ ہو چکی ہوں!!

(مایوس ہو کر رونے لگتی ہے)

کانون۔ (کونسا کو اپنی آغوش میں لے کر) میں تم سے کبھی آہ کبھی بھی نفرت نہ کروں گا۔ میری جان کونسا!! میں تم سے کبھی بھی تنگ نہ آؤں گا۔ ہم ہمیشہ مسرت کے دل خوش کن نغموں میں سانس لیں گے اور آسمان کے بادلوں کی طرح بے فکری اور آزادی سے ایک دوسرے کو پیار کرتے رہیں گے!!

کونسا۔ میں نے تو کتنی مدت سے بادل دیکھے ہی نہیں.

کانون۔ تم انہیں دیکھ کر کیا کرو گی!!

کونسا۔ کچھ بھی نہیں۔ جب دل خوشی کے رقصوں کو محسوس کرتا ہے تو بے سوچے سمجھے اس قسم خیالات کا اظہار ہمیں کرنا ہی پڑتا ہے۔

کانون۔ مگر کیا تم واقعی خوش ہو؟

کونسا۔ (کانون سے لپٹ کر) ہاں۔ میں بہت ہی خوش ہوں کیونکہ تم جتنے

خوب صورت ہو اسی قدر جسیم بھی ہو۔ (اس کے بازوؤں کے درمیان اپنے آپ کو چھپا لیتی ہے۔)

(گاموف اندر داخل ہوتا ہے۔ اگرچہ طبیعت کا نیک ہے۔ بڑھاپے کی وجہ سے مزاج میں روکھا پن بہت آگیا ہے!! تھوڑے وقفہ کے بعد مخل ہوتا ہے!!)

گاموف ۔ میرا خیال ہے کہ میرے آنے سے تمہاری خلوت میں کوئی مخلل نہ ہوگا. کیونکہ عشق و محبت کے باب میں مجھے بھی کافی مہارت حاصل ہے.... ..... بہت سے لوگوں کا تو اس کے بغیر اور کوئی شغل ہوتا ہی نہیں!! گرمی زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ خیر کوئی فکر نہیں۔ تم اپنی گفتگو جاری رکھو!!

کاتون ۔ (کونسا کو عجلت کے ساتھ اپنی آغوش سے الگ کر کے) گاموف! تم ایک بہت ہی ناشائستہ بیوقوف ہو جو دل کی پاکیزگی اور خلوص کے ساتھ محبّت کرتے ہیں۔ ان کی محبت ہمیشہ حسین ہوتی ہے!!

گاموف ۔ تم دونوں کے دونوں مردہ دل ہو! (بالاخانے سے نیچے کی طرف جھک کر) دیکھو! وہ احمق لوگ ابھی تک اپنی خرافات میں لگے ہوئے ہیں جو کچھ یہ تیار کر رہے ہیں۔ وہ کوئی نہ کوئی عمارت ہوگی! تمہارا کیا خیال ہے؟!!

کانون ۔ بہت سے لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ یہ ایک مذہبی خانقاہ ہو گی !!

گاموف ۔ اس کے بنیادی نشانات تو بہ ظاہر نہیں کرتے کوئی کسی نتیجہ پر پہنچے تو کیونکہ ؟ مذہب کا جنون لوگوں کو ان کی عقل سے بالکل محروم کر دیتا ہے خدا کا شکر ہے کہ میرا کوئی مذہب ہی نہیں ۔ میں جب جوان تھا میں نے کسی بھی مذہب کو اپنے پاس پھٹکنے تک نہیں دیا اور مجھے اب اس پختہ عمر میں اس کی یقیناً کوئی ضرورت ہی نہیں !! بڑھاپے کے زمانے کو مذہب سے کیا واسطہ ؟

کانون ۔ جب قحط سالی بڑھتی ہے ۔ اس وقت مذہب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے !! آسمانی مصیبتیں ہی ہیں جن کے خوف سے لوگ دیوتاؤں کو پوجنا شروع کر دیتے ہیں ۔

گاموف ۔ مصیبت اور پارسائی ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوتیں !!

(یونیک داخل ہوتی ہے ۔ فربہ جسم اور درمیانی
عمر کی ایک عورت ۔ چہرہ مصنوعی رنگوں سے
آراستہ اور کپڑے معمول سے زیادہ پہنے
ہوئے ہے !!)

یونیک ۔ اہا ! کتنا خوشگوار دن ہے آج ۔ اور تم سب مصیبت کی باتیں کر رہے ہو !!

گاموف۔ خوشگوار دن تو ہمیشہ ہی آتے رہتے ہیں!

کونتسا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ پچھلی مرتبہ بارش کب ہوئی تھی؟

بوبنیک۔ ہمیں یہ امید رکھنی چاہیئے کہ اب بارش نہ ہو تو زیادہ اچھا ہے۔

(دائیں طرف بیٹھ جاتی ہے)

کانون۔ بیچارے غریب کسانوں کا بھی تمہیں کچھ خیال ہے؟

گاموف۔ کسان تو کبھی کسی حال میں بھی شاکر نہیں ہوتے اور نہ وہ کبھی ہوں گے جتنا کہ ایک کسان کو مطمئن کرنا مشکل ہے۔ اتنا ہی ایک.......

بوبنیک۔ گاموف! میں جانتی ہوں جو کچھ تم آگے کہنا چاہتے ہو۔ میری ادھیڑ عمر کو دیکھ کر کہیں یہ اندازہ نہ لگا لینا کہ میں اب عورت ہی نہیں رہی ہماری ننھی کونتسا کو بھی دیکھو۔ اس کے حسن و جمال کی رنگینی یقیناً تمہیں ایک عورت کا غلط مفہوم سمجھنے سے باز رکھے گی!!

کونتسا۔ مگر گاموف کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں کرتا۔ وہ جتنی زیادہ گفتگو کرتا ہے اتنا ہی اسکی باتوں میں مفہوم کم ہوتا ہے!!

گاموف۔ پیاری کونتسا! اگر تم اپنے خوبرو سپاہی کی نسبت میری باتوں کو زیادہ غور سے سنو تو تم بہت ہی ذہین اور سمجھدار بن جاؤ گی!!

کانون۔ گاموف! تمہاری بزرگی کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ تم میری کونتسا کی ہتک نہ کرو!!

بونیک۔ کتنے احمق ہو تم سب کے سب! کس قدر خوبصورت دن ہے آج اور تم لوگ جھگڑ رہے ہو! زندگی مسرّت کا نغمہ ہے۔ جو فطرت کی طرف سے ہمیں صرف خوش رہنے کے لئے ودیعت کیا گیا ہے۔ آپس میں مِل جُل کر جینے کا پورا لطف حاصل کرو!! میری طرف دیکھو۔ میں بوڑھی ہونے کو ہوں۔ تاہم میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ میں نے بچپن کی عمر سے اب تک ہمیشہ خوش رہنے کی ہی کوشش کی ہے اور میں اپنی اس کوشش میں کبھی ناکام نہیں رہی!!

آوازیں۔ خوب ہمّت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ! محنت ہی کامیابی کا راز ہے!

منزل قریب ہے، شام ہونے کو ہے!

خوب ہمّت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ!

گاموف۔ کتنی روح شگاف اور غیر لطیف آوازیں ہیں ان احمقوں کی! یہ ہے مذہبی اعتقادات کا اندھا جنون! یہی باتیں ہیں جنہیں دیکھ کر انسان قلبی سکون کھو بیٹھتا ہے اور ہمیشہ روح کے اطمینان سے محروم رہتا ہے!! مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو زمین کی اصل حالت میں نقائص نظر آتے ہیں۔ تب ہی تو یہ اس کے سینے کو چیرنے میں محو ہیں!!

میں تو یہ سوچنے سے بالکل قاصر ہوں کہ انہیں ایسا کرنے سے کوئی روحانی

آسائش نصیب ہوتی ہوگی!!

بونیک ۔ وہ اپنے نقطۂ نظر سے واقعی خوش ہوں گے۔ اکثر لوگ ایسے ہیں جو دراصل ہوتے تو خوش ہیں۔ مگر اپنی خوشی کا کسی دوسرے پر اظہار نہیں کرتے۔ یہ بھی ایک انسانی نفسیات کا صحیح نظریہ ہے، اسے غلط نہ سمجھنا!!

گاموف ۔ بے شک بونیک کا خیال درست ہے۔ مگر یہ بے حس لوگ جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں۔ خوشی کے جذبے کو محسوس ہی نہیں کر سکتے (تاگن داخل ہوتا ہے۔) دوست تاگن! تم نے تو آج بہت ہی خوش نما لباس زیب تن کر رکھا ہے!!

تاگن ۔ (ایک چست وچالاک اور قبول صورت نوجوان) اس کی وجہ یہ ہے کہ میں آج بہت خوش ہوں۔ یہ سورج۔ یہ ٹھنڈی ہوا۔ اور یہ پُر بہار موسم! کاش میں پَر لگا کے آسمانی فضاؤں پہ تیرتا پھروں۔ فطرت کے ان گوناگوں مناظر نے میری روح میں سحر کا سا گداز اور سکون بھر دیا ہے۔ جدھر جاتا ہوں لوگ مجھے خوش دیکھ کر میری تعریف کرتے ہیں۔ آج سب کی نظر کو بھا رہا ہوں!!

بونیک ۔ تاگن، میری جیسی غیر شاعرانہ طبیعت کو تو تم میں کوئی خاص دلچسپی نظر نہیں آتی!!

ناگن ۔ تمہاری بہت مہربانی ہے پھر تو (نیچے دیکھتا ہے) آج ان کا کام ختم ہو جائے گا؟

کانون ۔ لوگوں کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ تمام کریہہ المنظر عمارت اب مکمل ہو چکی ہے۔ کیا تم نے آج تک اس قسم کی بے لطف چیز پہلے بھی کبھی دیکھی ہے؟

گاموف ۔ لکڑی کے یہ بڑے بڑے صندوق بھی جو ہر طرف پھیلے ہوئے رکھے ہیں دنیا کے عجائبات میں سے ہیں میں کل ان کے قریب جانے ہی لگا تھا کہ تمہارے بوڑھے آقا کے ایک جنگلی لڑکے نے مجھے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا!!

کونسا ۔ خیر ان کی حقیقت بھی ہم پر کھل جائے گی، وہ دیکھو! وہ ان صندوقوں کی طرف ہی جا رہے ہیں اور انہیں کھول رہے ہیں۔

بونیک ۔ (کھڑی ہو کر) واقعی مجھے بھی یہ منظر دیکھنے کے لئے اپنی آرام کی جگہ کو چھوڑنا ہی پڑا!

گاموف ۔ کونسا کی صرف یہی بات اب تک سچ نکلی۔ وہ ان صندوقوں کو یقیناً کھولیں گے!!

کانون ۔ دیکھو ۔ میں تمہیں دوبارہ کہتا ہوں کہ تم میری کونسا کا مذاق نہ اڑاؤ!

گاموف ۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک بوڑھا آدمی تمہاری احمق کونسا سے مذاق کر کے کچھ بھی لطف نہ اٹھاتے اور تم صبح سے لے کر شام تک اس کے عشووں سے اپنا دل بہلاؤ!!

تاگن۔ خدا کے لئے اب باتیں بند کرو اور سامنے کی طرف نظر دوڑاؤ۔ اُن صندوقوں کے اندر کچھ نہ کچھ ہو گا۔ ضرور!!

یونیک۔ ان میں شیر ہیں!

گاموف۔ عجیب حماقت ہے!!

کونسا۔ یونیک سچی ہے۔ وہ دیکھو شیر! شیر!!

تاگن۔ وہ یقیناً اس سے زیادہ پاگل ہیں۔ جتنا کہ ہم نے پہلے ان کے متعلق اندازہ کیا تھا۔

گاموف۔ شیر ہی شیر نظر آتے ہیں!

کونسا۔ نیل گائیں بھی تو ہیں!!

کانون۔ اونٹ بھی ہیں۔

تاگن۔ چیتے بھی!

یونیک۔ اور ہاتھی بھی!

گاموف۔ وہ سموردار جانور کیا ہیں؟

تاگن۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہیں۔ بندروں کی طرف بھی دیکھو کتنے بیزار نظر آتے ہیں۔ اب پتہ چلا کہ یہ صندوق نہیں تھے۔ بلکہ جانوروں کے پنجرے تھے۔ دنیا بھر کے وحشی چوپائے اور جانور ان کے اندر بند ہیں۔ نیچے دیکھو! ان کے دیکھنے کے لئے لوگوں کا کس قدر جم غفیر ہے!!

بونیک ۔ کیوں نہ ہو ۔ روز روز یہ باتیں دیکھنے ہیں کہاں آتی ہیں ؟!

کانون ۔ اگر میں اس وقت اپنے کام پر حاضر ہوتا ۔ تو ان لوگوں کی روک تھام کے فرائض مجھے ادا کرنے پڑتے!! مگر خیر اس کام کو بودل اور اکیل بخوبی سرانجام دے رہے ہیں!!

(مزدوروں کے شور و غل کے باوجود جانوروں کی مختلف آوازوں نے ارد گرد کی فضا کو اور زیادہ ہنگامہ خیز بنا دیا ہے۔)

گاموف ۔ ان لاتعداد جانوروں کو کون گن سکتا ہے ؟

بونیک ۔ ان میں سے ہزارہا تو ایسے ہیں جنہیں میں نے تو کم از کم کبھی نہیں دیکھا ۔

گاموف ۔ اور کئی ایک ایسے ہیں جنہیں میں کبھی دیکھنا بھی نہیں چاہتا!!

ناگن ۔ ہمارے دیوانے آقا نے اتنے جانور کس طرح سے حاصل کئے ہونگے ؟

گاموف ۔ ایک مذہبی دیوانہ سب کچھ کر سکتا ہے!!

بونیک ۔ کیا وہ ان سب کی قربانی کریگا ؟

ناگن ۔ اگر دنیا بھر کے مذبح بھی جمع کر لئے جائیں تو بھی ان سب کی قربانی کرنا ناممکن ہے!!

بونیک ۔ اس میں بھی کوئی نہ کوئی راز ضرور پوشیدہ ہے ؟

گاموف ۔ اور اس راز کی حقیقت صرف اتنی ہی بے معنی ہے جتنی کہ آج کے موسم کی مٹ جانے والی رنگینی !! آخر ان بے کار باتوں کی اصلیت معلوم کرنے کا فائدہ ؟ زندگی صرف خوش رہنے کا نام ہے ۔ اگر تمہیں خوشی حاصل ہے تو پھر اور کیا چاہیئے ؟!

تاگن ۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ میں ایسے نظارے ہمیشہ دیکھتا رہوں !

بونیک ۔ کاریگر ۔ جانوروں سے بالکل بے خبر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں ۔

کاتون ۔ بے چارے کیا کریں ۔ ہمارا بوڑھا مالک بھی تو ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا !

گاموف ۔ اب وہ ان جانوروں کو عمارت کے اندر دھکیل رہے ہیں ۔ جب اندر چلے جائیں گے ۔ ان بے چاروں پر کیا گزرے گی ؟

تاگن ۔ بہر حال کچھ بھی ہو ! اس کارروائی کا انتظام کسی ذہین شخص کی طباعی کا ضرور حامل ہے !!

کاتون ۔ منتظم ۔ ہمارے بوڑھے مالک کے سوا اور کون ہو سکتا ہے ؟

بونیک ۔ ہماری بوڑھی مالکہ کا نام کیوں نہیں لیتے ؟

کوتسا ۔ ہاں کاتون ۔ ہماری بوڑھی مالکہ کا نام کیوں نہیں لیتے ؟!

گاموف ۔ ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ ایک عورت کے پاس نہ تو عقل ہی ہوتی ہے ۔ اور نہ اس عقل کو بروئے کار لانے کی صلاحیت اس کے اندر

موجود ہوتی ہے !!

کانون۔ گاموف! میری کونسا کو طعنہ نہ دو!!

بوبنیک۔ کانون........ اپنی پیاری بوبنیک کا بھی تو خیال رکھو۔ خیر میں یہ یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ ہماری بوڑھی مالکہ کو اس کارروائی میں بہت حد تک دخل ہے!

گاموف۔ مذاق بڑھتا جا رہا ہے!

آوازیں۔ ہمت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ! محنت ہی کامیابی کا راز ہے!

منزل قریب ہے اور شام ہونے کو ہے!

خوب ہمّت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ!

کونسا۔ منزل سے ان کی کیا مراد ہے؟

گاموف۔ دنیا کا کوئی مذہب نہیں جس میں زندگی کے انجام کی طرف اشارہ نہ کیا گیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مذہب محض ایک بیوقوف کا خواب بن کر رہ جاتا۔ زندگی کا انجام ہی ہماری آخری منزل ہے۔ کتنا پُر لطف موسم ہے آج اور ان احمقوں کو اپنی عاقبت کا خیال تنگ کر رہا ہے۔ ایسی عاقبت جس کی اصلیت کا انہیں کچھ بھی علم نہیں ہو سکتا!!

کونسا۔ کیا۔ آج واقعی موسم بہت پُر لطف ہے؟

کاتون۔ تم یہ کیا کہہ رہی ہو کونتسا؟

کونتسا۔ مجھے تو موسم کے اچھے ہونے کا کوئی احساس نہیں۔ کیونکہ مجھے تو آج کی سرد ہوا نے نکام کر دیا ہے!

کاتون۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو تم!!

تاگن۔ یہ تو صرف ان لوگوں کی کرخت موسیقی کی تانیں اور ان خونخوار جانوروں کی بھیانک شکلیں ہیں جو ہماری کونتسا کی نازک طبیعت پر بارگذر رہی ہیں۔ یہ ناگوار مناظر کسے پسند آسکتے ہیں؟!

بونیک۔ بہرحال میرا تو یہ خیال ہے کہ آج کا دن اتنا خوش گوار نہیں جتنا کہ کبھی پہلے ہو گا!

گاموف۔ آسمان شاید کہیں نہ کہیں تھوڑا سا ابر آلود ہو گا۔ مگر مجھے تو بالکل اب دکھائی نہیں دیتا۔

کونتسا۔ میں تمہاری تائید کرتا ہوں۔ کیونکہ مطلع بالکل صاف ہے۔ مگر (ڈرتی ہے) اوہ!!

بونیک۔ کیا بات ہے۔ کونتسا!!؟

کونتسا۔ ہمارے غضب میں دیکھو........ وہ سامنے سیاہ بادل اڈے آرہے ہیں!!

(سب مڑ جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں)

آوازیں۔ ہمّت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ!
محنت ہی ہماری کامیابی کا راز ہے!!
منزل قریب ہے۔ شام ہونے کو ہے!
ہمّت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ!

گاموف۔ بادل اچانک ہی نمودار ہو گئے ہیں!!

کاتون۔ اب تو بہت اغلب ہے کہ بارش ہو!!

بونیک۔ بیچارے غریب کسان ضرور خوش ہوں گے!

گاموف۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ بدنصیب کسان کسی طرح بھی خوش نہیں ہو سکتے!!

کونسا۔ اب ہمیں اپنے اپنے گھروں کو چلنا چاہیئے!!

تاگن۔ نہیں ابھی نہیں۔ بارش لگاتار نہ ہو گی۔ اور پھر جب تک ہم سے ہو سکے۔ ہمیں اس کا پورا پورا لطف اُٹھانا چاہیئے۔

گاموف۔ ہمارے اس بوڑھے مالک کو بھی بارش کے آنے کا کچھ پتہ چلا ہو گا کہ نہیں؟

بونیک۔ اسے پتہ کیا خاک چلے گا۔ موسم کے ماہرین نے تو یہ پیش گوئی کی ہے کہ بارش شاید ہی اب اس ملک میں کبھی ہو!!

تاگن۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت مطمئن نظر آتا ہے!!

کانون ۔ میرے لئے تو یہ بات سخت حیران کن ہے کہ یہ لوگ ان درندوں پر
قابو کیسے پا سکیں گے ؟

بونیک ۔ میں نے تم سے یہ پہلے کہہ دیا ہے کہ یہ ہماری بوڑھی مالکہ ہی ہے
جس نے اس کام کے سرانجام دینے کا بیڑا اٹھایا ہے ۔ دیکھو ۔ وہ ان لوگوں
کو کچھ ہدایت کر رہی ہے ۔ دراں حالیکہ ہمارا بوڑھا مالک ان جانوروں کو
قطار بہ قطار کھڑا کرنے کی فکر میں محو ہے !!

کونسا ۔ بونیک ! وہ ان جانوروں کو کیا کریں گے ؟

گاموف ۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ وہ کیا کریں گے !

بونیک ۔ میرا خیال ہے کہ یہ سب کے سب جانور فروخت کئے جا رہے ہیں
تبھی تو خریدنے والے ان کی دیکھ بھال کرنے کے لئے اندر بلائے جا
رہے ہیں !!

تاگن ۔ کیا لوگوں کے پاس ان لاتعداد جانوروں کے خریدنے کے لئے
اس قدر زر نہ ہو گا ۔

کانون ۔ بونیک کا خیال صحیح ہے ۔ مجھے تو یہ گمان تک بھی نہیں گزرا تھا ۔ بونیک
بہت ہی ذہین ہے ۔ ایک مشکل بات کا حل دریافت کرنے کے لئے ہمیشہ
ایک عورت کی مدد درکار ہوتی ہے !!

بونیک ۔ تم ایک بہت ہی دلپسند نوجوان ہو !!

کانون ۔ تب تو میری کوتسا بہت ہی خوش قسمت ہے ۔

گاموف ۔ ایک دوسرے کو سراہنا واقعی خوب چیز ہے ۔ اگر خلوص کے ساتھ سراہا جائے ۔ مگر تم سب کو یہ سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے کہ ان سب کے داخل ہونے کے لئے صرف ایک ہی دروازہ ہے !!

بوبنیک ۔ بالکل ٹھیک !!

گاموف ۔ اور وہ دروازہ بھی جلد بند کر دیا جائے گا !!

ناگن ۔ یہ کیوں ؟

گاموف ۔ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو ۔ اس کا تمہیں خود بخوبی علم ہونا چاہیئے ۔ ہمارے اس بوڑھے مالک کو دروازے کے پاس کھڑا دیکھ کر میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ جونہی کہ آخری جانور اندر پہنچا یا جائے گا ۔ دروازہ فوراً ہی بند کر دیا جائے گا ۔

ناگن ۔ چند ایک جانور تو اتنے چھوٹے ہیں کہ وہ انہیں ہاتھوں میں اٹھا کر اندر پہنچانے جائے گا ۔

گاموف ۔ اور چند اس قدر بھاری بھر کم ہیں جنہیں ہمارے پاگل آقا کبھی بھی اُٹھا نہیں سکتے !

بوبنیک ۔ اگر میں آج ادھر نہ آتی تو ان عجیب و غریب نظاروں سے یقیناً محروم رہتی !!

کوتسا ۔ میں تو اس بات کا افسوس کر رہی ہوں کہ میں اوپر کیوں چلی آئی (ہوا زور سے چلنی ہے اسردی بڑھتی جا رہی ہے کا نپنے لگ جاتی ہے)

کاتون ۔ پیاری کوتسا۔ گھبراؤ مت۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا اور تمہیں سردی کبھی نہ لگنے دونگا!!

ناگن ۔ تم ہم لوگوں کے سامنے پیار محبت کی باتیں کیوں کر رہے ہو۔ یونیک اور میرے لئے یہ بات سخت خطرناک ثابت ہو گی!!

یونیک ۔ تم بہت ہی بے حیا لڑکے ہو!!

ناگن ۔ اور ساتھ ہی دلکش بھی تو کہو!!

یونیک ۔ مگر یہ میں نے کب کہا کہ تم دلکش نہیں ہو!!؟

گاموف ۔ وہ دیکھو! تمام کے تمام جانور اندر گھس چکے ہیں۔ اب یہ دلچسپ تماشہ ختم ہو رہا ہے!!

کاتون ۔ ذرا غور سے سنو! مزدوروں کی آوازیں بھی اب ختم ہونے والی ہیں!!

آوازیں ۔ ہمت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ!!

محنت ہی کامیابی کا راز ہے!!

منزل قریب ہے اور شام ہونے کو ہے!!

ہمت اور استقلال سے کام کرتے جاؤ!!

(تھوڑے وقفہ کے بعد تمام شور و غل ختم ہو
جاتا ہے۔)

بونیک ۔ اب بالکل سکوت ہے!! چاروں طرف خاموشی ہے!!
(ایک زور کا دھماکا! سب کھڑے ہو جاتے
ہیں۔)
یہ کیا معاملہ تھا؟

گاموف ۔ یہ دروازے کو بند کرنے کی صدا تھی! سب اندر داخل ہو گئے ہیں
اب کچھ نہیں! سب کچھ ختم ہے!!

کوتسا ۔ ختم ہو گیا؟

بونیک ۔ ہاں! اب سب کچھ ختم ہو گیا!! (ہوا چلتی ہے اور اندھیرا ہو جاتا
ہے۔)

کوتسا ۔ کاتون میرے قریب چلے آؤ!!

کاتون ۔ کیوں؟

کوتسا ۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے! میں نہیں جانتی کہ کیوں؟ فضاؤں کی خاموشی
.... ابر آلود آسمان .... اور پھر اس قدر تاریکی!!
کاتون میں ڈر رہی ہوں میرے پاس آجاؤ!

بونیک ۔ یہ مناظر اتنے مسرت افزا نہیں جتنے کہ میں کئی بار پہلے دیکھ چکی ہوں

میرا خیال ہے آج ہمارے گھر میں اچھے اچھے کھانے پکے ہوئے ہوں گے !!

ناگن ۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں ۔ تمہارے گھر کے لذیذ کھانوں سے محروم رہنا یقیناً میری بدقسمتی ہے !!

گاموف ۔ بونیک اور ناگن سچ کہتے ہیں ۔ اب ہمیں چل کر کچھ کھانا چاہیئے ۔ تاکہ ہم آسودہ ہوں ۔ اب ہمارا شغل بھی تو ختم ہو چکا ہے !!

ناگن ۔ (نیچے اترتے ہوئے) اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے !!

بونیک ۔ ہاں اب کچھ نہیں رہا ۔ چلو ۔ چلیں (گاموف کے ساتھ چل کھڑی ہوتی ہے ۔)

کونسا ۔ (آہستہ سے) کاتون تماشہ ختم ہو گیا ۔

کاتون ۔ تو پھر کیا ہوا ؟ ختم بھی تو ہونا ہی تھا !!

کونسا ۔ کاتون ۔ مجھے اپنی آغوش میں بھینچ لو ۔ مجھے پھر ڈر نہ لگے گا ! جو کچھ کہ ہم ابھی ابھی دیکھ چکے ہیں ۔ یہ سب ہماری سمجھ سے باہر ہے ۔ ہم اپنی انتہائی کوشش سے بھی اسے نہ سمجھ سکیں گے ۔ وہ بدنما شکل کی ہیبت ناک عمارت ۔ وہ ہیبت ناک وحشی انسان (جنہوں نے اسے بنایا) اور وہ ہمارا دیوانہ مالک اور اس کے خونخوار جانور ۔ ان سب کا نظارہ کتنا ناگوار اور کس قدر ہولناک ۔ خوف زدہ ۔ قہرمانی اور پُر اسرار تھا ! وہ نیلگوں ، ابر آلود آسمان کا دلکش منظر ۔ وہ کیف بار مستانہ ہواؤں کا ہجوم ۔ ۔ ۔ ۔ آہ !

یہ سب کچھ اب ہماری بھولی بسری ہوئی مسرتوں کا ایک خواب بن کر رہ گیا ہے ! آہ ! اب ہماری نگاہیں ہمیشہ ترستی رہیں گی - ان گم شدہ نظاروں کو جن کی نیم بار نکہتوں میں ہم نے اپنا دل خوش کیا - اپنی روح کو شاداب کیا !!

اُن بیتے ہوئے لمحوں کی یاد اب ہمیں مرتے دم تک بیقرار رکھے گی !

کاتون - مرتے دم تک !! تم کیا کہہ رہی ہو کونسا ؟

کونسا - بہر کیف ہمیں اب ان نشاط افزا لمحوں کا کچھ غم نہ کرنا چاہیئے - زندگی کی بیتی ہوئی بہاروں پہ آنسو نہیں بہانے چاہئیں - کیونکہ ہمارے دلوں میں محبّت پہلے سے بھی زیادہ تقویت پا چکی ہے - ان بھیانک منظروں نے ہماری محبّت کو کوئی ضعف نہیں پہنچایا - ہماری محبت اسی طرح قائم ہے اور ہمیشہ اسی طرح قائم رہے گی - ظالم فطرت ہم سے سب کچھ چھین لے ہم سے ہمارا سب کچھ لے لے مگر ہمارے دل کی سچی محبت کو وہ ہم سے ہرگز ہرگز نہیں چھین سکتی !!

کاتون - کونسا - میری پیاری کونسا - تم اتنی اداس کیوں ہو رہی ہو !! ؟

کونسا - ہاں - کاتون - میں واقعی اداس ہوں - تم محبّت کے راز نہیں جان سکتے ایک عورت مرد سے زیادہ دور اندیش ہوتی ہے - مرد عورت کو نادان سمجھ کر ٹھکرا دیتے ہیں اُسکی ہر بات کا مذاق اُڑاتے ہیں - حالانکہ ایک عورت جسقدر

سنجیدگی سے محبت کے رازوں کو سمجھ سکتی ہے۔ مرد کبھی نہیں سمجھ سکتا!! مرد ہمیشہ ایک عورت کو اپنے سے کم ہی رُتبہ دیتے ہیں۔ کس قدر مظلومیت ہے یہ ایک عورت کی!! عورت کے لئے کم از کم اس دنیا میں کوئی رحم نہیں۔ آہ! کوئی انصاف نہیں!!

کاتون ۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑنی شروع ہو گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ بڑے زور سے مینہ برسے گا!!

کونسا ۔ ہاں کاتون! تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر آہ مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے محبت بھی کرتے ہو؟

کاتون ۔ کیوں نہیں کونسا۔ مگر تمہارا اس سوال سے مطلب کیا ہے؟

(کونسا کی ہمراہی میں گھر کی طرف چل پڑتا ہے)

کونسا ۔ مطلب تم پر خود واضح ہو جائیگا!! میرے سوال کا مطلب تو تم نے جان لیا!!

(دونوں ہم آغوش ہو جاتے ہیں اور سٹیج کو خیرباد کہتے ہیں . . . . . . بارش!)

موسلا دھار بارش پڑنے لگتی ہے ٭

(پردہ)

آخری جنگ

کردار

شیر	شیرنی
گھوڑا	افعی
بندر	موتی (کتا)
گیڑے خاں	فرشتہ (میکائیل)

سپاہی

(سین جنگل میں ایک کمین گاہ۔ شیر اور

(شیرنی بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ افعی اور گھوڑا
آتے ہیں۔)

شیر۔ کیا خبر لائے؟
گھوڑا۔ نشان تک نہیں ملتا؟
افعی۔ میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔
گھوڑا۔ (شیر سے) اور تم؟
شیر۔ میں نے بھی کسی کو نہیں دیکھا۔

(بندر اچھلتا کودتا آتا ہے)

شیرنی۔ سلام میاں بندر!
بندر۔ سلام بیگم صاحبہ!
شیر۔ کیا خبر لائے؟
بندر۔ اب تو مزے ہی مزے ہیں۔ اہاہاہا۔ نشان تک نہیں ملتا۔
شیر۔ افریقہ کی بابت کیا خبر ملی؟
بندر۔ افریقہ میں بالکل امن و امان ہے۔
شیر۔ کون خبر لایا؟
بندر۔ گدھ، بلبلیں اُس کی تائید کرتی ہیں۔
افعی۔ کیا سب مر گئے؟ کالے بھی؟

بندر۔ ایک بھی باقی نہیں رہا۔ ہاہاہا۔

گھوڑا۔ شکر ہے اینیا جیسا تھا بالآخر ویسا ہی ہو گیا۔ صحرا کی مانند ہر طرف خاموشی ہی خاموشی چھائی ہے۔

افعی۔ چین میں بھی امن ہوا اور ہندوستان کا مسئلہ بھی ہمیشہ کے لئے حل ہوا۔

شیرنی۔ سمندر سے کیا خبر ملی؟ کیا سمندر پہ بھی اُس کا نشان نہیں ملتا؟

گھوڑا۔ سمندر اب بعینہٖ اسی طرح ہے جیسا وہ اُس کی آمد سے پہلے تھا۔

شیرنی۔ اور ہوا؟

بندر۔ ہوا میں وہ تھا ہی کب؟ ذرا سی دیر کے لئے آیا۔ اِدھر اُدھر اُڑا اور پھر دھڑام سے نیچے گر پڑا۔

شیر۔ دنیا اس کے بغیر زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔

شیرنی۔ درست ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ جانتی تھی۔ لیکن وہ؟ اسے معلوم ہی نہ تھا کہ اُس کی جگہ ہے کہاں؟ ہر جگہ بھٹکتا پھرتا تھا۔

شیر۔ (گھوڑے سے) تم تو اُس کے متعلق بہت کچھ جانتے ہو گے۔

گھوڑا۔ ہاں۔ عرصہ دراز سے میرا خاندان اُن کی خدمت کرتا چلا آیا ہے۔ لیکن مجبور ہو کر۔ ہم اُسے قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ جب بھی موقع ملتا تھا، تمہیں معلوم ہے دولتی جھاڑ دیا کرتے تھے۔

افعی ۔ ظالم ! ناشکرا ! بے ایمان ! بے وقوف تھا بے وقوف ۔

شبیرنی ۔ بالکل دیوانہ ۔ ہاں یہ تو بتاؤ میاں بندر ! کیا تم سے بھی اس کا کوئی رشتہ تھا ؟

بندر ۔ مجھ سے اور اُس کا تعلق ؟ بالکل غلط ۔ نہ جانے کس احمق نے ہمارے متعلق یہ بے بنیاد افواہ پھیلا دی کہ ہم سے اُس کا کوئی تعلق تھا ۔ ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔

شیر ۔ اور ہونا بھی نہیں چاہیئے ۔ وہ تو قدرت کی ایک غلطی تھا غلطی ۔

شیرنی ۔ آخر اس نے یہ کیا حرکت کی ؟

افعی ۔ بے وقوف تھا بے وقوف ۔

شیرنی ۔ (شیر سے) پیارے ! ہم کبھی ایک دوسرے کو قتل نہیں کرتے اور نہ اپنے بھائیوں کا بُرا چاہتے ہیں ۔ لیکن انسان کو دیکھو ۔ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے سے بھی دریغ نہیں کرتا ۔

گھوڑا ۔ اسی لئے تو وہ صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے معدوم ہو گیا ۔

شیرنی ۔ کیا وہ اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکتا تھا کہ اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے خون سے ہاتھ رنگ رہا ہے ۔

افعی ۔ بے وقوف تھا بے وقوف ۔

شیر ۔ دنیا میں اُس کے لئے کیا کچھ نہیں تھا سب کچھ تھا ———،

بندر ۔ کیلے ۔ کھجوریں ۔ آم ۔ چنے ۔ سب کچھ ۔ لیکن اس پر بھی وہ مطمئن نہیں تھا ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بندر ہرگز نہ تھا ۔

شیر ۔ جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو خیر ایسی ویسی حرکت کر بیٹھتا ہوں لیکن جب ایک بار سیر ہو جاؤں تو کسی شکار کی طرف نظر تک نہیں اُٹھاتا ۔

افعی ۔ وہ حاسد تھا ۔ اپنے ہی بھائیوں کو خوشحال دیکھ کر جلتا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے مٹ گیا ہے ۔

شیرنی ۔ میں کہتی ہوں ان میں کیسے کیسے عجیب لوگ تھے ۔ کالے ۔ سُرخ ۔ سفید ۔ زرد

گھوڑا ۔ سُرخ آدمیوں کو تو اُس نے مدت ہوئی ختم کر دیا ——— اور میرا خیال ہے یہیں سے اس کا تنزل شروع ہوا ۔

شیرنی ۔ اُن میں سفید رنگ والا سب سے بُرا تھا ۔

سب ۔ بالکل ٹھیک ہے ۔

افعی ۔ اس نے کالوں کو غلام بنایا ۔ پیلوں کو بھڑکایا ——— آخری جنگ انہیں دو باتوں کے سبب سے تو ہوئی ۔ جس میں سب مارے گئے ۔

گھوڑا ۔ کم از کم سفید رنگ والے ہی آپس میں متفق ہو جاتے لیکن ———،

افعی ۔ وہ متفق ہو ہی نہیں سکتے تھے ۔ انسان کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے ۔ اُن کے ہاں زندگی کا مقصد صرف لڑنا ہے ۔ اُنہوں نے انسانیت کو بالائے طاق رکھ دیا ۔ تلوار کا استعمال کیا ۔ اور صفحۂ ہستی سے مِٹ گئے ۔

گھوڑا ۔ تھے تو سب انسان مگر کوئی اپنے آپ کو جرمن کہتا تھا ۔ کوئی فرانسیسی ۔ کوئی انگریز اور کوئی روسی ۔

افعی ۔ بے وقوف کہیں کے ۔

گھوڑا ۔ ہمیشہ ذرا ذرا سی باتوں پہ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے میرا خاندان اُن سے اچھی طرح واقف ہے ۔

افعی ۔ چلو چھٹی ہوئی ۔ اب وہ کبھی تمہارے خاندان کو نہیں ستائیں گے ۔

بندر ۔ وہ احمق تھے ۔ انہوں نے زندگی کا لطف ہی نہیں اٹھایا ۔

گھوڑا ۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے درپے رہتے تھے ۔

افعی ۔ بے وقوف تھے بے وقوف ۔

گھوڑا ۔ کبھی کبھی پاگل بھی ہو جاتے تھے ۔

شیرنی ۔ پاگل ۔

گھوڑا ۔ ہاں ۔ پھر وہ جھنڈے لہراتے تھے ۔ قومی گیت گاتے تھے ۔ جلوس نکالتے تھے ۔ جلسے منعقد کرتے تھے ۔ جلسوں میں اُچھلتے تھے ۔ کودتے تھے اور نہ جانے کیا کیا کرتے تھے ۔ معلوم ہے کس لئے ؟ محض ذرا سے اقتدار کی خاطر ۔

افعی ۔ بے وقوف تھے بے وقوف ۔

گھوڑا ۔ اور پھر وہ عجیب و غریب حرکتیں کرتے تھے ۔ اتنی عجیب و غریب کہ مجھ جیسا متین حیوان بھی قہقہہ لگانے پر مجبور ہو جاتا تھا ۔ لیکن آج تک میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اُن میں کون زیادہ پاگل تھا ۔ واعظ یا لیڈر ۔

افعی ۔ میرے جدِّ امجد کو باغِ عدن میں انسان سے پالا پڑا تھا وہ اس سے سخت نفرت کرتے تھے ۔ بات یہ تھی کہ جب ــــــــــــ

بندر ۔ ذرا ٹھہرو ۔ وہ کون آرہا ہے ؟

(موتی ، ایک لمبے لمبے کانوں والا کتا آتا ہے
تمام ناک بھوں سکیڑتے ہیں ۔ موتی غمزدہ
دکھائی دیتا ہے ۔)

موتی ۔ سلام صاحبان !

افعی ۔ آؤ موتی ! تمہاری قسمت بہت بُری نکلی ۔ اب تو کہیں سے سیٹی کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی ۔ ہم سب کو تم سے بہت ہمدردی ہے ۔

موتی ۔ شکریہ ۔

شیرنی ۔ موتی ! تم بہت سیدھے سادے ہو ۔ بھلا بتاؤ تو اُس کے ساتھ رہ کر تمہارے ہاتھ کیا آیا ؟

گھوڑا ۔ میرے خاندان نے اُس کی کتنی خدمت کی ۔ لیکن کیا مجال جو شکریہ کا ایک

لفظ کبھی اُس کی زبان سے نکلا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ہم اسے بالکل پسند نہ کرتے تھے۔

افعی۔ ہم سب اُس سے نفرت کرتے تھے۔ لیکن تم؟ تمہیں تو اُس سے محبت تھی۔

بندر۔ تمہیں شرم آنا چاہیئے۔ موتی!

موتی۔ لیکن میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

گھوڑا۔ تو گویا تمہیں اُس کی جدائی شاق گذری ہے۔

موتی۔ سچ پوچھو تو کچھ ایسی ہی بات ہے۔

افعی۔ نہ جانے تم اُسے اتنا کیوں چاہتے تھے؟

شیرنی۔ جنگل کے بسنے والوں میں صرف تمہیں اُسے پسند کرتے ہو ورنہ تمہارے بھائی گیدڑ بھی اسے نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

موتی۔ یہ سب کچھ درست ہے۔ لیکن میں کیا کروں ——— اب میں ہرگز اُسے نہیں چھوڑ سکتا۔ (آہ بھرتا ہے۔)

گھوڑا۔ لیکن تم نے اُس کی صحبت اختیار ہی کیوں کی؟

موتی۔ اس میں چند خوبیاں تھیں۔

افعی۔ خوبیاں؟ سی سی سی۔

موتی۔ ہاں۔ اُس میں چند خوبیاں تھیں۔ اُس کی جو باتیں تمہیں ناپسند تھیں وہی مجھے بھلی معلوم ہوتی تھیں۔

شیر۔ ذرا تفصیل سے بتاؤ۔

موتی ۔ معاف کیجیے ۔ فی الحال میں تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ اُسکی جدائی کے صدمے نے میرے حواس گم کر دیئے ہیں ۔

شیرنی ۔ آخر کچھ تو کہو تمہیں اُس کی کون سی بات پسند تھی ؟

موتی ۔ اُس میں شفقت تھی ۔

گھوڑا ۔ بے وقوف ۔

موتی ۔ وہ ہمیشہ میرے لئے کچھ نہ کچھ ——

شیر ۔ لیکن جب خود سیر ہو جاتا تھا ۔

موتی ۔ اُس میں عقل تھی ۔

افعی ۔ بہت عقل ۔ سی سی سی تبھی تو صفحۂ ہستی سے اتنی جلدی مٹ گیا ۔ سی سی سی ۔

موتی ۔ ہاں اس بارے میں اُس نے عقل سے ذرا زیادہ کام لیا —— لیکن میں ایسا کیوں کہوں !

بندر ۔ موتی ! تم ایک جذباتی حیوان ہو ۔ تم نے اپنی آزادی اور خودداری محض اتنی سی بات پر انسان کے ہاتھ بیچ دی کہ اُس کے پاس دو ہونٹ تھے جن سے وہ سیٹی بجا سکتا تھا اور تمہارے پاس ایک دُم تھی جسے تم سیٹی کی آواز پر ہلا سکتے تھے —— تم اپنے دو ٹانگوں والے دوست سے ایسے گھُل مل گئے کہ تمہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ تم جنگل کی آزاد برادری کے ایک فرد ہو ۔

موتی ۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو ۔ میں پوچھتا ہوں کیا واقعی انسان دنیا سے مٹ گیا ہے ؟

گھوڑا۔ دنیا کے تمام علاقوں سے ہمارے پاس اطلاعات موصول ہو چکی ہیں۔ پرندے مچھلیاں سب نے بہت تلاش کی۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ وہ دنیا سے بالکل مٹ چکا ہے۔

موتی۔ (رونی صورت بنائے ہوئے) تو کیا وہ پھر کبھی واپس نہ آئیگا؟

گھوڑا۔ خدا کی پناہ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ پھر کبھی واپس آجائے؟

موتی۔ (گھبرا کر) نہیں۔ نہیں۔ صرف۔ میرا مطلب ہے کہ ——

شیرنی۔ (ایکدم) وہ کون آرہا ہے؟

شیر۔ یہ جراثیم کے کیڑوں کی نسل سے ہے۔

(ایک ننھا منا سا کیڑا اُڑتا ہوا آتا ہے۔ اس کے لہجے میں تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے دوسروں کی نسبت کسی قدر شستگی ہے)

گھوڑا۔ سلام کیڑے خاں! —— تم بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو —— آؤ ادھر آجاؤ۔

شیر۔ جہاں تک میرا خیال ہے انسان کو دنیا سے ملیامیٹ کر دینے کا سہرا کیڑے خاں ہی کے سر ہے۔

افعی۔ واقعی کیڑے خاں! تم نے اس کام کو نہایت خوش اسلوبی سے سر انجام دیا۔

کیڑے خاں۔ شکریہ۔

گھوڑا۔ تم نے تو بالکل صفائی کر دی کیڑے خاں! ہی ہی ہی۔

کیڑے خاں۔ یہ اس کی اپنی کرتوتوں کا نتیجہ ہے، سچ پوچھو تو وہ خود بھی یہی چاہتا تھا ـــــــ مجھے اس سے کوئی ذاتی عناد نہیں تھا۔ اُس نے مجھ سے بہت اچھا سلوک کیا۔ میری پرورش کی۔ کھلایا پلایا۔ ہر طرح سے حفاظت کی ـــــــ کیمیا گاہ کی زندگی کتنی خوشگوار تھی ـــــــ آہ اس نے مجھے کتنے آرام سے رکھا۔

شیرنی۔ لیکن میں پوچھتی ہوں اُس نے یہ سب کچھ کیا ہی کیوں؟

گھوڑا۔ کیا اسے معلوم نہ تھا کہ تمہارا وجود از حد خطرناک ہے؟

کیڑے خاں۔ وہ سب کچھ جانتا تھا۔ اسی لئے تو اُس نے میری اس قدر دیکھ بھال کی۔ وہ مجھے دوران جنگ میں دوسرے انسانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا۔ لیکن چونکہ ذرا بے وقوف تھا۔ اس لئے یہ نہ سوچ سکا کہ دوسرے انسانوں کے پاس بھی ہمارے خاندان کا کوئی فرد ہو سکتا ہے۔ وہ میری چچازاد بہن کو بھول ہی گیا جس نے افریقہ جیسے وسیع برِاعظم کو میٹھی نیند سلا دیا ہے اور ـــــــ،

گھوڑا۔ معاف کرنا۔ تمہارے حصے میں تو صرف یورپ ہی آیا تھا نا؟

کیڑے خاں۔ ہاں۔ یورپ کا صفایا میرے ہی ذمے تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برا ہو سکا۔

اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ کسی انسان کو شک بھی نہیں گذرا کہ میں اُسے ہلاک کر رہا ہوں۔ انہیں میری آمد کا پتہ ہی نہ چلتا تھا اور وہ میٹھی نیند سو جاتے تھے۔

افعی۔ انسان بھی کتنا بھولا تھا۔ جنگ کے دوران میں ہر فریق یہی کہتا تھا کہ "ہمارے ہتھیار بہترین ہیں" "ہماری ایجادات کی نقل کوئی نہیں کر سکتا" "ہمارے پاس ایسے آلات ہیں جن کی مدد سے ہم اگر چاہیں تو دشمن کو چٹکی بجانے میں ختم کر دیں"۔ سی سی سی۔ مجھے ہنسی آتی ہے۔ سی سی سی ———— ایک فریق کا دعوےٰ تھا کہ کیڑے خاں ہمیں جنگ میں کامیاب بنائیں گے۔ لیکن وہ اس کی چچازاد بہن کو بھول ہی گیا۔ جس نے افریقہ جیسے وسیع برِ اعظم کو موت کی نیند سلا دیا۔ سی سی سی سی۔

کیڑے خاں۔ جب میں کیمیا گاہ میں رہتا تھا تو کئی بار میرے جی میں آئی کہ اُسے ان خطرات سے آگاہ کر دوں۔ لیکن ————،

شیرنی۔ لیکن وہ سُننے پر آمادہ ہی نہ ہوا ہو گا۔

کیڑے خاں۔ اسے میری ذات سے اس قدر محبت ہو چکی تھی کہ میرا کچھ کہنا سُننا بالکل بیکار تھا۔ اُس نے مذہب سے منہ موڑ لیا۔ اپنی عبادت کو چھوڑ دیا۔ لیکن مجھے؟ مجھے نہیں چھوڑا۔ یہ اس کی بے پناہ

محبّت کا ادنیٰ ثبوت ہے۔ خیر جانے دو اس قصّے کو۔ اب میں تمہیں اپنے داداجان مرحوم و مغفور کا ایک مقولہ سُنانا چاہتا ہوں۔ خدا بخشے کیسی پتے کی بات فرما گئے ہیں۔ ان کا مقولہ تھا کہ جب ہل بیکار ہو جاتے ہیں تو تلوار کام میں لائی جاتی ہے۔ انسان کے ساتھ بھی یہی ہوا ـــــــ،

(موتی آہستہ آہستہ اُٹھتا ہے اور سونگھنے کی کوشش کرتا ہے۔)

شیر۔ کیا بات ہے موتی؟

موتی۔ (دھیمی آواز میں) مجھے انسان کی بُو آرہی ہے۔

(سب چونکتے ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں بندر منہ بناتا ہے۔ موتی جانا چاہتا ہے۔)

شیر۔ (موتی کو روکتے ہوئے) ذرا ٹھہرو۔ جلد بازی اچھی نہیں۔

موتی۔ میں وثوق سے کہتا ہوں ـــــــ مجھے جانے دو ـــــــ تم خود ابھی سیٹی کی آواز سُن لوگے ـــــــ عف۔ عف۔ عف۔

(بھونکتا ہے)

افعی ۔ (گھبرا کر) بکواس بند کرو ۔ احمق !

شیر ۔ (شیرنی سے) کیوں پیاری ! کوئی انسان دکھائی دیا ؟

شیرنی ۔ مجھے تو کوئی انسان نظر نہیں آتا ۔

گھوڑا ۔ موتی خواب دیکھ رہا ہے ۔

افعی ۔ افیمی کہیں کا ۔

موتی ۔ میں خواب نہیں دیکھ رہا ۔ میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں ۔

شیر ۔ میں کہتا ہوں انسان کا وجود دنیا سے بالکل مٹ چکا ہے ۔

شیرنی ۔ یہ بہت بری بات ہے موتی ! تم نے ہم سب کو ناحق پریشان کر دیا ۔ آیندہ تمہیں احتیاط کرنا چاہیئے ۔ ورنہ سزا پاؤ گے ۔

کیڑے خاں ۔ تعجب ہے میں نے تو اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ۔ لیکن خیر اگر کوئی بدقسمت انسان باقی رہ گیا ہے تو کالے ناگ دو تم اس کے لئے کافی ہو ۔

افعی ۔ (بندر سے) میاں بندر ! ذرا ہمت کرنا بھائی ! اگر کوئی آدمی زاد نظر پڑے تو جلد خبر دینا ۔

بندر ۔ بہت اچھا ۔ جاتا ہوں ۔

موتی ۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں ۔

شیر ۔ نہیں تم نہیں جا سکتے ۔ اپنی جگہ پر بیٹھے رہو ۔ ایک انچ بھی سرکے تو

یاور کھنا ــــــــــــ،

شبیرنی۔ تمہارا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

(بندر اچھلتا کودتا چلا جاتا ہے)

گھوڑا۔ موتی! تمہیں یہ خیال کیوں کر آیا کہ انسان ابھی تک دنیا میں موجود ہے؟

موتی۔ (جوش سے) انسان کے بغیر دنیا کا تصوّر کرنا میرے لئے از حد دشوار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ــــــــــــ،

شبیر۔ بکو مت!

شبیرنی۔ بڑے بدتمیز ہو تم موتی!

موتی۔ میں انسان کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

گھوڑا۔ تمہاری ذہنیت یکسر غلامانہ ہے۔ تمہیں انسان کے بغیر زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالنا چاہیئے موتی!

(بندر طرح طرح کی آوازیں نکالتا ہوا آتا ہے۔)

افعی۔ کیا خبر لائے؟

بندر۔ ایک ــــــــــــ

شبیر ۔ آدمی زاد ؟

بندر ۔ ہاں ۔

شبیرنی ۔ تعجب !

موتی ۔ دیکھا میں نہ کہتا تھا ۔

شبیر ۔ چُپ رہو ۔

شبیرنی ۔ مرد ہے یا عورت ؟

بندر ۔ اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا ۔

افعی ۔ کہاں ہے ؟

بندر ۔ ندی کے پار ۔

گھوڑا ۔ وہاں کیا کر رہا ہے ؟

بندر ۔ لیٹا ہوُا ہے ۔

افعی ۔ (کبڑے خاں سے) تمہارا کام ابھی ختم نہیں ہوُا ۔

کبڑے خاں ۔ سمجھ میں نہیں آتا کیونکر بچ گیا ۔ میں نے تو اپنی طرف سے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ۔

شبیر ۔ خیر یہ کام تمہاری بجائے اب ہم میں سے کسی کو کرنا پڑیگا ۔

افعی ۔ (بندر سے) کیا وہ سو رہا ہے ؟

بندر ۔ اس کے متعلق بھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا ۔

گھوڑا۔ کیا وہ خوفزدہ معلوم ہوتا تھا؟

بندر۔ قطعاً نہیں۔ بلکہ اُسے دیکھ کر میں ڈر گیا۔

افعی۔ تم ڈر گئے؟ اور پھر تم خود کو بندر کہتے ہو۔

شیر۔ (سنجیدگی سے) تو پھر اب کیا کیا جائے؟

موتی۔ اسے ایک اور موقعہ دیا جائے۔

افعی۔ ایک اور موقعہ؟ کیا تمہاری عقل گھاس چرنے گئی ہے؟

گھوڑا۔ کیا وہ بھی رحم کا مستحق ہو سکتا ہے؟

شیرنی۔ قطعاً نہیں ——— لیکن ہمیں اُسے مارنا نہیں چاہیئے بلکہ نمائش کے لئے زندہ رہنے دینا چاہیئے۔ ہمارے بچّے اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوا کریں گے۔

شیر۔ یہ تم نے کیا کہا پیاری؟ ہمارے بچّے ہرگز ہرگز کسی کو مصیبت میں دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتے۔ ان کی تربیت بہت اعلےٰ طریق پر ہوتی ہے۔

افعی۔ لیکن انسان تو ہمیں مصیبت میں دیکھ کر خوش ہوا کرتا تھا۔

گھوڑا۔ اس نے ہم سے کبھی اچھا سلوک نہیں کیا۔

موتی۔ لیکن اگر وہ آیندہ کے لئے تم سے بہتر سلوک کرنے کا وعدہ کرے تو ———

کبڑے خاں ۔ اس کے وعدے کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا ۔ کیا اُس نے بھی کبھی اپنے وعدے ایفا کیئے ہیں ۔

شبیر ۔ اسے واپس بلانا خود کو خطرے میں ڈالنا ہے ۔

افعی ۔ میرا بھی یہی خیال ہے ۔

بندر ۔ مگر ہمیں باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے ۔ وہ بہت چالاک ہے ۔

گھوڑا ۔ اُف وہ اُس کے ساتھ ۔

شبیر ئی ۔ کاش اس میں اتنی سمجھ ہوتی کہ وہ اپنے ہاتھوں کو ہماری بھلائی کے لئے استعمال کرتا ۔

افعی ۔ میری رائے میں اُسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیئے ۔

(پھنکارتا ہے)

(سب اس تجویز پر صاد کرتے ہیں ۔ موتی خاموش بیٹھا رہتا ہے ۔)

افعی ۔ (فیصلہ کُن انداز میں) ایک کے سوا باقی سب اس تجویز پر متفق ہیں ـــــــــ اب کون اس کام کو سر انجام دینے کا بیڑا اُٹھاتا ہے ؟

شبیر ئی ۔ کبڑے خاں ۔

کیڑے خاں ۔ یہ کام اب مجھ سے نہ ہوگا۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں ۔

شبیر ۔ (متکبرانہ لہجے میں) یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔ میں پلک جھپکنے میں اس کا صفایا کر دوں گا ۔

(اکڑتا ہوا اُٹھتا ہے اور بائیں طرف چل دیتا ہے۔ چند قدم چل کر مُڑتا ہے اور بندر سے مخاطب ہوتا ہے۔)

شبیر ۔ تم نے ندی کے پار بتایا ہے نا ؟

بندر ۔ ہاں وہیں۔

(شیر چلا جاتا ہے)

افعی ۔ (موتی سے) مجھے افسوس ہے موتی ! لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔

بندر ۔ ایسے مواقع کبھی کبھی آتے ہیں۔ اگر ہم نے اس موقعہ سے فائدہ نہ اُٹھایا تو دنیا ہمارے وجود سے خالی ہو جائے گی ۔

افعی ۔ انسان یوں تو ——،

شیرنی ۔ ہائیں! وہ واپس آرہے ہیں ۔

افعی ۔ کون ؟ شیر خان بہادر ؟

(شبیر ہانپتا ہوا داخل ہوتا ہے
چہرے سے خوف کے آثار نمایاں
ہیں)

شیرنی۔ کیوں پیارے! کیا ہوا؟

شبیر۔ (بندر سے) کیا تم یقین سے کہتے ہو کہ وہ آدمی زادہ ہے؟

بندر۔ وہ بندر نہیں ہے۔ اتنا میں ضرور کہہ سکتا ہوں۔

شیرنی۔ پیارے! کیا وہ ہمیں سدھانے والے ظالموں میں سے
تو نہیں؟

افعی۔ (طنزیہ لہجے میں) چھوڑو ان باتوں کو۔ کیڑے خاں! تم جاؤ اور اس
کا کام تمام کر آؤ۔

کیڑے خاں۔ (افسردگی سے) اچھا میں ہی جاتا ہوں۔ (دل میں) لیکن سائنس
کے بغیر میری ہستی ہی کیا ہے۔

(جاتا ہے)

گھوڑا۔ (گھبرا کر) لو! وہ بھی آگیا۔

موتی۔ (بھونکتا ہے) عف عف عف ______،

شیرنی۔ چپ رہو۔

(کیڑے خاں داخل ہوتا ہے)

افعی ۔ کیا خبر لائے ۔

گھوڑا ۔ جلدی بولو ۔

کیڑے خاں ۔ بات یہ ہے کہ زندگی بھر میں آج پہلی مرتبہ مجھے اپنی کمزوری
کا احساس ہوا ہے ۔

(ایک فرشتہ آتا ہے ۔ نورانی شکل
شاہانہ لباس ۔ تمام جانور ایک ایک قدم
پیچھے ہٹ جاتے ہیں ۔)

فرشتہ ۔ (ہاتھ کے اشارے سے) ڈرو نہیں ۔ (افعی سے) تم تو مجھے
پہنچانتے ہو؟

افعی ۔ میکائیل ؟

(سب حیرت کا اظہار کرتے ہیں)

شیر ۔ معاف کیجئے ہم نے غلطی سے آپ کو انسان سمجھ لیا تھا ۔

بندر ۔ ہم بہت نادم ہیں ۔

فرشتہ ۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں ۔

کیڑے خاں ۔ میں حیران تھا کہ ایک بھی کیونکر بچ نکلا ۔

فرشتہ ۔ کیڑے خاں ۔ واقعی تم نے اپنا کام نہایت خوش اسلوبی
سے سرانجام دیا ۔

افعی ۔ گستاخی معاف ۔ لیکن ۔ کیا میں آپ کے کرۂ ارض پر تشریف لانے کا مقصد دریافت کر سکتا ہوں ؟

فرشتہ ۔ میں دنیا کی حالت دیکھنے کے لئے بھیجا گیا ہوں ۔ میں نے کافی سیاحت کی ہے ۔

مونٹی ۔ کیا آپ کو اپنے سفر کے دوران میں کسی انسان سے دوچار ہونے کا موقع ملا ہے ؟

فرشتہ ۔ ابھی تک تو نہیں ۔

(سب اطمینان کا سانس لیتے ہیں)

—— لیکن انسان نے اپنے پاؤں پہ آپ کلہاڑی ماری ہے ۔

افعی ۔ کیا انسان کی اس حرکت پر آپ کو افسوس ہے ؟

فرشتہ ۔ بہت زیادہ ۔

کبڑے خاں ۔ کیوں ؟

فرشتہ ۔ اس لئے کہ انسان جیسا اشرف المخلوقات بالآخر ذلالت کی اس حد کو پہنچ گیا جہاں اسے تم سے دوستی بڑھانا پڑی ۔

کبڑے خاں ۔ (شرمندہ ہو کر) واقعی —— میرا بھی یہی خیال ہے ۔

شیرنی۔ لیکن معاف کیجئے ہم انسان کے بغیر زیادہ آرام سے ہیں۔

فرشتہ۔ شاید ایسا ہی ہو لیکن انسان دنیا سے یکسر معدوم نہیں ہؤا۔ آج ہی میں نے اُس کی تعمیر کردہ چند عبادت گاہیں دیکھی ہیں جہاں اُس کی رُوح خداوندِ بزرگ و برتر سے اپنا تعلق قائم کیا کرتی تھی۔ وہ اتنی خوبصورت اور پائدار تھیں کہ انسانی فہم و ذکاوت پر حیرت ہوتی ہے میں نے کرۂ ارض کی کافی سیاحت کی ہے۔ لیکن ہر جگہ اسکی بنائی ہوئی عالیشان عمارات موجود پائیں۔ میں نے اُس کی صنعتی کاریگری کے نمونے بھی دیکھے ہیں اور (سر کو جھکا کر) مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مجھے اس کے جرائم کی یادگاریں بھی نظر پڑی ہیں۔ لیکن خواہ کچھ ہو مجھے دنیا سے ایک قوم کے مٹ جانے پر افسوس ہے۔

گھوڑا۔ تو اُس نے یہ احمقانہ فعل کیا ہی کیوں؟

فرشتہ۔ کیا وہ انسان نہ تھا۔

بندر۔ لیکن جب اُسے تنبیہہ کر دی گئی تو بھی وہ باز نہ آیا۔

فرشتہ۔ تم درست کہتے ہو۔ اسے سمجھانے کے لئے بہت سے انبیاء اور شعرا بھیجے گئے۔ لیکن اُس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ اُس نے اُن کی باتوں کو ایک کان سُنا دوسرے کان

اُڑا دیا۔

افعی۔ بے وقوف تھا نا بے وقوف۔

فرشتہ۔ اس نے یکے بعد دیگرے جنگوں میں حصہ لیا جو اسے زیادہ کمزور کرتی چلی گئیں۔ اس کا خاتمہ لازمی تھا۔ غضب خدا کا جب اللہ تعالیٰ کی لطیف ترین مخلوق عورت بھی فریب اور مکاری میں طاق ہو جائے تو تباہی کیوں نہ آئے۔ ہر قوم کی تباہی کا باعث اُسکی مائیں ہوا کرتی ہیں۔

بندر۔ (گلا صاف کرتے ہوئے) پھر اب کیا ہو گا؟

شبیر۔ کیا کوئی اور مخلوق ہم پر نازل کی جائے گی؟

شیرنی۔ مہربانی فرما کر اب ایسا نہ کیجیئے گا۔ ہماری پرانی دنیا کو اب ذرا سستانے کا موقع دیجیئے۔

افعی۔ میں نے سُنا ہے کہ چوہے اس امر کے لئے کوشاں ہیں۔ کیوں نہ اُن کی حوصلہ افزائی کی جائے؟

کیڑے خاں۔ واقعی وہ ذہانت کے پتلے ہیں۔

گھوڑا۔ کم از کم انسان سے زیادہ عقلمند ہیں۔

فرشتہ۔ دنیا میں کوئی اور قوم بھیجی جائے گی یا نہیں۔ اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر جو قوم بھی یہاں امن کی زندگی بسر کرنا چاہیگی

وہ انسان جیسی غلطی ہرگز نہیں کرے گی۔

کیڑے خاں۔ غلطی؟

فرشتہ۔ ہاں اس سے بڑھ کر غلطی اور کیا ہو گی کہ انسان نے مذہب کو بالائے طاق رکھ دیا۔

گھوڑا۔ کیا آپ دینیات کے معلّم ہیں؟

فرشتہ۔ نہیں۔ لیکن میں علم الحیوانات و نباتات میں معمولی دسترس رکھتا ہوں۔ انسان نے اپنے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کی ——— سائنس کی دنیا ——— اس نے قسم قسم کے آلات ایجاد کئے۔ ایسے آلات جن کی مدد سے اُس نے زمین۔ ہوا اور پانی تک کو اپنا محکوم بنا لیا۔ لیکن کیا تمہیں معلوم ہے اسے ان چیزوں پہ قدرت کس شرط پہ دی گئی تھی؟ ——— اس شرط پہ کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ امن کی زندگی بسر کرے۔ لیکن اس نے بالکل اُلٹ کیا ——— پرانے زمانے میں تو خیر جنگ کرنا اُس کے لئے اتنا خطرناک نہیں تھا لیکن کیڑے خاں کے زمانے میں انسان کے لئے صرف دو صورتیں باقی رہ گئی تھیں۔ یا تو وہ ہر قسم کی برائیوں سے مبرّا ہو جاتا یا صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ———

کیڑے خاں۔ اس نے مٹ جانے کو پسند کیا۔

فرشتہ۔ چونکہ وہ متقی و پرہیزگار نہ بن سکا۔ اس لئے اُس سے کئی بدحواسیاں سرزد ہوئیں۔ جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر وہ بزدل ہو گیا ——— انسان کی آخری نسل بزدل تھی۔ اُس کے پاس جتنی بڑی توپ تھی۔ اسی قدر زیادہ خوف اس پر مسلّط رہتا تھا۔ فوج جتنی مضبوط ہوتی تھی اُس کے سپاہی اتنے ہی زیادہ لرزہ براندام رہتے تھے ——— انسان ازل سے اپنے آپ کو پاگل کتے سے بچاتا رہا ہے۔ لیکن اسے کیا خبر کہ پاگل کتّا وہ خود تھا ——— درحقیقت انسان کے صفحۂ ہستی سے مٹ جانے کا سب سے بڑا سبب اُس کا روحانی تنزّل تھا ——— (مسکراکر) معاف کرنا دوستو۔ میں جوش میں ———

(موتی دونوں کان کھڑے کرتا ہے اور بھونکتا ہے)

شیرنی۔ تم پھر بھونکے موتی!

فرشتہ۔ کیا بات ہے؟

شبیر۔ کیا کوئی اور انسان نظر پڑا۔

(سیٹی کی آواز سُنائی دیتی ہے سب حیران رہ جاتے ہیں۔ موتی خوشی سے

اچھلتا ہے اور ایک دم باہر بھاگ جاتا ہے۔)

فرشتہ۔ جہاں تک میرا خیال ہے یہ کسی انسان کی آواز ہے۔

بندر۔ وہ دیکھو آدمی زاد!

(شیر غرّاتا ہے۔ سب بندر کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔)

بندر۔ وہ دیکھو اِدھر ہی آرہا ہے۔

گھوڑا۔ کیڑے خاں! تم نے لاپروائی سے کام لیا۔

کیڑے خاں۔ مجھے از حد افسوس ہے۔

(موتی داخل ہوتا ہے)

موتی۔ واہ وا۔ بہت خوب۔ نہایت عمدہ۔

(شیر غرّاتا ہے۔ افعی پھنکارتا ہے)

فرشتہ۔ صبر سے کام لو دوستو!

(ایک ادھیڑ عمر کا سپاہی خاکی وردی پہنے گرد و غبار میں اٹا ہوا داخل ہوتا ہے۔ وردی پہ جا بجا خون کے دھبے ہیں۔ تمام جانور حملہ کرنا چاہتے ہیں

فرشتہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں

روکتا ہے۔)

سپاہی ۔ (فرشتے سے) آداب عرض ۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں آپ

کون ہیں ؟

فرشتہ ۔ میں فرشتہ ہوں ۔

سپاہی ۔ (دھیمی آواز میں) میرا بھی یہی خیال تھا کیونکہ آپ کی وضع قطع

ہم انسانوں سے بالکل جداگانہ ہے ۔ لیکن مجھے اس امر پر حیرت ہے

کہ جب ہم میں طاقت تھی ۔ تب تو یہاں ایک بھی فرشتہ دکھائی نہ

دیتا تھا اور اب ـــــــــــ

فرشتہ ۔ (بات کاٹ کر) کیا تم اکیلے ہو ؟

سپاہی ۔ ہاں ۔

(سب غراتے ہیں)

فرشتہ ۔ (جانوروں سے) صبر سے کام لو دوستو! (سپاہی سے) اب

تم کہاں جا رہے ہو ؟

سپاہی ۔ جناب میں اپنے ساتھیوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں لیکن ـــــ

فرشتہ ۔ ابھی تک کوئی نہیں ملا ؟

سپاہی ۔ ایک بھی نہیں ملا ـــــــــ نہ جانے سب کہاں مر گئے

——— دشمن بھی نظر نہیں آتا۔ (کبڑے خاں کو دیکھ کر) شاید یہ کچھ بتا سکیں ——— نہ جانے یہ مجھے کیونکہ نظر انداز کر گئے ——— خیر اس کے لئے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فرشتہ۔ کیا تم بتا سکتے ہو تم کیونکہ بچ نکلے؟

سپاہی۔ کون بتا سکتا ہے؟ کوئی نہیں بتا سکتا ——— مجھے تو یہ بھی علم نہیں کہ میں اس وقت زندہ ہوں یا مردہ۔

(جانور غرّاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں)

فرشتہ۔ میرے دوستو! صبر سے کام۔ تم اسے میرے حوالے کر دو۔

سپاہی۔ (جانوروں سے) میں بالکل بے ضرر ہوں دوستو! بالکل بے ضرر۔ میرے کندھے پر زبردستی بندوق رکھ دی گئی ——— میرے گلے میں بندوق کارتوسوں کی پیٹی ڈالی گئی۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں سپاہی تھا۔ مجھے جو حکم دیا جاتا تھا وہی کرتا تھا۔ اگر تمہیں کوئی شکایت ہے تو اس کے لئے میرا افسر ذمہ دار ہے میں نہیں۔

(جانور غرّاتے ہیں)

فرشتہ ۔ تم اُس بڑ کی چھاؤں میں بیٹھو سپاہی میاں! میں انہیں سمجھاتا ہوں۔

سپاہی ۔ بہت اچھا۔

(چلا جاتا ہے)

شبیر ۔ جناب ہم اپنے لئے ہرگز ہرگز خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔

بندر ۔ ہم انسان سے نفرت کرتے ہیں۔

سب ۔ ہمیں انسان قطعاً پسند نہیں۔

افعی ۔ اسے فوراً مار ڈالنا چاہیئے۔

فرشتہ ۔ وہ بالکل بے ضرر ہے۔

گھوڑا ۔ لیکن وہ ضرر رساں بن تو سکتا ہے۔

افعی ۔ اسے فوراً مار ڈالنا چاہیئے۔

(مینکارتا ہے)

فرشتہ ۔ دوستو! وہ بالکل اکیلا ہے۔

شبیر ۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں جناب! کہ اس تمام ہنگامے کے بعد جو انسان نے دنیا میں برپا کیا، کیا آپ اسے قابلِ رحم خیال فرماتے ہیں؟

فرشتہ ۔ دنیاوی نقطۂ نظر سے نہیں۔ لیکن میرے دوستو! تمہیں اس

قدر تنگ نظر نہیں ہونا چاہیئے ——— میں سچ کہتا ہوں یہ
واماندہ روح تمہیں ہرگز تنگ نہ کرے گی ——— یہ اپنی
قوم کا آخری فرد ہے ۔ ایک غریب سپاہی ——— یہ وہ شخص
ہے جسے آسمانی بادشاہت میں بھی رحم کا سب سے زیادہ مستحق سمجھا جاتا
ہے ۔ کیونکہ اس کی مثال اُس بچّے کی ہے جسے جبر وظلم سے کسی کام
پر مجبور کر دیا جائے ۔ اس میں اس کی کوئی خطا نہیں ۔ تم اسے میرے
حوالے کر دو ۔ (آواز دیتا ہے) سپاہی!

(سپاہی آہستہ آہستہ آتا ہے ۔ چہرہ پہلے
سے زیادہ پژمردہ ہے ۔)

سپاہی ۔ تم میرا ہرگز فکر نہ کرو دوستو! اب میں دنیا کی ہر چیز سے سیر ہو چکا
ہوں ۔ لڑائی بھڑائی ——— ناموری ——— مجھے کسی چیز کی
خواہش نہیں ——— اب میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں دنیا
میں بالکل اکیلا ہوں ۔ نہ بیوی ہے نہ بچّے ۔ اور نہ بدن میں طاقت باقی
ہے ۔ میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں ۔ شیر خاں! مہربانی فرما
کر مجھے بھی میرے دوسرے ساتھیوں کے پاس پہنچا دو ۔ میں تمہارا ازحد
ممنون ہوں گا ۔

(شیر پنجہ ہلاتا ہے)

فرشتہ۔ شیر خاں! ٹھہرو۔ (سپاہی سے) تم میرے ساتھ چلو!

سپاہی۔ کہاں؟

فرشتہ۔ گھر!

سپاہی۔ شکریہ۔

(فرشتہ سپاہی کا ہاتھ پکڑ کر بائیں طرف چل دیتا ہے۔ ایک روشنی اُن کی رہنمائی کرتی ہے۔ موتی دُم ہلاتا ہوا ان کے پیچھے پیچھے چل دیتا ہے۔ پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے۔)

(مکتبہ محمد سرور صدیقی خوشنویس لاہور)

شرابِ شعر و سخن کے متوالوں کو مژدہ

شعرائے ہند کی صفِ اوّل کے جادو بیان، شاعرِ رومان، خیام الہند

جنابِ اختر شیرانی

کا مجموعۂ کلام پانچ جلدوں میں شائع ہو گیا ہے۔ کلام کیا ہے ہر شعر کیف و سُرور کا چھلکتا ہوا پیمانہ ہے۔ جس میں جذبات کے میکدے لہریں لے رہے ہیں۔

صُبحِ بہار۔ تین روپے (۳؍) اختر ستان۔ تین روپے (۳؍)

شہناز۔ تین روپے آٹھ آنے (۳/۸)

لالۂ طور۔ تین روپے (۳؍) طیورِ آوارہ۔ تین روپے آٹھ آنے (۳/۸)

جملہ کتب کا سائز ۲۷×۱۷/۸، کاغذ عمدہ۔ جلد بندی مضبوط۔ اور گرد پوش جاذبِ نظر ہے۔ کاغذ کی کمی کی وجہ سے جلدیں کم تعداد میں شائع کی گئی ہیں۔ آج ہی طلب فرمائیے۔

کتاب منزل کشمیری بازار۔ لاہور

جدید اُردو شاعری

اس دلچسپ علم افزا اور معرکہ آرا کتاب میں پروفیسر عبد القادر صاحب سروری نے جدید اُردو شاعری کے تاریخی ارتقا پر بحث کرتے ہوئے مختلف دوروں کے شعری رجحانات پر تیز روشنی ڈالی ہے اور اس دوران میں منظرِ عام پر آنے والے شعرا کا تذکرہ سپردِ قلم کرتے ہوئے نئی تحریکوں کی چہرہ کشائی بھی کی ہے۔

"جدید اُردو شاعری" ادیب عالم کے نصاب میں شامل ہے۔ اور یہ تیسرا ایڈیشن ہے جس میں نہایت مفید و دلکش ترمیم و اضافہ سے کتاب کی افادی عظمت کو چار چاند لگ گئے ہیں طلبہ کو یہی تازہ ترین اور مفید ایڈیشن خریدنا چاہیے۔

علاوہ بریں یہ بیش بہا کتاب ہر دلدادۂ اُردو کے زیرِ مطالعہ اور کُتب خانے کی زینت ہونی چاہیے۔ ظاہری حُسن سے پُوری طرح آراستہ قیمت تین روپے آٹھ آنے